بعونِ صناعِ مکین و مکان و بفضلِ خلاقِ زمین و زمان
۲۴
اردو کا کلاسیکی ادب
مقالاتِ سرسید
مرتبہ
مولانا محمد اسماعیل پانی پتی
ناشر
مجلسِ ترقی ادب
۲۔ نرسنگھ داس گارڈن
کلب روڈ
لاہور

حِصّہ دھم

(۱) "اخبارات" پر تنقیدی مضامین
(۲) مضامین متعلق "تہذیب الاخلاق"
(۳) مضامین متعلق "مدرسۃ العلوم مسلمانان"

(۱) اخبارات پر تنقیدی مضامین

(۲) مضامین متعلق "تہذیب الاخلاق"

(۳) مضامین متعلق مدرسۃ العلوم مسلمانان

(۱) "اخبارات" پر تنقیدی مضامین

اخبارات کیسے ہونے چاہئیں

(ایک نہایت ہی مفید اور بالکل نایاب مضمون)

(اخبار رفیق ہند لاہور جلد ۱ نمبر ۱ - بابت ۵ جنوری ، ۱۸۸۴ء
یوم شنبہ صفحہ ۱ و ۲)

مولوی محرم علی چشتی لاہور کی اخباری دنیا اور یہاں کے طبقۂ وکلاء میں کافی معروف ہستی تھے - سرسید احمد خاں کے گروہ کا ہر با خبر شخص آن سے ضرور واقف ہوگا - مگر شاید بہت کم لوگوں کو اس حقیقت کا علم ہو کہ وہ شخص جو سر سید احمد خاں ، آن کے مشن اور آن کے دوستوں کا شدید ترین مخالف اور دشمن تھا ، وہ ابتدا میں سرسید احمد خاں اور آن کے کاموں کا اتنا بڑا قدردان ، مداح اور معترف تھا کہ شاید سید صاحب مرحوم کا کوئی بڑے سے بڑا ہوا خواہ بھی اتنا نہ ہو - اس بات کو آج ۷۶ سال کا طویل زمانہ گزر چکا ہے - جب کہ ۱۸۸۴ء میں لاہور سے مولوی محرم علی چشتی نے اخبار "رفیق ہند" جاری کیا - اس ہفت روزہ کے پہلے پرچہ میں جو ۵ جنوری ، ۱۸۸۴ء کو شائع ہوا ، مولوی صاحب نے سب سے اول جو مضمون نہایت نمایاں طور پر بڑے فخر کے ساتھ بہ طور ایڈیٹوریل شائع کیا وہ سرسید احمد خاں کا یہی مضمون تھا جسے ہم آج قارئین کرام کی خدمت میں

پیش کر رہے ہیں اور نہایت ممنون ہیں مولوی
صاحب کے لائق فرزند مولانا ابراہیم علی صاحب چشتی
کے جن کی مہربانی سے ہم اس نایاب مضمون کی نقل
کر سکے - مضمون سے پہلے مولوی محرم علی صاحب
نے بہ حیثیت ایڈیٹر اس پر جو تمہید لکھی تھی وہ
اس بے انتہا عقیدت اور محبت کو بہ خوبی ظاہر کرتی
ہے جو مولوی صاحب کو سید صاحب سے اس وقت
تھی ، جو بعد میں بے حد نفرت و حقارت اور شدید
بغض و عداوت سے بدل گئی - ذیل میں مولوی صاحب
کی تمہید اور سید صاحب کا مضمون دونوں درج کیے
جاتے ہیں : (محمد اسماعیل پانی پتی)

" ہمارے آنریبل قبلہ عالی جناب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی - ایس - آئی نے (اخبار) "رفیق ہند" کے جاری ہونے کا حال معلوم کرکے براہِ مرحمتِ بزرگانہ ہمیں مندرجہ ذیل مضمون عطا فرمایا ہے ، جس کے اندراج سے ہم سب سے پہلے تیمّناً اپنے ایڈیٹوریل کالموں کو مفتخر کرتے ہیں - جس سچی اور دلی شفقت سے جناب ممدوح نے اس پرچہ کے ناچیز ایڈیٹر کی نسبت اپنا بزرگانہ حسنِ ظن ظاہر فرمایا ہے اور خاتمۂ مضمون پر جس موثر طور سے اس کے لیے دعا کی ہے ، ہم اس کے لیے تہِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور یقین واثق کرتے ہیں کہ یہ ہیچمیرز پرچہ اپنے محسن مولانا کی سرپرستی اور نگرانی اور مستقل امداد سے ان مراتب کو پورا کرنے میں کام یاب ہو سکے گا جو براہ قومی ہمدردی ان کے ملحوظ خاطر ہیں ، تاکہ جس طرح جناب ممدوح نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اس پرچہ کا فونڈیشن سٹون (بنیادی پتھر) رکھا ہے ، یہ بھی ہمیشہ اس قابلِ یادگار عزت کو

خوبی سے قائم رکھ سکے اور اُن کی برکت سے خداوند کریم اُس کی عمر اور کارروائیوں میں بھی برکت دے۔" (محرم علی چشتی)

سرسید کا مضمون

کہتے ہیں کہ اخبار ایک نہایت عمدہ ذریعہ قومی ترقی، ملکی بھلائی، عوام کی رہنمائی، خواص کی دلچسپی، حکام کی ہدایت اور رعایا کی اطاعت کا ہے۔ مگر اس کے دوسرے پہلو پر نظر کمتر کی جاتی ہے۔ اخبار جیسا ذریعہ ان بھلائیوں کا ہے ویسا ہی ذریعہ بہت سی برائیوں کا بھی ہے بلکہ افسوس ہے کہ ہمارا ملک ابھی پہلی قسم کے اخباروں کا نہایت محتاج ہے۔ ایسے اخباروں کی کمی سے اور زیادہ تر اخباروں کے پڑھنے والوں کے نہ ہونے سے ملک میں جہالت و ناخواندگی اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ کسی شہر و قصبہ میں فی صدی پانچ آدمی بھی اخبار پڑھنے کے لائق نہ نکلیں گے اور جو نکلیں گے وہ اخبار پڑھنے کو تضیع اوقات اور حرکتِ بے سود سمجھیں گے۔

ہندوستان کے رہنے والوں کو پولیٹیکل امور سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ سوشل حالت کی اُن کو پرواہ نہیں ہے۔ پھر اخبار پڑھنا تضیع اوقات نہ سمجھیں تو اور کیا سمجھیں؟ روپیہ بلا شبہ سب سے مقدم چیز ہے۔ کوئی کام ہو اور کیسا ہی مفید ہو۔ اگر اُس کام کے کرنے والے کو روپے کی طرف سے بے فکری نہ ہو تو نہ کام کر سکتا ہے اور نہ وہ کام چل سکتا ہے۔ اخبار کا کارخانہ بھی اس قاعدہ کلیہ سے خالی نہیں ہے۔ مگر شائستہ اور ناشائستہ یا مہذب و نامہذب ملک میں اس کے برتاؤ میں فرق ہے۔ تربیت یافتہ ملک میں ایسے کام جن کو عام لوگوں سے تعلق ہے۔ عام لوگوں کے فائدے کی غرض سے کیے

جاتے ہیں جس میں روپیہ کا ذاتی فائدہ بھی حاصل ہو ۔ (مگر)
نا مہذب ملک میں کسی ایسے امر کا جس سے عام لوگوں کو مضرت
پہنچے ۔ بہ شرطیکہ اُس سے روپیہ کا ذاتی فائدہ ہو کچھ خیال
نہیں کیا جاتا ۔

اس پچھلی بد خصلت کے ظاہر ہونے کا بھی اخبار ایک عمدہ
ذریعہ ہے وہ اپنے کالموں میں ایسی خبروں کو جگہ دیتا ہے جو
لوگوں کے اُن ذاتی اخلاق و عادات سے تعلق رکھتی ہیں جن کو
پبلک سے کچھ تعلق نہیں ۔ کبھی وہ اُن کے اوصاف میں صفحے کے
صفحے سیاہ کر دیتا ہے اور کبھی اُن کی ہجو میں انشا پردازی
اور عبارت آرائی کے جوہر دکھاتا ہے ۔ اخبار کے خریدنے والوں کا
مداح اور انکار کرنے والوں کا ہائے ہوز سے ہاجی بنتا ہے ۔
سنی ہوئی خبریں ۔ عہدہ داروں اور اہل کاروں کی نسبت چھاپتا
ہے جو ایسے امور سے متعلق ہیں جن کا فیصلہ ایک جج کے
بغیر نہیں ہو سکتا اور غلطی سے اپنے دل میں سمجھتا ہے کہ
میں نے نہایت رفاہ خلائق کا کام کیا ہے ۔ لوگوں کے خوش
کرنے اور اخبار کے خریدار بڑھانے کو ایسے مضامین اور
اشتہارات چھاپتا ہے جو پبلک کے اخلاق پر نہایت بد اثر پیدا
کرتے ہیں ۔ غرض کہ اخبار ایک ایسی چیز ہے کہ خود آپ میں
اپنی خصلت کا آئینہ ہے ۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

کھلتا کسی پہ کاہے کو دل کا معاملہ
خبروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے

ہمارے ملک کے اخباروں میں پنجاب کے اخبار بلا شبہ
سب سے عمدہ ہیں ۔ میں اُن کو منزہ عن الخطا تو نہیں کہتا مگر
اعلیٰ اور عمدہ کہتا ہوں ۔

نہایت خوشی کی بات ہے کہ ان عمدہ اخباروں میں ایک اور

اخبار ''رفیق ہند'' (کا) اضافہ ہوتا ہے - جس کی نسبت توقع ہے
کہ نیو ایرز ڈے (سال کے پہلے دن) کو نیا پیدا ہونے والا ہے -
ہمارے شفیق مولوی محرم علی چشتی جن کی ذہانت ، جودت طبع ،
تیزیٔ خیالات اور ہمدردیٔ قومی مشہور و معروف ہے اس اخبار
کو نکالتے ہیں - ہم کو خدا سے اُمید ہے کہ وہ اخبار اُن تمام
صفتوں کے ساتھ سلیم الطبع اور متحمل المزاج بھی ہوگا اور
جس قدر ممکن ہے ملک کو فائدہ پہنچائے گا - او خدا ! تو ایسا ہی
کر !! آمین !!!

راقم - سید احمد ، مقام علی گڈھ

انگریزی اخبار نویس ہندوستانی اخباروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

(سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ، ۱۰ مارچ، ۱۸۷۶ء)

ہمارے نزدیک اب وہ زمانہ قریب آگیا جس میں ہندوستانیوں کے خیالات اور رائیں قدر کے لائق ہوں گی اور ہندوستانی ایک ترقی یافتہ قوم میں شمار ہو جاویں گے اور جس طرح اب تک ہندوستانیوں کے خیالات ہیچ و پوچ متصور ہونے کے لحاظ سے قابل التفات نہ تھے آئندہ وہ شائستہ قوموں کے التفات کے لائق ہوں گے بلکہ اگر ہم فکر کریں تو شاید یہ زمانہ بھی ہندوستانیوں کا بہ نسبت اُن کے پہلے زمانے کے نہایت ترقی کا ہے اور وہ اپنی رایوں اور خیالات کے لحاظ سے شائستگی کا دعویٰ کرنے والوں کے نزدیک نہایت وقعت کے لائق ہوگئے ہیں اور جس طرح پہلے ان کی رایوں اور خیالات کو دیکھ کر وہ ہنسی اڑاتے تھے اور ان کی باتوں کا مضحکہ بناتے تھے اب بجائے اس کے اُن کی باتوں پر غصہ کھاتے ہیں اُن کے سچے اور نیک خیالات کو بدی پر محمول کرتے ہیں اور جس طرح ایک ہمسر اور ہم عصر کی بات دل پر مؤثر ہوتی ہے اسی طرح ہندوستانیوں کی باتوں کا اثر بعض شائستہ لوگوں کے دلوں پر ہونے لگا ہے۔ چناں چہ اُس کی نہایت قوی دلیل یہ ہے کہ انگریزی اخبار نویس جو در حقیقت زمانہ کی ترقی اور تنزل کا تھرمامیٹر ہیں جن کے سبب سے ہمیشہ ملکی اور قومی ترقی یا تنزل کا اندازہ معلوم

به شرطیکه وہ اور هم انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت نه هوتے بلکه کسی راجه کے تابع هوتے اور اب تو هم اور وہ ایک بے دار مغز انگریزی گورنمنٹ کے ماتحت هیں - پهر کیوں کر هو سکتا هے که ایسی منصف گورنمنٹ ان انگریزی اخبار نویسوں کی خون خوار آنکھوں سے اپنی غریب رعایا کی روح تحلیل هونے دے گی کیا اب تک گورنمنٹ انگریزی پر اُن کی لسانی کے ڈھکوسلے کھل نه گئے هوں گے اور وہ هندوستانی اور انگریزی اخباروں کی روایوں میں امتیاز نه کرنے لگی هوگی - کیا اب اس کو اُن الزاموں کا یقین آجاوے گا جو انگریزی اخبار نویس هندوستانی اخباروں پر لگانے لگے هیں - هم اس بات کو نہایت سچ کہه سکتے هیں که اب انگریزی اخباروں اور هندوستانی اخباروں میں صرف اسی قدر فرق باقی رہ گیا هے جس قدر که هندوستانی تلوار اور انگریزی کرچ میں فرق هے اور وہ صرف اسی قدر هے که هندی تلوار کی صورت میں ذرا بھدا پن هے مگر جوهر میں کرچ سے کسی قدر زیادہ هے -

اگر انگریزی اخبار اس بات پر ناز کریں که وہ گورنمنٹ وقت کی زبان هیں تو یه ان کا ناز کچھ بے جا نہیں هے مگر البته اس ناز پر کوئی اُن کا فعل یا خیال مبنی هو تو ضرور بے جا هے اور اس لحاظ سے اپنی هم قوم گورنمنٹ پر نا واجب طرف داری کا الزام قائم کرنا هے -

آج کل انگریزی اخبار نویس هندوستانیوں پر اس بات کا الزام لگاتے هیں که هندوستانی اخبار نویس همیشه اُن راجاؤں یا سرداروں کی تائید کرتے هیں جو گورنمنٹ انگریزی سے ناراض هوتے هیں اور یه بھی الزام لگایا هے که یه راجا اور سردار اسی غرض سے هندوستانی اخبار نویسوں کو همیشه روپیه دیتے هیں مگر یه ایسا

نا واجب اور بالکل جھوٹ الزام ہے جس کے سبب سے ہندوستانی
اخبار نویسوں کو الزام لگانے والوں کی اخلاق تہذیب میں نہایت
نقص معلوم ہوتا ہے اور وہ اپنی دانست میں ایسے خیال ظاہر
کرنے سے اپنی نہایت بے وقعتی سمجھتے ہیں اور اس کے ظاہر
کرنے والے کو نہایت حقیر جانتے ہیں اور وہ ایسے بے بنیاد الزام
کے سننے سے متنفر ہی نہیں ہوتے بلکہ اُن کو اس بات کے یقین
کرنے کا موقع ملتا ہے کہ جب تک اس حرکت کے خود انگریزی
اخبارِ نویس مرتکب نہیں ہیں اُس وقت تک وہ ایسی بے بنیاد
بات کا قیاس بھی نہیں کر سکتے ۔ مگر اس موقع پر ہم صاحب
راقم جام جمشید کے نہایت ممنون ہیں کہ انہوں نے انگریزی
اخبار نویسوں کے اس خیال کو بڑے شد و مد سے باطل کیا ہے
اور اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ ہندوستانی راجا اور سردار
تو ہندوستانی اخباروں کی پروا بھی نہیں کرتے اور اُن کی
سرکار میں اس بات کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہندوستانی اخبار
اُن کے حق و حقوق کے کس قدر مؤید ہیں ۔ پس جب اُن ہندوستانی
راجاؤں کی یہ کیفیت ہے تو اب یہ کیوں کر قیاس میں آسکتا ہے
کہ وہ ہندوستانی سردار اُن کو روپیہ دیتے ہوں اور دیسی اخبار
اُن کی طرف داری کرتے ہوں اور یہ خیال صاحب راقم جام
جمشید کا جہاں تک ہمارے خیال میں ہے نہایت صحیح ہے اور
اس بات کا کسی طرح انکار نہیں ہو سکتا کہ دیسی اخباروں کو
راجا بابوؤں کے دربار میں کوئی پہنچنے بھی نہیں دیتا بلکہ برخلاف
اس کے یہ بے چارے راجہ ہندوستان کے انگریزی اخبار نویسوں
کی دھمکیوں سے ایسے خائف رہتے ہیں کہ اس قدر ہندوستان کے
گورنر جنرل سے بھی نہیں ڈرتے اور جب اُن کو یہ خوف ہے تو
کیا عجب ہے کہ وہ اپنے اس خوف کا علاج کچھ دے کر کرتے

رہتے ہوں کیوں کہ گورنر جنرل ہند کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ بہ صرف پیشین گوئی کے کسی راجہ سے یہ کہے کہ ہم تم کو تخت سے اتار دیں گے اور انگریزی اخبار تو اپنے خیال میں یہ پیشین گوئی صحیح سمجھتے ہیں کہ فلاں راجہ صاحب ہم کو نہ چھیڑیں ورنہ ہم کو مجبوری سے اُن کو تخت سے اتارنا پڑے گا۔ پس جب انگریزی اخبار نویسوں کا ایک عادل گورنمنٹ اور نیک نام گورنمنٹ کے عہد میں یہ منصب ہو تو جہاں تک ہندوستان کے راجہ اُن سے خائف ہوں حق بہ جانب ہے اور اس خوف کے سبب سے جہاں تک وہ اُن کی رضا جوئی کریں، کیا بعید ہے۔ جو خوف انگریزی اخباروں کا بے چارے ہندوستانیوں کے دلوں پر بیٹھ گیا ہے وہ ضرب المثل ہو گیا ہے۔ اب اُن کے قصے بنائے جاتے ہیں اور اُن کے جواب مضمون چھاپے جاتے ہیں اور طرح طرح سے اُن کی وہ عنایتیں جو ہندوستان کے باشندوں پر کرتے ہیں ظاہر کی جاتی ہیں اور گورنمنٹ کے کان تک اُن کے پہنچانے کی فکر کی جاتی ہے مگر ابھی تک گورنمنٹ کو اس کی چنداں پروا نہیں ہے۔

انگریزی اخبار نویس ہندوستان میں اس قدر کسی فرقہ سے ناراض نہیں ہیں جس قدر کہ وہ ہندوستانی اخبار نویسوں کی آزادی سے۔ اسی وجہ سے اُنھوں نے کبھی ہندوستانی اخباروں پر خوشامد کا الزام لگایا ہے، کبھی بغاوت کا الزام ثابت کیا ہے۔ کبھی ہندوستانی راجاؤں کی جھوٹی طرف داری کا خیال خام پکایا ہے مگر ہم خوب جانتے ہیں کہ یہ الزام اُن کی اسی قلبی حرارت سے پیدا ہوئے ہیں جو اب اُن کے دلوں میں ہندوستانی اخباروں کی نہایت برجستہ اور سچی رایوں کے دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور ہر چند وہ اپنے ایسے خیالات کو نہایت خوبصورت

صورت میں ظاہر کرنے کا قصد کرتے ہیں مگر اس قوی حرارت کے سبب سے ایک نوع کی سوختگی اُس اچھی صورت پر بھی ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

ہمارے انگریزی نویس ہم عصروں کو چاہیے کہ وہ اپنی نیک نام اور مشہور شائستہ قوم کی اُس راست بازی اور شائستگی اخلاق پر نظر کر کے جو آج کل ہندوستان میں ضرب المثل ہو رہی ہے اس بات کا خیال کریں کہ ہم اور وہ ایک گورنمنٹ کے ماتحت زندگی بسر کرنے والی قومیں ہیں اور ہماری اور ان کی مثال بہ نسبت گورنمنٹ انگریزی کے بہ منزلہ ایک چہرہ کی دو آنکھوں کے ہے جو چہرہ کی خوب صورتی اور بینائی میں ہر طرح برابر ہیں اور ایک کے نقصان سے دوسرے کی خوب صورتی میں نہایت خلل واقع ہوتا ہے۔ پس ایسی حالت میں اُن کو ہندوستانی اخباروں کی طرف سے ایسے خیالات کا ظاہر کرنا نہایت بڑی کج اخلاق کے ساتھ متصف کرنا ہے اور بالتخصیص ایسی حالت میں جب کہ اُن کے تمام الزام محض بے اصل اور سراسر بے بنیاد ہوں ورنہ ہم کو اندیشہ ہے کہ ہندوستانی اخبار نویس جو رعایت اب تک انگریزی اخبار نویسوں کی کرتے ہیں آئندہ اُن سے نہ ہو سکے گی اور شاید ہندوستانیوں کی وہ سچی نکتہ چینیاں جو وہ انگریزی اخباروں کی نسبت کریں گے کبھی نہ کبھی ضرور موثر ہوں گی۔

گورنمنٹ اور ہندوستانی اخبارات

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی ، ۲۷ اکتوبر ، ۱۸۷۶ء)

ہمارے پچھلے پرچہ میں "پایونیر" اخبار سے ایک انگریزی آرٹیکل نسبت ہندوستانی اخباروں کے چھپا ہے جس میں آرٹیکل لکھنے والے نے ہندوستانی اخباروں کی سختی و نا ملائمی کی شکایت کی ہے ۔ اُس میں لکھا ہے کہ "گو اُن سے بہت کم ضرر پہنچنے کا احتمال ہے تاہم اُس کا دفعیہ پہلے سے واجب ہے" یہ شکایت ہندوستانی اخباروں کی روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ لارڈ نارتھ بروک کے عہد میں یہ معاملہ ایک خاص معاملہ کے طور پر پیش ہوا تھا اور شاید کونسل کے بعض ممبروں کو خیال ہوا تھا کہ اس بے اعتدالی سے اخباروں کے روکنے کی کچھ تدبیر کی جاوے ۔ کونسل کے بعض ممبروں کے اس خیال کو لوگوں نے یہ سمجھا کہ گورنمنٹ کا ارادہ ہے کہ ہندوستانی اخباروں کی آزادی چھین لے اور اس کی نسبت چند روز تک ہر ایک اخبار میں کوئی نہ کوئی آرٹیکل چھپتا رہا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستانی اخباروں کی آزادی چھین لینی ہندوستانیوں کی بڑی ناراضی کا باعث ہوگی ۔ مگر ہم کو جو افسوس ہے وہ یہ ہے کہ ہم لوگوں نے آزادی کے معنی سمجھنے میں بڑی غلطی کی ہے ۔ ہم نے آزادی کے معنی یہ سمجھ رکھے ہیں کہ گورنمنٹ کی نسبت ، حکام اضلاع کی نسبت ، کسی فرقہ کی نسبت یا کسی شخص خاص کی نسبت جو جو دل میں آیا اچھا یا برا ، سخت یا سست ، ملائم یا نا ملائم سب کچھ لکھ دیا ۔ یہاں تک کہ شخص خاص کے ذاتی

امور کو بھی اور شخص خاص کی نسبت سخت کلامی اور دشنام دھی اور فحش الفاظ لکھنے کو بھی ہم نے اسی آزادی میں داخل سمجھا ہے ۔ اگر آزادی کے معنی درحقیقت یہی ہوں تو بلاشبہ وہ قائم رکھنے کے قابل نہیں ہے۔گورنمنٹ کی کارروائیوں پر ضلع کے افسروں کی کارروائیوں پر رائے لکھنا اور ان کے نقصانوں کو جتانا اور اختلاف رائے کے وجوہ کو لکھنا بلا شبہ ایک جزو آزادی کا ہے اور ایسی آزادی کا قائم رہنا گورنمنٹ اور رعایا کے لیے نہایت مفید ہے اور اسی آزادی کا بحال رکھنا دانا گورنمنٹ کا کام ہے ۔ مگر جب وہ آزادی حد سے تجاوز کر جاوے اور بے محل مستعمل ہونے لگے تو اس کا قائم رہنا مشکل ہے ۔ شاید ہمارے ہم وطن اس بات سے نا خوش ہوں مگر جو بات ہماری سمجھ میں سچ ہے اس کا لکھنا ہم کو ضرور ہے ۔ ہم کو قبول کرنا چاہیے کہ ہمارے ہندوستانی اخباروں نے آزادی کو بے محل استعمال کرنا شروع کیا اور گورنمنٹ کی کارروائی کی نسبت بھی جو رائیں انھوں نے لکھی ہیں وہ بھی حد اعتدال سے بڑھ کر ہیں ۔ ہم کو اس بات کے قبول کرنے میں ذرا بھی عذر نہیں ہے کہ بعض حاکموں نے بعض ہندوستانیوں کے ساتھ نہایت نا انصافی اور جبر و تعدی بلکہ ظلم کیا ہے مگر ہمارا یہ کام نہیں ہے اور نہ یہ آزادی میں داخل ہے کہ ہم ذکر تو ایک خاص مقدمہ کا کریں اور اس پر ایک عام نتیجہ نکالیں کہ اب ہندوستانیوں کی جان و مال کی حفاظت خطرہ میں پڑ گئی ہے ۔ اسی طرح اکثر اخباروں میں نہایت سختی اور نا ملایم الفاظ سے گورنمنٹ کو اس طرح جتایا گیا ہے کہ گویا اس کے تمام کام ایسے ہی نا انصافی سے ہوتے ہیں جس سے رعایا کو امن کی توقع نہ ہو ۔ اس قسم کے مضامین گو ہندوستانی اخباروں میں کسی بد نیتی سے لکھے جاتے ہوں

بلکہ عام ایشیائی مبالغہ آمیز تحریر اور فصاحت بیان اور لوگوں میں پسندیدہ ہونے کو تحریر ہوتے ہوں مگر آزادی کی حد سے متجاوز ہیں اور اسی قسم کی باتوں کے تدارک کرنے کو گورنمنٹ کے خیالات ہندوستانی اخباروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اخباروں کی اس قسم کی کارروائی سے ہمارے ملک کا بھی بڑا نقصان ہے۔ اس لیے کہ جب اخباروں کی تحریریں حد اعتدال سے متجاوز ہیں تو کبھی اس وقعت کی نہیں ہو سکتیں کہ گورنمنٹ کبھی ان کو نظر غور اور نظر التفات سے دیکھے اور اخباروں کو اپنی کارروائی میں مشیر کار اور رعایا کی جانب سے وکیل سمجھے بلکہ ایسے اخباروں کو گورنمنٹ ہمیشہ اس نگاہ سے دیکھتی ہے کہ وہ کس قدر رعایا میں ناراضی بے جا پھیلا رہے ہیں اور ان سے کس قدر مضرت گورنمنٹ کو پہنچ سکتی ہے اور مضرت کی اس حد تک پہنچنے کی منتظر رہتی ہے جس پر گورنمنٹ کو مداخلت کرنا ضرور ہو جاوے۔ پس جب اخباروں کا یہ حال ہو کہ گورنمنٹ ان کو اس نگاہ سے دیکھتی ہو تو وہ اخبار کبھی ملک کے لیے فائدہ بخش نہیں ہو سکتے۔ آزادی بلا شبہ رعایا کا حق ہے مگر اسی وقت تک جب تک کہ رعیت اس کے قائم رکھنے کے لائق ہو۔ جو رعیت کہ آزادی کا بوجھ اٹھانے کے لائق نہیں ہے وہ کبھی آزادی کا خلعت نہیں پہن سکتی۔ پس آزادی کا دعویٰ کرنے سے پہلے ضرور ہے کہ ہم اپنے تئیں آزادی کا مستحق بھی ثابت کریں۔

یہ تمام نقصان خود ہم نے اپنے بیان کیے مگر اب یہ بات غور کے لائق ہے کہ آیا گورنمنٹ کو اس میں دست اندازی کرنا اور روکنا جیسے کہ اکثر انگریزی اخباروں کی رائے ہے بہتر ہوگا اور اس مضرت کو رفع کرے گا یا اس سے بھی زیادہ مضرت

پیدا کرے گا ۔ هم پچھلی بات سے اتفاق رائے کرتے هیں اور هم سمجھتے هیں که اس میں مداخلت کرنے سے حال کی مضرت احتمالی اور خیالی سے بہت زیادہ مضرت هوگی ۔ اس وقت گورنمنٹ کو موقع ہے که اس آزادی کے سبب گو کیسی هی بے موقع استعمال کی جاتی هو ، رعایا کے دلی حالات اور تعصبات اور بھلا یا برا خیال جو ان کو گورنمنٹ یا اس کی طرز حکومت کی نسبت ہے ظاهر هوتا رهتا ہے اور گورنمنٹ اندازہ کر سکتی ہے که رعایا کا خیال اس کے ساتھ کیسا ہے ۔ علاوہ اس کے جو رنجشیں اور بخارات رعایا کے دل میں جا یا بے جا گورنمنٹ کی طرف سے پیدا هوتے هیں وہ سب نکلتے رهتے هیں اور دل هلکا هو جاتا ہے ۔ اس کی ایسی مثال ہے که ایک شخص کسی سے رنجیدہ هوا اور اس نے اس کو خوب گالیاں دے لیں اور برا بھلا کہہ لیا تو اس کا وہ رنج نہایت خفیف رہ جاتا ہے ۔ برخلاف اس شخص کے جس کو جا یا بے جا کسی سے رنج پہنچا هو اور اس کو کسی طرح رنج نکالنے کا قابو نه هو تو وہ رنج همیشه اس کے دل میں جگه پکڑتا جاتا ہے جس کی مضرت هم اس دشنام دهی کی مضرت سے زیادہ شدید سمجھتے هیں ۔ علاوہ اس کے جس زمانه میں که اس کثرت سے اخبار جاری نه تھے اس زمانه میں حال کی به نسبت افواها نہایت غلط اور مضرت بخش خبریں گورنمنٹ کی نسبت عوام میں مشہور هوتی تھیں اور وہ همیشه قائم رہ جاتی تھیں جس کا دفعیه نا ممکن تھا اور پھر ایک دوسرے کی نقل میں بہت سی زیادتی هوتی جاتی تھی اور کچھ کا کچھ لوگ سمجھ جاتے تھے اور همیشه وهی سمجھے رهتے تھے ۔ ان به کثرت اخبارات سے گورنمنٹ کو یه بہت بڑا فائدہ هوا ہے که ان افواهی خبروں کا پھیلنا بہت کم هوگیا ہے اور یه نہایت عمدہ و بہتر امر گورنمنٹ

کے لیے ہے - پس اگر کچھ مداخلت گورنمنٹ اخباروں کی نسبت کرے گی تو یہ فائدہ بالکل معدوم ہو جاوے گا اور عموماً ایک خیال پھیلے گا کہ گورنمنٹ اصلی بات کو اخباروں میں لکھنے نہیں دیتی اور اس بناء پر پھر وہی افواہی اور زبانی گپوں اور غلط خبروں کی گرم بازاری ہو جاوے گی جو نہایت ہی مضر ہے - پس ہماری رائے یہ ہے کہ گو ہندوستانی اخبار بقول پایونیر کے کیسے ہی نا قابل برداشت ہو گئے ہوں مگر گورنمنٹ کو اُس میں کسی قسم کی دست اندازی کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے -

باقی رہی ہندوستانی اخباروں کی اصلاح ، یہ از خود رفتہ رفتہ ہوتی جاتی ہے جو حالت پانچ برس پہلے اخباروں کی تھی اُس میں اور حال کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہے - پولیٹیکل باتوں پر رائے دینا اور گورنمنٹ کی کارروائیوں پر ریویو کرنا حال میں شروع ہوا ہے اور اس لیے اُس میں غلطی کا ہونا اور خلاف اصولِ علم ، اخلاق و قوانین کے مباحثہ کا آ جانا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے - علمِ اصول ، اخلاق و قوانین اور علمِ انتظام و سیاست مدن روز بروز ہندوستانیوں میں پھیلتا جاتا ہے اور جوں جوں اُس کی ترقی ہوگی اخباروں کی رائیں نسبت پولیٹیکل باتوں کے زیادہ تر صائب و صحیح ہوتی جاویں گی اور یہ نقص جو اب دکھلائی دیتا ہے از خود رفتہ رفتہ رفع ہو جاوے گا لیکن اگر گورنمنٹ کی مداخلت ہوئی تو ہماری رائے میں بہت زیادہ مضرت پیدا ہوگی -

---

بلا درخواست اخبار کی روانگی اور مطالبۂ قیمتِ اخبارات

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ، ۲۷ اکتوبر، ۱۸۷۶ء)

ہمارا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے ہم عصر ایڈیٹران اخبارات کی رائے پر نکتہ چینی کریں بلکہ ہم چاہتے ہیں کہ ہندوستانی اخبار با وقعت رہیں اور یار ساطر ہوں نہ بار خاطر۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ قیمت اخباروں کی نہایت دقت و مشکل سے وصول ہوتی ہے بلکہ بہت سی وصول بھی نہیں ہوتی مگر ایسے خریداروں کی نسبت جو کچھ اخبارات میں لکھا جاتا ہے ہمارے دل کو اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اول تو بلا درخواست خریداری کسی کے نام اخبار کا جاری کرنا ایک طریقہ نا پسندیدہ ہے۔ ایک دو پرچے بہ طور نمونہ کے بھیجنے کا مضائقہ نہیں۔ اُس کے بعد اگر مرسل الیہ کی جانب سے درخواست خریداری آئی تو اُس کے نام اخبار جاری کرنا چاہیے مگر باوصف نہ آنے درخواست خریداری کے اُس کو برابر جاری رکھنا ہماری سمجھ میں مناسب طریقہ نہیں ہے۔

اکثر اخباروں کے اشتہار میں مندرج ہوتا ہے کہ جن لوگوں کے پاس اخبار بلا درخواست بھیجا جاتا ہے اُن کو چاہیے کہ اخبار واپس نہ کریں بلکہ فی الفور بذریعہ خط پیڈ کے اُس کی خریداری کی نا منظوری سے اطلاع دیں۔ اگر ایسا نہ کریں گے

تو برابر اخبار جاری رہے گا اور قیمت بہ حساب پیشگی یا بہ حساب ما بعد اُن سے لی جاوے گی ۔

مگر خیال کرنا چاہیے کہ ہمارا کیا حق ہے جو ہم اُن لوگوں پر ایسی فرمائش کرتے ہیں اور ان کو ہمارے ان احکام اور دستور العملوں کی تعمیل کیوں واجب ہے ۔ جو لفافہ کسی شخص کے نام پر ہے اُس کا حق ہے اور اُس کے اختیار میں ہے کہ چاہے اُس کو واپس کر دے اور چاہے لے لے اور کھولے اور پڑھے ۔ اُس پر کچھ زور نہیں کہ خواہ مخواہ وہ اُس کا جواب بھی لکھے اور محصول دے کر اُس کی خریداری سے انکار کا خط بھی لکھے ۔ صرف اشتہار میں یہ لکھ دینا کہ دز صورت عدم ارسال خط انکاری ہم قیمت لیں گے کسی طرح کافی واسطے استحقاق دعویٰ کے نہیں ہے مرسل الیہ جواب دینے پر عقلاً ، عرفاً ، شرعاً ، قانوناً مجبور نہیں ہے اور ادائے قیمت یا خریداری اخبار کا اُس نے کوئی معاہدہ نہیں کیا ۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ادائے قیمت کا ذمہ دار ہو ۔ ہاں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ مقتضائے اخلاق و آدمیت یہ تھا کہ جس نے اخبار بھیجا ہے اُس کو کچھ جواب دیا جائے مگر انصاف شرط ہے ۔ جس سختی اور حکم قطعی سے ہم اُن کو لکھتے ہیں کہ اخبار واپس نہ کرو بلکہ پیڈ خط انکاری لکھو ورنہ قیمت لی جاوے گی تو ہم خود اخلاق سے گزر جاتے ہیں ۔ پھر اُن سے اخلاق برتنے کی ہم کیا توقع کر سکتے ہیں ۔

ادائے قیمت اخبار کا کچھ جھگڑا نہ ہونا چاہیے بلکہ ہم کو لازم ہے کہ ہم اول تو بلا درخواست خریداری کسی کے نام اخبار جاری نہ کریں اور جب تک زر قیمت پیشگی نہ آئے کسی کو اخبار نہ دیں اور اگر بہ حساب نرخ ما بعد اخبار جاری

کیا جاوے تو جب میعاد ادائے قیمت ما بعد کی گزر جاوے اور قیمت ادا نہ ہو اخبار کا اجراء بند کر دیں اور اگر با ایں ہمہ ہم اخبار جاری رکھتے ہیں اور بھیجے جاتے ہیں تو درحقیقت یا ہم دانستہ اپنا آپ نقصان کرتے ہیں یا بہ توقع سخاوت مرسل الیہ کے کہ شاید احساناً کل زر قیمت دے دے ، بھیجے جاتے ہیں - پس ان دونوں حالتوں میں قیمت کا جھگڑا کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا - کیوں کہ جو ٹھیک طریق معاملہ کا تھا وہ تو طرفین نے چھوڑ دیا - پس اب مرسل الیہ کی مرضی پر معاملہ رہ گیا ہے کہ چاہے خوش اخلاقی و نیک نیتی اور اخبارات کی مدد گاری کے لیے جن کی نسبت اُمید ہے کہ ملک کے لیے مفید ہو جاویں گے یا اب بھی کسی قدر مفید ہیں زر قیمت ادا کرے اور چاہے اس خیال سے کہ معاملہ اصول معاہدہ پر جاری نہیں رہا نہ دے - ہمارا عمل تو اسی پر ہے اور اُمید ہے کہ ہمارے ہم عصر بھی اس پر توجہ فرماویں گے -

شاید یہ خیال ہو کہ اس طریقہ سے اخبار جاری کرنے میں خریداری کم ہو جاوے گی اور مطبع کو نقصان پہنچے گا مگر ہم کہتے ہیں کہ اب بھی تو بہ سبب وصول نہ ہونے زر قیمت کے اس قسم کے خریداروں سے وہی نقصان پہنچتا ہے بلکہ برخلاف اس کے ہم توقع کرتے ہیں کہ اگر سب ہمارے ہم عصر اسی قاعدہ پر عمل کریں تو شاید قیمت اخبارات کے ادا میں جو تساہلی یا کاہلی یا بے پروائی یا نا دہندی خریدار اُن کی جانب سے ہوتی ہے وہ دور ہو جاوے -

---

دربار دہلی اور ایڈیٹران ہندوستانی اخبارات

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ، ۲ نومبر ، ۱۸۷۶ء)

پٹیالہ اخبار نے جو ہم سے درباب نشست اور نمبر ایڈیٹران اخبار کے ہماری رائے طلب کی ہے اُس کا ہم شکر کرتے ہیں۔ ہماری یہ رائے ہے کہ اب ہم کو یہ خیال دل سے نکال دینا چاہیے کہ ہماری نشست کہاں ہوگی اور کس کا نمبر مقدم و کس کا موخر ہوگا بلکہ اب ہم کو یہ خیال پیدا کرنا چاہیے کہ ہم خود اپنے میں وہ خوبیاں اور اخلاق پیدا کر لیں جس کے سبب ہم خود معزز و سب سے نمبر اول ہوں اور نشست کے نمبر کا کبھی خیال بھی نہ کریں۔

صدر ہر جا کہ نشیند صدر است

کیا اگر کوئی ایڈیٹر بالفرض جو خود نا لائق اور بے عزت ہے اول نمبر پر بیٹھنے سے لائق ہو جاوے گا اور لائق اور معزز ایڈیٹر پچھلے نمبر پر بیٹھنے سے نا لائق و بے عزت ہو جاوے گا اسی طرح ہم نہیں چاہتے کہ اخباروں کی قدر کا اندازہ رپورٹران آف دی ورنیکولر پریس آف اپر انڈیا پر چھوڑا جاوے بلکہ ہم کو اپنے اخباروں کی قدر کا اندازہ خود اس کے مضمونوں اور اپنی قوم کے رفاہ و فلاح میں کوشش کرنے اور کم سے کم اپنی قوم کی پسند پر رکھنا چاہیے۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ اس

مضمون کا خاتمہ ایک مذاق کی مثل اور ایک دل لگی کی حکایت پر کریں مثل تو یہ مشہور ہے کہ ''ایک تونے کی روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی'' جناب ایڈیٹر سب برابر ہیں کسی نے ایک ورق چھاپا کسی نے دس ورق چھاپے - پس کسی کو تقدم و تاخر نمبر کا کیا استحقاق ہے -

حکایت یہ ہے کہ عالمگیر بادشاہ اور اُس کے وزیر میں مباحثہ ہوا - عالمگیر نے کہا کہ علماء بہت مہذب و پاکیزہ نفس ہوتے ہیں - وزیر نے کہا کہ نہیں، فقراء مہذب و پاکیزہ نفس ہوتے ہیں - آخر یہ ٹھہرا کہ تجربہ کیا جاوے - طریقِ تجربہ یہ قرار پایا کہ بادشاہ نے علماء اور فقراء سب کی دعوت کی - جس مکان میں دعوت قرار پائی اُس کے دو دروازے تھے - یہ تجویز ہوئی کہ ایک دروازہ سے علماء داخل ہوں اور دوسرے دروازہ سے فقراء - مگر ہر گروہ کا جو سب سے اعلیٰ و افضل ہو اول آوے اور پھر اسی طرح ثم فثم - وقت معین پر بادشاہ مکان میں آ بیٹھے اور ایک دروازہ پر علماء کا غول جمع ہوگیا اور دوسرے دروازہ پر فقراء کا - مگر دونوں غولوں میں کا کوئی بھی اندر نہیں آتا - بادشاہ نے کہا کہ جا کر دیکھو تو کیا ہوا - لوگ اندر کیوں نہیں آتے-وزیر نے کہا کہ حضور خود چل کر ملاحظہ فرماویں - غرض کہ بادشاہ اُس دروازہ پر گئے جہاں فقراء کا غول جمع تھا اور وہ ایک دوسرے سے یہ کہہ رہے تھے جناب آپ سب سے بزرگ اور افضل ہیں پہلے آپ چلیے - وہ کہتے تھے توبہ استغفر اللہ میں تو ناچیز جوتیوں کی خاک ہوں-آپ سب سے بزرگ و افضل ہیں - سب سے اول آپ چلیے - اسی تکرار میں کوئی شخص آگے نہ بڑھتا تھا -

بادشاہ اس کسر نفسی و تہذیب باطنی کو دیکھ کر بہت

متعجب ہوا اور کہا کہ چلو عالموں کے دروازہ پر، وہاں کیا ہو رہا ہے ۔ جب وہاں گیا تو کیا دیکھا کہ ایک کہہ رہا ہے کہ واہ سب سے بڑا عالم تو میں ہوں،سب سے آگے میں چلوں گا۔ دوسرا کہتا ہے کہ بیٹھو 'الف' کے نام 'بے' تو آتی نہیں۔میرے برابر کون ہے جو سب سے آگے چلنے کا قصد کرے ۔ اسی طرح سب لوگ تکرار کر رہے تھے اور ہر شخص اپنے ہی کو سب سے بڑا عالم بتاتا تھا ۔ یہ اس کو اور وہ اس کو آگے بڑھنے نہیں دیتا تھا ۔ جو آگے بڑھتا تھا دوسرا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کھینچتا تھا اور اس کھینچا تانی میں کوئی اندر نہیں جا سکتا تھا ۔

پس جناب اگر آپ نے بہ لحاظ فضل و کمال ایڈیٹروں کے نمبروں کا بکھیڑا لگایا تو وہی عالمگیری دربار کی نقل ہو جاوے گی اور خود لارڈ لٹن کو آن کر دیکھنا پڑے گا کہ ایڈیٹروں میں کیا ہاتھا پائی ہو رہی ہے ۔ لیکن اگر آپ ہم سے رائے ہی پوچھتے ہیں کہ اول نمبر کا مستحق کون ہے تو بہ مجبوری ہم کو کہنا پڑتا ہے کہ ہوں تو میں ہی !!! پس دوسرا نمبر آپ تجویز کر لیں ! ہمارے ایک دوست نے کہا کہ یوں نہیں ۔ سب سے پرانا اخبار کا ایڈیٹر نمبر اول ہو ۔ ہمارے دوست "تہذیب الاخلاق" کے ایڈیٹر بولے کہ بھئی یہ نہیں ۔ سب سے بوڑھا ایڈیٹر نمبر اول ہو ۔

"اخبار عالم" اور اُس کا اڈیٹر

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ، ۱۵ ستمبر، ۱۸۷۲ء)

ہم کو اس خبر کے دیکھنے سے سخت قلق ہوا کہ ہمارا ایک لائق ہم عصر جو اپنی تیزی طبیعت اور حدتِ مزاج اور قوتِ حافظہ کے لحاظ سے یکتا تھا اُس نے اس جہانِ فانی سے انتقال کیا ۔ ہم کو اس کا نام لکھنے سے درد معلوم ہوتا ہے اور ہم کو یہ بات کہتے رنج ہوتا ہے کہ محمد وجاہت علی خاں صاحب مالک و راقم "اخبار عالم" اس جہانِ فانی سے انتقال کر گئے ۔ ہم کو اپنے دوست کے اخلاق یاد آتے ہیں اور ہم بہ جز صبر کے اور کیا کہہ سکتے ہیں ۔

یہ بھی بہت افسوس کے لائق بات ہے کہ خاں صاحب مرحوم کے بعد کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو اُن کے کارخانہ کو سنبھال سکے ۔ کیوں کہ خاں صاحب مرحوم نے صرف ایک لڑکا چھوڑا ہے جس کی عمر چار برس کی ہے اور ایک بیوی ہے جو بے چاری کچھ بھی نہیں کر سکتی ۔ خان صاحب ممدوح کا کارخانہ اب یوماً فیوماً رو بہ ترقی تھا۔اب اُن کے مطبع نے ترقی پائی تھی اور اُن کے پاس اب اچھا سامان مہیا ہوگیا تھا مگر افسوس ہے کہ

سب کو یوں ھی چھوڑ گئے اور صرف اپنے اعمال ھمراہ لے گئے دیکھیے وہاں کیا ھوتا ھے[1] ۔

۱۔ ''اخبار عالم'' جس کا اس مضمون میں ذکر ھے میرٹھ (یو ۔ پی) کمبوہ دروازہ ، حویلی اشفاق حسین خاں سے ھفتہ وار شائع ھوا کرتا تھا ۔ ۱۸۶۱ء میں اسے منشی وجاھت علی خاں نے جاری کیا تھا ۔ جب ۱۸۷۶ء میں اُن کا انتقال ھو گیا تو حکیم مقرب حسین نامی ایک صاحب اس کے مالک ھوئے اور اُنھوں نے ایک صاحب منشی عبدالحکیم کو اس کا ایڈیٹر مقرر کیا ۔ اخبار میرٹھ کے مطبع دار العلوم میں چھپتا تھا اور ۱۲ صفحات کا ھوتا تھا ۔ سالانہ قیمت پندرہ روپے چار آنے تھی ۔ لیکن منشی وجاھت علی خاں کے بعد کوئی لائق ایڈیٹر اس کو نہ ملا اور اس لیے کچھ عرصہ بعد یہ بند ھوگیا ۔ اخبار کی عبارت اُس زمانہ کے موافق بالعموم نہایت مقفٰی اور مسجّع ھوا کرتی تھی اور یہ خبریں بہت تلاش اور محنت سے فراھم کرکے شائع کی جاتی تھیں ؛ مضامین اور نظمیں بھی ھوتی تھیں ۔ کاغذ سفید اور عمدہ لگایا جاتا تھا ۔ چھپائی روشن اور صاف ھوتی تھی۔ھر پنجشنبہ کو شائع ھوتا تھا ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

عربی اخبار لندن

(اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ، ۲۲ دسمبر ، ۱۸۷۶ء)

لندن میں آج کل ایک عربی اخبار جاری ہوا ہے جس کا ایڈیٹر ایک مہذب عربی ہے جو پہلے مسلمان تھا اور اب عیسائی ہوگیا ہے ۔ جو لوگ اس کے عیسائی ہونے کی خبر دیتے ہیں وہی یہ بیان کرتے ہیں کہ اس عربی کو ترک سے نہایت نفرت ہے اور وہ اس قوم کی باتوں کو ہرگز پسند نہیں کرتا ۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ایک ایسے زمانہ میں جب کہ انگلستان کو ٹرکی کی امداد کا نہایت خیال ہے اس ایڈیٹر کو جو اسلام اور ترک دونوں کا مخالف ہے بڑی عالی دماغی اور نہایت جاں کاہی سے کام کرنا پڑے گا اور اس کو اپنے نازک خیالوں کا بڑی کوشش کے ساتھ سنبھالنا پڑے گا اور جب تک کہ گلیڈ اسٹون صاحب بہادر کے فرقہ کے خیالات اس کی اعانت نہ کریں گے اور انہیں کی کوشش اس کے پریس کو نہ کھینچے گی اس وقت اس کی تنہا ہمت کیا کام کر سکے گی ۔ اگر اس عیسائی عرب کو سب سے پہلے ناموری حاصل کرنے کا شوق تھا تو اس کے اخبار کے واسطے آج کل روس کا دارالسلطنت زیادہ مناسب تھا ۔

اگر یہ عیسائی عرب ایسا روشن دماغ ہے جیسا کہ یورپ کے اخباروں کی ایڈیٹری کے واسطے ہونا چاہیے اور اس کی عقلی روشنی یورپ کے آفتاب ترقی سے ماخوذ ہے تو، وہ ضرور ہی گلیڈ اسٹون صاحب کے فرقہ کی تدبیر مملکت کو زندہ کرنے میں کوشش

کرے گا اور اگر یہ بات نہیں ہے تو صرف عربی زبان کچھ بڑا کام نہ کرے گی اور اس کے اخبار کی کچھ بڑی وقعت نہ ہوگی اور صرف تبدیل مذہب سے وہ عیسائیوں کا خیر خواہ ثابت نہ ہو جاوے گا بلکہ عجب نہیں ہے کہ تلون طبع کی وجہ سے اس کی رائے بھی متلون ثابت ہو -

ہم کو اس موقع پر یہ بات بھی بیان کرنی چاہیے کہ جس چیز نے یورپ کی دماغی قوتوں کو منور کر رکھا ہے وہ یہی قدردانی ہے جو وہ تمام زبانوں اور تمام علوم کی کرتے ہیں - خاص لندن میں ایک عربی زبان کے اخبار کا جاری ہونا اور پھر اس قدر شناسی کے ساتھ جاری رہنا اُن لوگوں کے نزدیک جو اس کے عادی نہین ہیں بلاشبہ تعجب سے خالی نہیں ہے اور جو لوگ یورپ کی علمی قدردانی اور اس کی ترقی کے ذریعوں سے مطلع ہیں ان کے نزدیک یورپ کا یہ علمی شوق نہایت تحسین و آفرین کے لائق ہے -

افسوس ہے کہ ہمارے ملک کے باشندے ابھی تک اس بات سے بھی مطلع نہیں ہیں کہ اخبار کیا چیز ہے اور کیا اس سے نفع ہے - وہ ابھی تک یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اخباروں کی نکتہ چینیاں کس مصرف کی ہیں اور ہم کو ایسی نکتہ چینیوں سے کیا فائدہ حاصل کرنا چاہیے - یہاں تک کہ جو شوق یورپ کے ادنٰی درجہ کے لوگوں بلکہ اُن لوگوں کو ہے جو وہاں کے عالموں کے نزدیک زمرۂ انسانیت سے خارج ہیں وہ شوق اب تک یہاں کے خواص کو بھی نہین ہے - یورپ کے ایک امیر کا کوچبان جب کہیں گاڑی لے جاتا ہے تو وہ بغیر ایک پرچہ اخبار کے نہین جاتا کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ جب تک گاڑی کسی جگہ بے کار کھڑی رہے گی اُس وقت تک اس کو ٹھالی بیٹھنا اور وقت ضائع

کرنا پڑے گا - برخلاف ہمارے ملک کے لوگوں کے جو اطمینان
اور فرصت کے زمانہ میں بھی اخبار بینی کو سامعہ خراشی اور
تضیعہ اوقات کے نام سے یاد کرتے ہیں -

ہمارے ملک کی دیسی زبان کے اخبار بھی بہت سے امراء کے
ہاں اس وقت اس طرح پڑے ہوں گے کہ ان کی چٹ نہ کھلی
ہوگی اور لندن میں اس عربی اخبار کو بھی ہر ایک شخص
نظر شوق سے دیکھے گا اور اس پر رائے لگا دے گا اور صد ہا
عربی دان انگریز عربی زبان میں اس کے کارسپانڈنٹ ہوں گے - پس
جس قوم کی بیدار مغزی اور کمالات اس درجہ ترقی پر ہوں وہ
کیوں کر تمام دنیا میں عزت کی مستحق نہ ہوگی اور جس قوم کا
یہ حال ہو کہ وہ اپنی پست ہمتی سے اخبار کو دوسروں کی
زبان سے بھی سننا نہ چاہیں وہ کیا اس قوم کے قدم پر قدم
رکھنے کا قصد کرے گی -

ہم کو امید ہے کہ وہ عربی اخبار جو لندن میں جاری
ہونے والا ہے ضرور ہندوستان میں بھی آوے گا اور اس وقت
ہم کو اس کے بعد اس کی نسبت کسی رائے کے لکھنے کا موقع
ملے گا - ہمارے ہندوستانی ہم عصر ضرور اس اخبار کو ہندوستان
میں طلب کریں گے اور اس کی حالت سے انگریزی قوم کی
قدردانی کا حال معلوم ہوگا -

---

(۲) مضامین متعلق "تہذیب الاخلاق"
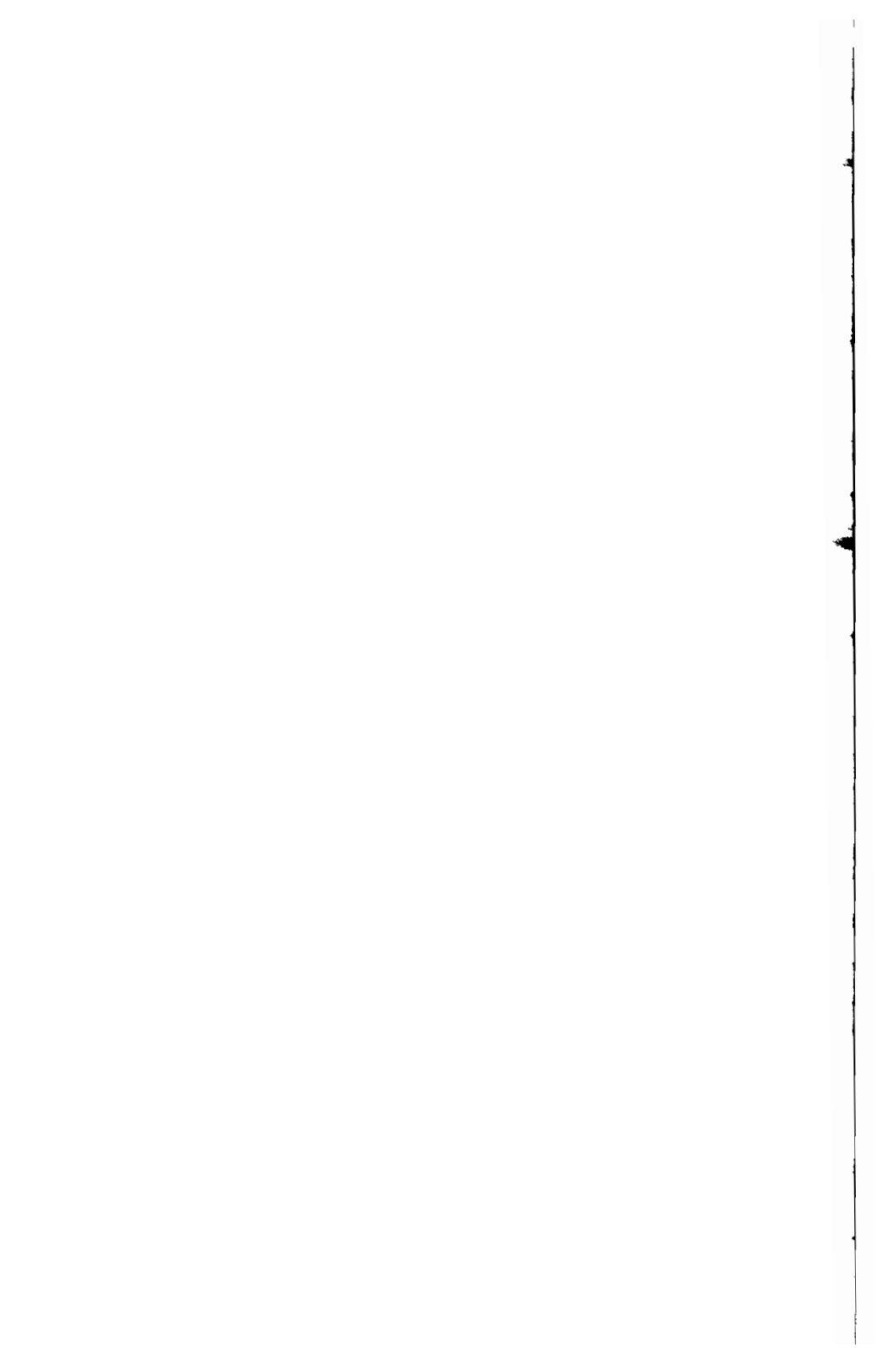
پرچہ تہذیب الاخلاق

اور

اُس کے اغراض و مقاصد

جب ۱۸۶۹ء میں سرسید نے لندن کا سفر کیا تو انگریزوں کی تہذیب و شائستگی کو دیکھ کر اُن کو مسلمانوں کی پستی اور تنزّل کی حالت پر بہت ھی قلق اور دکھ ھوا - اپنی قوم کی اس زبوں حالی کا باعث اُنھوں نے اُن غلط اور باطل خیالات کو سمجھا جن میں مسلمان مبتلا تھے - چوں کہ اُن کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ھوا تھا ، اس لیے اُنھوں نے ولایت ھی میں پختہ ارادہ اس امر کا کر لیا کہ جہاں تک مجھ سے بن پڑے گا ،میں مسلمانوں کی اس حالت کو بدلنے کی کوشش کروں گا۔اس واقعی حقیقت سے کسے انکار ھو سکتا ھے کہ وہ اپنی عمر کے باقی ایام میں ھر آن اور ھر لمحہ مسلمانوں کی ترقی اور اصلاح میں نہایت مستقل مزاجی اور پورے خلوص کے ساتھ انتہائی اور امکانی جد و جہد کرتے رھے -

مسلمانوں کی مذھبی ، اخلاقی اور معاشرتی حالت کی اصلاح کی پہلی تدبیر اُن کی سمجھ میں یہ آئی کہ ایک اعلیٰ پایہ کا ماھوار رسالہ نکالا جائے جس میں ایسے مضامین اور آرٹیکل ملک کے قابل اور فاضل حضرات سے

لکھوائے جائیں جو اُن کی ان تینوں حالتوں کی اصلاح میں ممد اور معاون ہوں اور جن کو پڑھ کر مسلمانوں کے باطل خیالات ، فضول توہمات اور جاھلانہ اعتقادات ، روشن خیالی ، بلند حوصلگی اور اچھے اخلاق سے بدل جائیں ۔

اس پرچہ کا نام اُنھوں نے "تہذیب الاخلاق" رکھا اور اُس کے سرورق کا بہت خوش نما بلاک ولایت ھی میں بنوا لیا ۔

جب سرسید اپنے سفر ولایت سے واپس ہندوستان آئے تو فوراً ھی اُنھوں نے اپنے اس خیال کو عملی جامہ پہنانا چاھا ۔ چناں چہ سفر سے واپسی پر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے خاص خاص دوستوں سے اس معاملہ میں مشورہ کیا ۔ سب نے اس نیک کام کی تائید اور حمایت کی اور ھر ممکن امداد دینے کا وعدہ کیا ، جس پر سرسید نے اُس کے اجراء کی تیاری شروع کر دی ۔

چوں کہ رسالہ جاری کرنے کے لیے سرمایہ کی ضرورت تھی اور سرسید اپنا سب کچھ سفر لندن پر قربان کر چکے تھے ، یہاں تک کہ گھر کے برتن اور اپنی قیمتی کتابیں بھی فروخت کرنے کے بعد ھزاروں روپے سود پر قرض لے چکے تھے ، اس لیے تجویز یہ قرار پائی کہ سرسید کا ، ھر دوست ساٹھ روپے سالانہ امداد دے ۔ چناں چہ رقم فوراً جمع ھو گئی ۔

سرسید کو رسالہ کے جاری کرنے کی اس قدر جلدی تھی کہ وہ سفر ولایت سے ۲ اکتوبر ، ۱۸۷۰ء

کو واپس ہندوستان پہنچے اور واپسی کے صرف
ایک مہینہ ۲۲ دن بعد یکم شوال ، ۱۲۸۷ھ مطابق
۲۴ دسمبر ، ۱۸۷۰ء کو اُنھوں نے رسالہ کا پہلا پرچہ
شائع کر دیا ۔

اس پہلے پرچہ میں سرسید نے رسالہ کے جو
اغراض و مقاصد "تمہید" کے عنوان سے رقم فرمائے
تھے ، وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ۔
(محمد اسماعیل پانی پتی)

تمہید

اس پرچے کے اجراء سے مقصد یہ ہے کہ ہندوستان کے
مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلزیشن یعنی تہذیب اختیار
کرنے پر راغب کیا جائے ، تاکہ جس حقارت سے سویلائزڈ یعنی
مہذب قومیں اُن کو دیکھتی ہیں ، وہ رفع ہو اور وہ بھی دنیا
میں معزز و مہذب قوم کہلاویں ۔

سویلزیشن انگریزی لفظ ہے جس کا ترجمہ ہم نے تہذیب
کیا ہے ۔ مگر اس کے معنی نہایت وسیع ہیں ۔ اس سے مراد ہے
انسان کے تمام افعالِ ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت
اور تمدن اور صرفِ اوقات اور علوم اور ہر قسم کے فنون و ہنر
کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور
خوش اسلوبی سے برتنا ، جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی
حاصل ہوتی ہے اور تمکن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی
جاتی ہے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ہے ۔

یہ بات نہایت سچ ہے کہ کسی قوم کے مہذب ہونے میں
اُس قوم کے مذہب کو بھی بڑا دخل ہے ۔ بے شک بعضے مذہب
ایسے ہیں کہ وہ تہذیب قومی کے بڑے مانع ہیں ۔ بس اب

دیکھنا چاہیے کہ کیا مسلمانی مذہب بھی ایسا ہی ہے ؟

اس باب میں مختلف رائیں ہیں ۔ ایک عیسائی متعصب مورخ نے ٹرکی یعنی روم کی سیر کے بعد اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ ''ترک جب تک مذہب اسلام کو نہ چھوڑیں گے، مہذب نہ ہوں گے ۔ کیوں کہ مذہب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ہے ۔''

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کو جو بالفعل بادشاہ ہے، اس بات کی تحقیق منظور ہوئی کہ در حقیقت مذہب اسلام مانع تہذیب ہے یا نہیں ؟ اس نے چند علماء اور عقلاء اور وزراء کی کونسل اس امر کی نسبت رائے لکھنے کو مقرر کی جس کا افسر فواد پاشا تھا ۔ اس کونسل نے جو رپورٹ لکھی اس کے دو فقروں کا ترجمہ اس مقام پر لکھا جاتا ہے :

''اسلام میں وہ سب سچی باتیں ہیں جو کہ دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحمدلی کو کمال سے درجہ پر پہنچانے والی ہیں ۔ مگر ہم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو، جو اگلے زمانہ میں مفید تھیں مگر حال کے زمانہ میں نہایت مضر ہوگئی ہیں، چھوڑنا چاہیے ۔''

اب دونوں رائیوں میں سے کسی ایک رائے کا سچ کر کر دکھا دینا مسلمانوں کے اختیار میں ہے ۔ اگر وہ اپنے عملی کاموں سے مثل دنیا کی اور مہذب قوموں کے اپنے تئیں بھی مہذب کر دکھا دیں گے تو فواد پاشا کی رائے کی تصدیق کریں گے ورنہ از خود اس پہلی رائے کی تصدیق ہوگی ۔

ایک اور انگریزی مورخ ہندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھتا ہے کہ :

"ہندوستان کے مسلمان ذلیل ترین اُمت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ہیں اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بت پرستی سے مل ملا کر اُن کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہوگیا ہے۔"

ہماری سمجھ میں فواد پاشا کی رائے اور اس پچھلے انگریزی مورخ کا بیان بالکل درست ہے۔ ہم مسلمانوں میں بہت سے پرانے قصے یہودیوں کے اور بہت سی باتیں اور خیالات اور اعتقادات رومن کیتھولک کے جو ایک قدیم عیسائی فرقہ ہے اور جو مدت سے عرب میں بھی موجود تھا،اور بے انتہا رسمیں اور عادتیں ہندوؤں کی مل گئی ہیں،اور مزید برآں بہت سی باتیں خود ہماری طبیعتوں یا ہماری غلط فہمیوں نے پیدا کی ہیں جو درحقیقت مذہب اسلام میں نہیں ہیں اور اسی سبب سے مسلمانوں کی عجیب حالت ہوگئی ہے اور یہی باعث ہے کہ غیر قومیں ہماری اس ہیئتِ مجموعی پر خیال کر کر اُس مجموعہ کو مذہب اسلام قرار دیتی ہیں اور اُس کی نسبت نہایت حقارت کی رائے دیتی ہیں جیسے کہ ایک انگریزی مورخ نے مفصلہ ذیل رائے لکھی ہے :

"عیسائیت اُس بڑی سے بڑی خوشی کے جو قادر مطلق نے انسان کو دی ہے صرف موافق اور مطابق ہی نہیں ہے بلکہ اُس کو ترقی دینے والی ہے اور برخلاف اس کے اسلام اُس کو خراب کرنے والا اور ذلت میں ڈالنے والا ہے[1]۔"

۱۔ یہ مت سمجھو کہ اس مصنف کا صرف یہ قول ہی قول ہے بلکہ حالات اور اطوار و عادات موجودہ اہل اسلام سے اس کا ثبوت بھی ہے اور جب اُن سب کو لکھا جاوے تو بہ جز رونے کے اور کچھ چارہ نہیں۔ اپنی ٹانگ کھولئے اور آپ ہی لاجوں مرئیے۔ (سید احمد)

پس اب کیا یہ غیرت کی بات نہیں ہے کہ ہم غیر قوموں سے ایسی حقارت کے الفاظ اپنی نسبت اور اپنے روشن اور سچے مذہب کی نسبت سنیں اور اپنی تہذیب و تربیت اور شائستگی کی طرف متوجہ نہ ہوں ۔

یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ ہم فواد پاشا کی رائے کو جو بڑے بڑے عقلاء اور علماء کے اتفاق سے لکھی گئی ہے، اختیار کریں اور بہ خوبی ہوشیار ہو کر نیک دلی اور غور سے اپنی حالت پر خیال کریں اور جو رسوم و عادات اب ہم میں موجود ہیں اور جو مانع تہذیب ہیں اُن کو دیکھیں کہ وہ کہاں سے آئیں اور کیوں کر ہم میں مل گئیں اَور یا کیوں کر خود ہم میں پیدا ہوگئیں اور اُن میں جُون جُون سی ناقص اور خراب اور مانع تہذیب ہوں، اُن کو ترک کریں اور جو قابلِ اصلاح ہوں، اُن کی اصلاح کریں اور ہر ایک بات کو اپنے مذہبی مسائل کے ساتھ مقابلہ کرتے جاویں کہ وہ ترک یا اصلاح موافق احکام شریعت بیضا کے ہے یا نہیں تاکہ ہم اور ہمارا مذہب دونوں غیر قوموں کی حقارت اور اُن کی نظروں کی ذلت سے بچے کہ اس سے زیادہ ثواب کا کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہے ۔

یہی ہمارا مطلب اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے ہے اور اسی مقصد کے لیے یہ پرچہ جاری کرتے ہیں تاکہ بذریعہ اس پرچہ کے جہاں تک ہم سے ہو سکے اُن کے دین دنیا کی بھلائی میں کوشش کریں اور جو نقصان ہم میں ہیں گو ہم کو نہ دکھائی دیتے ہوں مگر غیر قومیں اُن کو بہ خوبی دیکھتی ہیں اُن سے اُن کو مطلع کریں اور جو عمدہ باتیں اُن میں ہیں اُن میں ترقی کرنے کی اُن کو رغبت دلاویں : و اللہ ولی التوفیق ۔

مقاصدِ تہذیب الاخلاق

(تہذیب الاخلاق، بابت یکم محرم الحرام، ۱۲۸۹ھ)

ہمارے اس پرچہ کی عمر سوا برس کی ہوئی اور تریسٹھ مضمون اس میں چھپے۔اب ہم کو سوچنا چاہیے کہ ہم کو اس سے قومی ترقی حاصل ہونے کی کیا توقع ہے۔

انسان ایک ایسی ہستی ہے کہ آئندہ کی خبر اس کو نہیں ہو سکتی مگر گزشتہ زمانہ کے تجربہ سے آئندہ زمانہ کی اُمیدوں کو خیال کر سکتا ہے۔ پس ہم کو اس پرچہ کی بابت آئندہ زمانہ کی پیشین گوئی کرنے کے لیے پچھلے حالات اور واقعات پر نظر کرنی چاہیے۔

جب ہم کچھ اوپر پچھلے ڈیڑھ سو برس کی دنیا پر نظر ڈالتے ہیں تو ہم پاتے ہیں کہ لنڈن میں بھی وہ زمانہ ایسا ہی تھا جیسا کہ اب ہندوستان میں ہے اور وہاں بھی اُس زمانہ میں اسی قسم کے پرچے جاری ہوئے تھے جن کے سبب تمام چیزوں میں تہذیب و شائستگی پیدا ہوئی تھی۔ پس اول ہم اُن پرچوں کا کچھ حال بیان کرتے ہیں اور پھر اس پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کو اُن سے مقابلہ کریں گے اور پھر آئندہ کی حالت ہندوستان کا اُس پر قیاس کر کر اپنی قومی ترقی کی نسبت پیشین گوئی کریں گے۔

جب کہ یورپ میں باہمی ملکی لڑائیوں کا زمانہ تھا تو بہت سے بڑے بڑے شہروں میں اخبار کا چھپنا اور پھیلنا شروع

ہوگیا تھا اور خاص لنڈن میں بھی اخبار چھپنے لگا تھا مگر اپنی قوم کی روزمرہ کی زندگی اور اُن کے مزاج اور عادت اور خصلت پر نکتہ چینی کرنے اور اُس میں سے برائیوں کے نکالنے اور عمدہ اور نیک خصلتوں کو ترقی دینے کا کسی کو کسی ملک میں خیال نہ تھا ہاں البتہ فرنچ لوگوں نے اس پر کچھ خیال کیا تھا اور سولھویں صدی میں مانٹین صاحب نے جو ایک مشہور فرنچ عالم تھے خصلت و عادت پر کچھ مضمون چھپوائے تھے ۔ اُس کے بعد لابروے صاحب نے جو ایک فرنچ عالم تھے ایک کتاب چھاپی تھی جس میں چودھویں لوئی بادشاہ فرانس کے دربار کی بناوٹوں کو نہایت سلیقہ کی طعنہ زنی سے بیان کیا تھا لیکن کسی شخص کو یہ خیال نہ آیا تھا کہ کوئی ایسا پرچہ یا رسالہ نکلے جو جلد جلد ایک مناسب میعاد پر چھپا کرے اور قومی برائیوں کو جتایا کرے اوز لوگوں کو قومی بھلائی کی ترقی پر رغبت دلاتا رہے مگر خدا نے یہ کام لنڈن کے پیغمبروں اور سویلزیشن کے دیوتاؤں سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن کی قسمت میں لکھا تھا ۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے ۱۷۰۹ء میں ایک پرچہ نکالا جس کا نام ”ٹیٹلر“ تھا ، اس کے اصلی ایڈیٹر تو اسٹیل صاحب تھے مگر اڈیسن صاحب بھی کبھی کبھی مدد دیتے تھے ۔ یہ پرچہ ہفتہ میں تین دفعہ چھپتا تھا ۔ پہلا پرچہ اس کا بارھویں اپریل ۱۷۰۹ء کو نکلا تھا ۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے خود کہا ہے کہ اُن کی غرض اس پرچہ کے نکالنے سے یہ تھی کہ انسان کی زندگی جو جھوٹی بناوٹوں سے عیب دار ہوتی ہے اُسے بے عیب کریں اور مکاری اور جھوٹی شیخی کو مٹا دیں اور بناوٹی پوشاک کو اُتاریں اور

اپنی قوم کی پوشاک اور گفتگو اور برتاؤ میں عام سادہ پن پیدا کریں ۔

اس پرچہ کے دو سو اکہتر (۲۷۱) نمبر چھپے چناں چہ اخیر پرچہ اس کا دوسری جنوری ۱۷۱۱ء کو چھپا اور پھر بند ہوگیا ۔

اس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل اور مسٹر اڈیسن صاحب نے مل کر ایک اور پرچہ نکالا اور اس کا نام ''اسپکٹیٹر'' رکھا تھا ۔ یہ پرچہ ہر روز چھپتا تھا اور وہی دونوں صاحب اخیر تک اس میں مضمون لکھا کرتے تھے ۔ پہلا پرچہ اس کا یکم مارچ ۱۷۱۱ء کو چھپا تھا اور صرف تین سو پینتیس نمبر اس کے چھپے تھے ۔

یہ پرچہ اپنے زمانہ میں بے نظیر تھا اور صرف ''ٹیٹلر'' ھی کو اس نے نہیں بھلا دیا تھا بلکہ اس زمانہ میں جس قدر کتابیں اس قسم کی تصنیف ہوئی تھیں ان سب پر فضیلت رکھتا تھا ۔ عمدہ عمدہ اخلاق و آداب اس میں لکھے جاتے تھے ۔ خویش و اقارب کے ساتھ سلوک کرنے کے عمدہ قاعدے اس میں بیان ہوتے تھے اس بات کا کہ انسان اپنی اس وقت کو جس کا نام شوق ھے کس طرح دیکھ بھال اور سوچ بچار کر کس بات میں صرف کرے ؛ نہایت عمدگی سے ذکر ہوتا تھا اور ہر ایک مضمون نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے بھرا ہوتا تھا ۔

یہ پرچہ اس لیے بھی بے انتہا تعریف کا مستحق ھے کہ اس نے طرز تحریر لوگوں کو سکھا دی اور لوگوں کی گفتگو کو جو برے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں سے خراب ہو رہی تھی درست کر دیا ۔

هر روز صبح کو یہ پرچہ نکلا کرتا تھا اور حاضری کھانے کے وقت تک لوگوں کے پاس آجاتا تھا اور حاضری ہی کی میز پر لوگ اُس کو پڑھا کرتے تھے ، ۱۷۱۳ء میں اس کا چھپنا موقوف ہوگیا ۔

اُس کے بعد سر رچرڈ اسٹیل نے مسٹر اڈیسن صاحب کی مدد سے ایک اور پرچہ نکلا جس کا نام ''گارڈین'' تھا ۔ یہ پرچہ بھی ہر روز چھپتا تھا اور صرف ایک سو پچھتر نمبر اس کے نکلے تھے کہ بند ہوگیا ۔

اس کے بعد اٹھارھویں صدی میں بہت سے پرچے اسی مقصد سے نکلے مگر اُن میں سے ''راملر'' اور ''ادونچرز'' اور ''ایدلر'' اور ''ورلد'' اور ''مرر'' اور ''لونجر'' نے کچھ شہرت پائی اور ان کے اور کسی کو سوا کچھ فروغ نہ ہوا ۔

ان پرچوں کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق اور عادات اور دین داری کو نہایت فائدہ پہنچا اور ہر ایک سے دل پر اُن کا اثر ہوا جس زمانہ میں کہ پہلے پہل ''ٹیٹلر'' نکلا ہے انگلستان کے لوگوں کی جہالت اور بد اخلاق اور ناشائستگی نفرت کے قابل تھی ۔ وضعدار لوگ کیا مرد و کیا عورت تحصیل علم سے نفرت رکھتے تھے اور علم پڑھنے کو خود فروشی و باد فروشی کہتے تھے اور کمینوں کا کام سمجھتے تھے ۔ علم جو اب عام لوگوں میں پھیلا ہوا ہے شاذ و نادرکہیں کہیں پایا جاتا تھا ، علم کا دعویٰ تو در کنار جہالت کی شرم بھی کسی کو نہ تھی ۔ عورت کا پڑھا لکھا ہونا اُس کی بدنامی کا باعث ہوتا تھا ۔ اشرافوں کے جلسوں میں امورات سلطنت کی باتیں ہوتی تھیں اور عورتیں آپس میں ایک دوسرے کی بدگوئی کیا کرتی تھیں ۔ قسموں پر قسمیں کھانا اور خلاف تہذیب کے باتیں کرنا گویا ایک بڑی

وضع داری گنی جاتی تھی - قمار بازی اور شراب خواری اور خانہ جنگی کی کچھ حد نہ تھی - چارلس دوم کے عہد میں جو خرابیاں تھیں وہ شریف شریف اور اعلٰی درجہ کے لوگوں کی گویا عادت ہوگئی تھی - بیلوں اور ریچھوں کو کتوں سے پھڑوانا - لوگوں کو انعام دے کر لڑوانا اور خود ایسے تماشوں کو دیکھ کر خوش ہونا گویا ہر ایک امیر کے شوق کی بات تھی -

ان تمام خرابیوں کی درستی میں اسٹیل اور اڈیسن نہایت ہی سرگرم تھے اور جس سرگرمی سے وہ اُس میں مصروف ہوئے ویسی ہی کامیابی بھی اُس میں اُن کو ہوئی -

''اسپکٹیٹر'' میں ایک دفعہ لکھا تھا کہ ''میں اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالوں گا اور خوش طبعی کو اخلاق سے ملاؤں گا تاکہ جہاں تک ممکن ہو اُس کے پڑھنے والے دونوں باتوں میں نصیحت پاویں اور تا وقتِ کہ لوگ ان تمام خرابیوں سے جن میں اس زمانہ کے لوگ پڑے ہیں، سنبھل نہ جاویں - ہر روز اُن کو نصیحت کی باتیں یاد دلاتا رہوں گا کیوں کہ جو دل ایک دن بھی بے کار پڑا رہتا ہے اُس میں بے شمار عیب جڑ پکڑ جاتے ہیں جس کے ریشے بہت ہی مشکل سے دور ہوتے ہیں - سقراط کی نسبت ایسا کہا گیا ہے کہ اُس نے فلسفہ کو آسمان سے اُتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہلانا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفہ کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور جلسوں اور چاہ و قہوہ پینے کی مجلسوں تک میں پھیلایا اور ہر ایک دل میں بسایا -''

اسٹیل اور اڈیسن کی ایسی عمدہ تحریریں ہوتی تھیں کہ اُن کا اثر صرف مجلسوں کی تہذیب و زبان و گفتگو کی شائستگی

ھی پر نہیں ھوتا تھا بلکہ اُس زمانہ کے مصنفوں پر بھی اُس کا نہایت عمدہ اثر ھوا تھا ۔

ڈاکٹر دریک صاحب کا قول ھے کہ عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اُسی وقت سے ھوا جب سے کہ ''ٹیٹلر'' چھپنا شروع ھوا اور ''اسپکٹیٹر'' اور ''گارڈین'' نے اس شوق کو اور زیادہ بھڑکا دیا ۔ ان پرچوں کی تاثیر صرف لمحہ دو لمحہ کے لیے نہ تھی بلکہ انگلستان میں ھر فرقہ کے لوگوں میں نہایت مضبوطی سے پھیل گئی تھی ۔ ان پرچوں سے علم کو جو فائدہ ھوا وہ ھمیشہ یاد رھے گا ۔ ان پرچوں نے اول اول نہایت خوش اسلوبی سے گزشتہ و حال کے زمانہ کے عمدہ اور لائق مصنفوں کو بتلایا اور اُن کی خوبیوں کی قدر کرنے کا شوق دلایا ۔ مشہور ھے کہ ملٹن صاحب کی پاریڈ یزات لاست کا جو نہایت عمدہ اور بے نظیر کتاب ھے انھی پرچوں کی بدولت فروغ ھوا ۔ ان پرچوں کے مذاق، تحریر اور خیالات کے رنگ ڈھنگ نے بری تحریروں کے اسباب کو بتا دیا اور جھوٹی عبارت آرائی اور لغو انشا پردازی کو جو کسبیوں کے بناؤ سنگار کی مانند تھی اور رنڈیوں کے سے طعنے مینے یا لونڈوں کی سی گالم گلوچ کو تحریروں میں سے بالکل دور کر دیا ۔ اچھی و بری تحریروں میں تمیز کرنا اور سنجیدہ اور متین نکتہ چینی اور اور تحقیقات کا شوق پیدا کیا ۔ ذھانت اور متانت دونوں کو ترقی دی اور تحریر میں مناسبت اور تہذیب کا خیال لوگوں کے دل میں بٹھا دیا ۔ ان باتوں سے ان پرچوں کے پڑھنے والے لئیق اور عالم مصنفوں کی تصنیفوں سے حظ اُٹھانے لگے اور تمیز کے ساتھ اُن کی قدر کرنے لگے ۔

اڈیسن صاحب کی تحریروں سے بالتخصیص طرز عبارت بہ نسبت سابق کے بہت زیادہ صاف و شستہ و سلیس نہایت دل چسپ ھوگئی

اور در حقیقت اڈیسن صاحب کی تحریر سے انگریزی زبان کے علم انشاء میں ایک انقلاب عظیم واقع ہوگیا۔ باوجودے کہ زمانہ حال میں تحریروں کے عیب و ہنر کو لوگ خوب جانچتے ہیں اس پر بھی اڈیسن صاحب کی تحریر بہ جز تعریف کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

علاوہ ان باتوں کے ''اسپکٹیٹر'' کے پرچوں میں انسان کے خیالات کے مخرج اور اُن خیالات سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُن کی تفریق نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے بتلائی گئی اور اس سے نتیجہ یہ ہوا کہ شاعروں کے خیالات اور اُن کے اشعاروں کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہوگئی۔ لغو اور بے سرو پا مضمون اشعار میں سے خارج ہوگئے اور اُن کی جگہ پر تاثیر مضمونوں نے جگہ پائی۔ ہر ایک کو لئیق اور قابل مصنفوں کی تحریروں کے جانچنے اور اُن کی قدر کرنے اور اُن سے مزا اُٹھانے کی لیاقت پیدا ہوگئی اور رفتہ رفتہ تمام قوم عالم اور محقق کے لقب کی مستحق ٹھہر گئی۔ ''اسپکٹیٹر'' کے پڑھنے والوں کو علم انشاء کی وہ خوبی جو اڈیسن کے ذہن میں تھی معلوم ہوئی سب لوگ اُس کی تحریر کے لطف و صفائی کی تعریف کرنے لگے اور سب لوگوں کو ایسے شخصوں کی تحریروں کے جانچنے کی جو علم انشاء میں ناموری کے خواہاں ہوتے تھے لیاقت حاصل ہوگئی۔

ان پرچوں سے صرف علمِ ادب اور علمِ انشاء ہی میں ترقی نہیں ہوئی بلکہ اخلاق اور عادت اور خصلت کو بھی بہت کچھ ترقی ہوئی۔ نیکی کے برتاؤ میں جو خود انسان کی اپنی ذات سے اور اپنے خویش اور اقربا، دوست آشنا، یگانہ و بیگانہ سے علاقہ رکھتی ہے نہایت اعلیٰ درجہ کی تہذیب حاصل ہوئی اور خود تہذیب و شائستگی کو ایسی عمدہ صیقل ہوئی جس کی آج تک

کوئی نظیر نہیں ۔ ملکی امورات کی بحث و مباحثہ میں جو تیزی و عداوت اور دشمنی پیدا ہوتی ہے وہ تھوڑے سے عرصے میں نہایت کم ہوگئی اور جو لیاقت کہ صرف بحث و مباحثہ میں صرف ہوتی تھی وہ خوش‌گوار پانی کی مانند خوب صورت نہروں میں بہنے لگی جنھوں نے اخلاق اور علم و ادب کو سیراب کر کر لوگوں کے دلوں کے برے اور خراب جوش کو پاک و صاف کر دیا ۔

ہندوستان میں ہماری قوم کا حال اُس زمانہ سے بھی زیادہ بد تر ہے اگر ہماری قوم میں صرف جہالت ہی ہوتی تو چنداں مشکل نہ تھی ، مشکل تو یہ ہے کہ قوم کی قوم جہل مرکب میں مبتلا ہے علوم جن کا رواج ہماری قوم میں تھا، یا ہے اور جس کے تکبر اور غرور سے ہر ایک پھولا ہوا ہے دین و دنیا دونوں میں بکار آمد نہیں ۔ غلط اور بے اصل باتوں کی پیروی کرنا اور بے اصل اور اپنے آپ پیدا کیے ہوئے خیالات کو امور واقعی اور حقیقی سمجھ لینا اور پھر اُن پر فرضی بحثیں بڑھاتے جانا اور دوسری بات کو گو وہ کیسی ہی سچ اور واقعی کیوں نہ ہو نہ ماننا لفظی بحثوں پر علم و فضیلت کا دار مدار اُن کا نتیجہ ہے ۔

علمِ ادب و انشاء کی خوبی صرف لفظوں کے جمع کرنے اور ہم وزن اور قریب التلفظ کلموں کے تک ملانے اور دور از کار خیالات بیان کرنے اور مبالغہ آمیز باتوں کے لکھنے پر منحصر ہے یہاں تک کہ دوستانہ خط و کتابت اور چھوٹے چھوٹے روزمرہ کے رقعوں میں بھی یہ سب برائیاں بھری ہوئی ہیں ۔ کوئی خط یا رقعہ ایسا نہ ہوگا جس میں جھوٹ اور وہ بات جو حقیقت میں دل میں نہیں ہے مندرج نہ ہو ۔ خطوط رسمیہ کے پڑھنے سے ہرگز تمیز نہیں ہو سکتی کہ حقیقت میں اس خط کا

لکھنے والا ایسا ہی ہمارا دوست ہے جیسا کہ اس میں لکھا ہے یا یہ صرف معمولی مضمون ہے جس کے لکھنے کا عموماً رواج پڑ گیا ہے ۔ پس ایسی طرز تحریر نے تحریر کا اثر ہمارے دلوں سے کھو دیا ہے اور ہم کو جھوٹی اور بناوٹی تحریر کا عادی کر دیا ہے ۔

فن شاعری جیسا ہمارے زمانہ میں خراب اور ناقص ہے اُس سے زیادہ کوئی چیز بری نہ ہوگی مضمون تو بہ جز عاشقانہ کے اور کچھ نہیں ہے وہ بھی نیک جذبات انسانی کو ظاہر نہیں کرتا بلکہ اُن بد جذبات کی طرف اشارہ کرتا ہے جو ضد حقیقی تہذیب و اخلاق کے ہیں ۔

خیال بندی کا طریقہ اور تشبیہہ و استعارہ کا قاعدہ ایسا خراب و ناقص پڑ گیا ہے جس سے ایک تعجب تو طبیعت پر آتا ہے مگر اُس کا اثر مطلق دل میں یا خصلت میں یا اُس انسانی جذبہ میں جس سے وہ متعلق ہے کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ شاعروں کو یہ خیال ہی نہیں ہے کہ فطرتی جذبات اور اُن کی قدرتی تحریک اور اُن کی جبلی حالت کا کسی پیرایہ یا کنایہ و اشارہ یا تشبیہہ و استعارہ میں بیان کرنا کیا کچھ دل پر اثر کرتا ہے ۔ ملٹن کی پاریڈیزات لاسٹ کچھ چیز نہیں ہے ۔ بجز اس کے کہ انسان کی طبیعت کی حالت کی تصویر ہے جس کا ہر ہر شعر دل میں گھر کرتا جاتا ہے ۔ شکسپیئر میں کچھ نہیں ہے بجز اس کے کہ اُس نے انسان کا نیچر یعنی قدرتی بوٹ طبیعت کو بیان کیا ہے جو نہایت موثر انسان کی طبیعت پر ہے ۔

علم دین تو وہ خراب ہوا ہے جیسا خراب ہونے کا حق ہے ۔ اُس معصوم سیدھے سادھے سچے اور نیک طبیعت والے پیغمبر نے جو خدا تعالیٰ کے احکام بہت سدھاوٹ و صفائی و بے تکلفی

سے جاهل ، ان پڑھ ، بادیہ نشین عرب کی قوم کو پهونچائے تهے اس میں وہ نکتہ چینیاں ، باریکیاں گهسیڑی گئیں اور وہ مسائل فلسفیہ اور دلائل منطقیہ ملائی گئیں کہ اس میں اس صفائی اور سدهاوٹ اور سادہ پن کا مطلق اثر نہیں رہا - بہ مجبوری لوگوں کو اصلی احکام کو جو قرآن و معتمد حدیثوں میں تهے چهوڑنا پڑا اور زید و عمر کے بنائے ہوئے اصول کی پیروی کرنی پڑی -

علم مجلس اور اخلاق اور برتاؤ دوستی کا ایک ایسے طریقہ پر پڑ گیا ہے جو نفاق سے بهی بد تر ہے اخلاق صرف منہ پر میٹهی میٹهی باتیں بنانے اور اوپری تپاک جتانے کا نام ہے - آپس میں دو شخص ایسی محبت اور دل سوزی کی باتیں کرتے هیں کہ دیکهنے سننے والے ان دونوں کو یک مغز و دو پوست سمجهتے هیں مگر جب ان کے دل کو دیکهو تو یک پوست و دو مغز سے زیادہ بے میل هیں صرف مکاری اور ظاهر داری کا نام اخلاق رہ گیا ہے اور بے ایمانی اور دغا بازی کا نام هوشیاری -

گفتگو پر خیال کرو تو عجب هی لطف دکهائی دیتا ہے اگرچہ اکهڑ لفظ تو نہیں ہوتے مگر هزاروں اکهڑ مضمون زبان سے نکلتے هیں - نہایت مہذب اور معقول و ثقہ نیک و دین دار آدمی بهی اپنی گفتگو میں تہذیب و شائستگی کا مطلق خیال نہیں کرتے - دوست کی بات کو جهوٹ کہہ دینا - دوست کی نسبت جهوٹ کی نسبت کر دینا یہ تو ادنٰی ادنٰی روزمرہ کی بات ہے - ایک نہایت نیک آدمی اپنے بڑے مقدس دوست کے بیٹے سے عین حالت تپاک اور خوش اخلاق اور جوش محبت کی باتوں میں کہہ رہا تھا کہ تمہارے باپ تو جهوٹوں کے بادشاہ هیں وہ

دن رات سینکڑوں غپیں ہانک دیتے ہیں ۔ اُن کی بات پر کیا اعتبار ہے ۔ پس افسوس ہے ہم کو خود اپنے پر کہ ہمارے ایسے دوست ہیں ۔

اگر اشراف جوان دوستوں کی محفل میں جاؤ تو سنو کہ وہ آپس میں کیسی گالم گلوچ اور فحش باتیں ایک دوسرے کی نسبت کرتے ہیں ۔ ایک نہایت معزز شریف خاندانی آدمی نے جو صاحب تصانیف ہیں اور اُردو کے علم ادب میں مشہور ہیں تیس منٹ مجھ سے دوستانہ گفتگو کی اور میں نے خوب خیال کر کر گنا کہ اُن کے منہ سے چھتیس لفظ گالیوں کے نکلے جن میں سے کچھ اپنی نسبت تھیں اور کچھ اُس کتاب اور اُس کے مصنف کی نسبت جس کا ذکر تھا اور کچھ ادھر اُدھر بیٹھنے والوں اور سننے والوں کی نسبت ۔

امیروں کا حال دیکھو تو اُن کو دن رات بٹیر لڑانے اور مرغ لڑانے اور کبوتر اوڑانے اور اور اسی طرح تمام لغویات میں اپنی زندگی بسر کرنے کے سوا اور کچھ کام و دھندا نہیں ۔

نیکی پر متوجہ ہوتے ہیں تو اُس کو اتنا گھونٹتے ہیں کہ بدمزہ ہو جاتی ہے اور جب بدی پر اُترتے ہیں پھر تو شیطان کے بھی کان کترتے ہیں ۔

غرض کہ جو کچھ اُس زمانہ میں فرنگستان میں تھا وہی کچھ بلکہ اُس سے بھی زیادہ اب ہندوستان میں موجود ہے اور بلا شبہ ایک ''ٹیٹلر'' اور ''اسپکٹیٹر'' کی یہاں ضرورت تھی سو خدا کا شکر ہے کہ یہ پرچہ اُنھی کے قائم مقام مسلمانوں کے لیے ہندوستان میں جاری ہوا ۔ مگر افسوس کہ یہاں کوئی اسٹیل اور اڈیسن نہیں ہے ۔

اسٹیل اور اڈیسن کو اپنے زمانہ میں ایک بات کی بہت آسانی

تھی کہ اُن کی تحریر اور اُن کے خیالات جہاں تک کہ تھے تہذیب و شائستگی و حسن معاشرت پر محدود تھے ۔ مذہبی مسائل کی چھیڑ چھاڑ اُن میں کچھ نہیں تھی ۔ ہم بھی مذہبی خیالات سے بہت بچنا چاہتے ہیں مگر ہمارے ہاں تمام رسمیں اور عادتیں مذہب سے ایسی مل گئی ہیں کہ بغیر مذہبی بحث کیے ایک قدم بھی تہذیب و شائستگی کی راہ میں نہیں چل سکتے ۔ جس بات کو کہو کہ چھوڑو ، فوراً جواب ملے گا کہ مذہباً ثواب ہے اور جس بات کو کہو کہ سیکھو ، اُسی وقت کوئی بولے گا کہ مذہباً منع ہے ۔ پس ہم مجبور ہیں کہ تہذیب و شائستگی اور حسن معاشرت سکھانے میں ہم کو مذہبی بحث کرنی پڑتی ہے ۔

مذہبی بحث کا ایک عجیب سلسلہ ہے کہ ایک چھوٹی سی بات پر بحث کرنے کے بڑے بڑے مسائل اور اصولِ مذہب بحث میں آ جاتے ہیں اور اس لیے لاچار کبھی ہم کو فقہ سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول فقہ سے اور کبھی حدیث سے بحث کرنی ہوتی ہے اور کبھی اصول حدیث سے اور کبھی تفسیر سے بحث کرنی پڑتی ہے اور کبھی اصول تفسیر سے ۔ پس ہندوستان میں صرف اسٹیل اور اڈیسن ہی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مقدس لوتھر کی بھی بہت بڑی حاجت ہے ۔

اسٹیل اور اڈیسن کی خوش قسمتی تھی کہ اُن کے زمانہ کے لوگ اُن کی تحریروں کو پڑھتے تھے اور قدر کرتے تھے اور ہماری یہ بدنصیبی ہے کہ ہماری تحریروں کو مذہب کے برخلاف کہا جاتا ہے اور اُن کا پڑھنا باعث عزاب سمجھا جاتا ہے ۔ اسٹیل اور اڈیسن اپنے ہر پرچہ کے مشتہر ہونے کے بعد واہ واہ کی آواز سننے سے اپنی محنت و مشقت ، فکر و خیال کی کلفت کو دور کرتے ہوں گے اور ہم اپنی تحریروں کے

مشتہر ہونے کے بعد بہ جز لعنت و ملامت سننے کے اور کسی بات کی توقع نہیں رکھتے ہیں ۔ اسٹیل و اڈیسن جن لوگوں کی بھلائی کرتے تھے اُن سے بھلا سنتے ۔ ہم جن کی بھلائی چاہتے ہیں اُن سے برائی پاتے ہیں جن کے حق میں بھلا کہتے ہیں اُن سے برا سنتے ہیں ۔ اسٹیل اور اڈیسن کو ہزاروں دل اپنی طرف کر لینے کچھ مشکل نہ تھے اور ہم کو ایک دل بھی اپنی طرف کرنا نہایت مشکل ہے ۔ اسٹیل اور اڈیسن کو بنے بنائے دل اپنی طرف جھکانے تھے ہم کو یہ مشکل ہے کہ دل بھی ہم ہی کو بنانا ہے اور ہم ہی کو اُس کا جھکانا ہے ۔

لوگ ہمارے ان خیالات کو جنون اور مالیخولیا بتاتے ہیں مگر دیوانہ بکار خود ہوشیار ۔ ہم خوب سمجھتے ہیں کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور اسی قلیل زمانہ میں ہم نے کیا کچھ کیا ہے اس لیے ہم آئندہ کی بہتری کی خدا سے توقع رکھتے ہیں اور اچھے دن آنے والوں کی پیشین گوئی کرتے ہیں گو اُن کے آنے کا زمانہ ہم نہیں جانتے مگر یقین کرتے ہیں کہ ضرور بے شک آنے والے ہیں ۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم اس مسکین پرچہ کے ذریعہ سے ہندوستان میں وہ کچھ کریں گے جو اسٹیل اور اڈیسن نے انگلستان میں کیا بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جہاں تک ہم سے ہو سکتا ہے ہم اپنا فرض پورا کرتے ہیں و اللہ در من قال السعیی منی و الا تمام من اللہ تعالی ۔

انتخاب الفاظ ماٹو برائے
تہذیب الاخلاق

(تہذیب الاخلاق، جلد ششم نمبر ۶، بابت ۱۵ ربیع الاول، ۱۲۹۲ھ)

جب سے ہم نے کتاب "اقوام المسالک" تصنیف صدر المہام امیر الامراء سید خیر الدین وزیر سلطنت ٹونس کی پڑھی؛ جب سے ہم کو ٹونس کی قومی ترقی کے حالات دریافت کرنے کا بڑا شوق تھا کیوں کہ ہم خیال کرتے تھے کہ جب ایسا عالی دماغ روشن ضمیر وزیر اُس سلطنت میں ہے تو ممکن نہیں کہ قوم نے ترقی نہ کی ہو۔ الحمد اللہ کہ اس وقت بہ توجہ جناب منشی فضل عظیم صاحب مالک پنجابی اخبار کے ہمارے پاس ٹونس کا اخبار پہنچا جس کا نام " الرائد التونسی " ہے۔اُس کے پہلے فقرہ نے ہمارے دل کو شیدا کر دیا اور ہم کو اُسی فقرہ سے ایسا کامل قوم کی ترقی پر یقین ہو گیا کہ اگر دفتر کے دفتر پڑھتے جب بھی ایسا یقین نہ ہوتا اور وہ فقرہ جو اُس اخبار کا ماٹو ہے یہ ہے :

" حب الوطن من الایمان فمن یسع فی عمران بلادہ انما لسعٰی فی اعزاز دینہ[1] "۔

۱۔ اس عبارت کا ترجمہ :۔ " وطن کی محبت ایمان کا جزو ہے پس جو شخص اپنے وطن اور علاقہ کی ترقی میں کوشش کرتا ہے وہ در اصل اپنے دین کی سر بلندی کی کوشش کرتا ہے "۔

بے اختیار ہمارے دل نے چاہا کہ ہم بھی اس ماٹو کو اس اخبار سے مانگ لیں اور چند حرفوں کی تبدیلی سے اس کو اپنے اس ناچیز پرچہ کا ماٹو اور اپنے دل کی صدا بنا لیں چناں چہ ہم نے ایسا ہی کیا اور آئندہ سے مندرجہ ذیل فقرہ ہمارے اس ناچیز پرچہ کا زیب عنوان ہوا کرے گا :

” حب القوم من الایمان فمن یسع فی اعزاز قومہ انما اسعٰی فی اعزاز دینہ[1] “ ۔

ہم اپنے دوستوں کو خوش خبری سناتے ہیں کہ ترجمہ اقوم المسالک بالکل چھپ گیا اور اب عنقریب اس کے فروخت کا اشتہار دیا جاوے گا ۔

۱۔ اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے :۔ ” قوم کی محبت ایمان کا جزو ہے۔پس جو شخص اپنی قوم کی سر بلندی کی کوشش کرتا ہے وہ در اصل اپنے دین کی سر بلندی کی کوشش کرتا ہے “ ۔

نور الآفاق اور تہذیب الاخلاق

(تہذیب الاخلاق، جلد ہفتم بابت یکم رجب ۱۲۹۴ھ)

ہم کو نہایت رنج اور افسوس ہے کہ ہمارا ناصح مشفق جس سے ہمارے خیالات کو زیادہ عمدہ ہونے کا موقع ملتا تھا اور ہمارے نفس امارہ کی اُس سے سرکوبی ہوتی رہتی تھی اور ہمارے دلی اخلاق اُس سے وسعت پاتے تھے، دنیا سے جاتا رہا۔ یعنی ''نور الآفاق'' جو بہ جواب مضامین ''تہذیب الاخلاق'' کانپور میں چھپتا تھا۔ اُس کے مہتمم نے اپنے پرچہ مطبوعہ ۲ رجب ۱۲۹۴ ہجری مطابق ۱۴ جولائی، ۱۸۷۷ء میں مشتہر کر دیا کہ آئندہ سے '' نور الآفاق'' کا چھپنا موقوف ہوا۔ وجہ موقوفی یہ لکھی ہے کہ '' نور الآفاق'' کے جواب دینے پر کوئی متوجہ نہیں ہوا۔ اور یہ کہ '' دربار دھلی میں سی۔ ایس۔ آئی سید احمد خاں صاحب بہادر نے سید امداد العلی خاں بہادر ڈپٹی کلکٹر مراد آباد سے بصدق دل یہ اقرار فرمایا کہ اب ہم کبھی کوئی مباحثہ مذہبی ''تہذیب الاخلاق'' میں نہ چھاپیں گے۔ جب بفضل اللہ تعالیٰ سید صاحب موصوف کو یہ خیال آیا اور اُن کا دل جانب حق میلان پایا۔ پس اب ہم بھی اس اخبار ''نور الآفاق'' کو موقوف کرتے ہیں کہ مقصود اصلی ہمارا یہی تھا کہ حق ظاہر ہو جاوے اور حق تعالیٰ اہل اسلام کو اغوائی فرقہ نیچریہ سے بچاوے '' خیر سبب موقوفی کچھ ہی ہو مگر ہم کو اپنے ناصح مشفق کے نہ رہنے کا افسوس ہے۔

مولوی سید امداد العلی خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ہمارے قدیم دلی دوست ہیں گو اُن کے مزاج میں ذرا غصہ ہے مگر ہم نہایت صدق دل سے بیان کرتے ہیں کہ ایسے یک رنگ دوست ظاہر و باطن ۔ حاضر و غایب یکساں جیسے کہ ہمارے مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ہیں ویسے بہت کم دنیا میں ہیں گو انہوں نے ہمارے عقاید کو یا ہمارے مسائل کو یا ہمارے اجتہاد کو یا ہمارے خیالات کو نا پسند کیا ہو اور کیسا ہی غصہ اُن کو ہم پر آیا ہو مگر کبھی ہمارے خیال میں بھی یہ بات نہیں گذری کہ ہماری اور اُن کی دوستی میں کچھ بھی فرق ہوا ہو اور جو دوستانہ محبت اُن کو ہمارے ساتھ ہے اُس میں کچھ کمی ہوئی ہو اور ہم نے کبھی کسی مجلس و موقع میں حاضر و غائب بجز اُن کے ادب و تعظیم کے اور کوئی کام نہیں کیا ہم نے هزاروں آدمیوں کے سامنے کہا اور شاید لکھا بھی کہ اگر مولوی سید امداد العلی خاں بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی ہم پر اس لیے غصے ہیں کہ ہم اُن کی دانست میں کوئی بات خلاف مذہب اسلام کرتے یا کہتے ہیں تو اُن کا غصے ہونا نہایت قابل تعریف و توصیف ہے اور ہم کو اُس سے خوشی ہونی چاہیے اور اُن کا احسان ماننا چاہیے نہ رنجیدہ ہونا لیکن اُسی کے ساتھ ہم کو خدا کا شکر بھی کرنا چاہیے کہ ہم اپنی دانست میں وہ نہیں کرتے جو ہمارے شفیق دوست نے تصور کیا ہے ۔

ہم کو نہایت آرزو ہے کہ تمام مسلمان قوم بھلائی کے کاموں میں ہر قسم کے تفرقہ کو اٹھا ڈالیں اور قومی کام میں مدد کریں کیوں کہ جب تک قوم نہ ہوگی اُس وقت تک کوئی بھلائی کی صورت نظر نہیں آنے کی ہم نے اپنی دانست میں مدرسة العلوم

قومی بھلائی کے لیے قائم کیا ہے اور اگر ہماری قوم اُس پر متوجہ ہوگی اور اُس کی پوری تکمیل کر دے گی تو ضرور فوائد عظیمہ ہماری قوم کو اُس سے حاصل ہوں گے پس ہماری آرزو یہ ہے کہ تمام قوم کے اعلیٰ و ادنیٰ درجے کے لوگ اُس میں مدد کریں ۔

مولوی سید امداد العلی خان بہادر جو فضل الٰہی سے ہماری قوم میں ایک بہت بڑے اعلیٰ افسر و رئیس ہیں اور ہمارے بہت بڑے شفیق دوست ہیں مدرسة العلوم میں اُن کے شریک نہ ہونے سے ہم کو نہایت رنج ہے اور نیز قوم کی بھلائی میں نقصان ہے اور ہم جب اُن سے ملتے ہیں مدرسة العلوم میں شریک ہونے کی التجا کرتے ہیں ۔ دربار دھلی میں بھی ہم نے اُن سے التجا کی اُنھوں نے فرمایا کہ دو شرط سے ہم شریک ہوں گے : اول یہ کہ ''تہذیب الاخلاق'' کا چھاپنا بند کرو یا اُس میں کوئی مضمون متعلق مذہب مت لکھو ۔ دوسرے یہ کہ اپنے عقاید و اقوال سے جو بر خلاف علمائے متقدمین ہیں توبہ کرو ۔ پچھلی بات تو میرے اختیار سے باھر تھی کیوں کہ جس بات پر میں یقین رکھتا ہوں جب تک وہ یقین زائل نہ ہو کیوں کر اُس کو دل سے کھو سکتا ہوں ۔ پس جب تک دل پر یقین نہ ہو زبانی توبہ کے لفظ بے سود ہیں ھاں پہلی بات میرے اختیار میں ہے اگر آپ مدرسة العلوم کی تائید میں دل سے شریک ہوں میں آج ھی ''تہذیب الاخلاق'' کو بند کر دوں گا کیوں کہ میری رائے میں جناب مولوی سید امداد العلی خان بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی کا دل سے مدرسة العلوم کی تائید کرنا بہ نسبت جاری رہنے ''تہذیب الاخلاق'' کے قوم کے لیے بہت زیادہ مفید ہے پس ہم اُسی اپنے اقرار کو تحریراً موکد کرتے ہیں اور خدا سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارے پرانے دوست

مولوی سید امداد العلی خان بہادر کا دل خدا مدرسۃ العلوم کی طرف مہربان کر دے وہ ہمارے ساتھ شریک ہوں اور مدرسۃ العلوم کی تکمیل کے لیے چندہ جمع کریں جس طرح کہ ٹرکی کے چندہ میں انہوں نے ثواب کمایا اسی طرح اس میں بھی کماویں ہم آج ''تہذیب الاخلاق'' کا چھاپنا بند کر دیں گے۔ وما ابرء نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی، ہم کو کچھ نفسانیت نہیں ہے۔ ہماری سمجھ میں قوم کی بھلائی کے لیے جو بات آتی ہے وہ کرتے ہیں۔شاید اس میں غلطی ہو مگر جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک بات کے ترک ہونے سے دوسری بات زیادہ مفید قوم کو میسر ہوتی ہے تو ہم کو اس کے ترک میں کیا عذر ہے۔ تامل ہے تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ نہ آوے اور یہ بھی جاتی رہے اور وہی چوبے کی نقل ہو جاوے کہ چھبی ہونے گئے تھے دوبے رہ گئے۔

آخری پرچہ "تہذیب الاخلاق"

(تہذیب الاخلاق، بابت رمضان المبارک، ۱۲۹۴ھ)

(یہ مضمون سرسید نے اُس وقت لکھا تھا جب سات سال مسلسل جاری رہنے کے بعد "تہذیب الاخلاق" پہلی دفعہ بند ہوا) ۔ (محمد اسماعیل)

سوتوں کو جھنجوڑتے ہیں تاکہ جاگ اُٹھیں ۔ اگر اُٹھ کھڑے ہوئے تو مطلب پورا ہوگیا اور اگر نیند میں اُٹھانے سے کچھ بڑ بڑائے اور کچھ جھنجھلائے ۔ ادھر ہاتھ جھٹک دیا، اُدھر پیر پھٹک دیا اور جھنجھلاہٹ میں اینڈے پڑے رہے تو بھی توقع ہوئی کہ تھوڑی دیر بعد جاگ اُٹھیں گے ۔ شاید ہمارے بھائیوں کی اس اخیر درجہ تک نوبت آگئی ہے ۔ اگر یہ خیال ٹھیک ہو تو ہم کو بھی زیادہ چھیڑنا نہ چاہیے اور "تہذیب الاخلاق" کو بند کرکر دور سے نیند کے اُن خمار آلودوں کا جو اب صرف جھنجھلاہٹ سے اینڈے پڑے ہیں اُٹھنا اور ہوشیار ہونا دیکھنا چاہیے ۔ بچے اُٹھاتے وقت کہہ اُٹھتے ہیں کہ ہم کو اُٹھائے جاؤ گے تو ہم اور پڑے رہیں گے تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اُٹھ کھڑے ہوں گے ۔ بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش بیٹا پی لے پی لے تم چپ ہو رہو میں آپ ہی پی لوں گا ۔ لو بھائیو ۔ اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اُٹھو اُٹھو ۔ پی لو پی لو ۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اپنے کو ناصح مشفق سمجھتا ہوں

بلکہ جو ہٹ اور جو حالت ہمارے قوم کی ہے اس کو جتلانا چاہتا ہوں۔

ایک دن تھا کہ ہم بھی اسی رنگ میں مست تھے۔ ایسی گہری نیند سوتے تھے۔ کہ فرشتوں کے بھی اٹھائے نہ اٹھتے تھے۔ اب ہماری یہ مثل ہے۔

لو آج میر مسجد جامع کے ہیں امام
داغ شراب دھوتے تھے کل جا نماز کا

کیا کیا خیالات ہماری قوم میں ہیں جو ہم میں نہ تھے اور کیسی کیسی کالی گھٹائیں ہماری قوم پر چھا رہی ہیں جو ہم پر نہ تھیں۔ جب رند تھے تو فرہاد سے بڑھ کر تھے۔ جب زاہد خشک تھے تو نہایت ہی اکھڑ تھے۔ جب صوفی تھے تو رومی سے برتر تھے۔ اب خاکسار ہیں اور اپنی قوم کے غم خوار۔ تم کو کس نے جگایا؟ دل اور زمانہ نے۔ دل کی کھڑت ایسی تھی جس میں ہمیشہ غم خواری تھی۔ پر سوتا تھا، زمانہ نے جھٹکا دیا اور جگا دیا۔ دفعتاً دیکھا کہ دنیا الٹ گئی اور رنگ برنگ کی پھلواری سب اجڑ گئی۔ قوم کی حالت وہ دیکھی کہ خدا کسی کو نہ دکھلائے۔ اسلام کی وہ صورت پائی کہ خدا کرے کافر بھی نہ پائے۔ اس بربادی کے سبب کا غیر قوم کو تو اور ہی خیال ہوا پر غلط ہوا اور مجھ کو جو ہوا وہ خود اپنی قوم کی حالت کا ابتر ہونا تھا۔ قوم کیا دنیا کی باتوں میں اور کیا دین کے کاموں میں ایسے تاریک گڑھے میں پڑی تھی کہ ادھر ادھر کی چیزیں تو درکنار وہ اس گڑھے کو بھی نہ دیکھ سکتی تھی جس میں پڑی تھی۔ پھر میرا دل ہی تھا پتھر نہ تھا جو نہ پگلتا اور اپنی قوم کی حالت پر غم نہ کرتا۔ ایک مدت تک اسی غم میں پڑا سوچتا

رہا کہ کیا کیجئے - جو خیالی تدبیریں کرتا تھا کوئی بن پڑتی نہ معلوم ہوتی تھیں - جتنی اُمیدیں کرتا تھا سب ٹوٹ ٹوٹ جاتی تھیں۔ آخر یہ سوچا کہ سوچنے سے کرنا بہتر ہے - کرو جو کچھ کر سکو ، ہو یا نہ ہو ، اسی بات پر دل ٹھہرا - ہمت نے ساتھ دیا اور صبر نے سہارا اوز اپنی قوم کی بھلائی میں قدم گاڑا - اس میں خدا کی طرف کا بدلہ تو ؛ نہ جب معلوم تھا اور نہ اب معلوم ہے - مگر قوم کی طرف کا بدلہ اُسی وقت سے معلوم تھا جو اب ظاہر ہے - کافر ، مرتد ، ملحد ، زندیق ، اسلام کا دشمن ، مسلمانوں کا ہاجی ، قوم کا عیب جو ، دین و دنیا سے آزاد ، کہنا اور نام پر دو چار صلواتیں سنا دینا اور ہم پر اس مثل کا صادق آنا کہ ''دھوبی کا کتا گھر کا نہ گھاٹ کا'' مگر شکر ہے کہ اُن کی کسی بات نے ہمارا دل نہیں دکھایا اور ہمیشہ ہمارے دل میں یہی آیا کہ اے خدا اُن پر رحم کر کیوں کہ وہ نہیں جانتے -

اُنھی قومی بھلائی کے ولولوں میں سے ''تہذیب الاخلاق'' کا نکالنا بھی ایک ولولہ تھا جس کا اصلی مقصود قوم کو اُس کی دینی اور دنیاوی ابتر حالت کا جتلانا اور سوتوں کو جگانا بلکہ مردوں کو اُٹھانا اور بند سڑے ہوئے پانی میں تحریک کا پیدا کرنا تھا - یقین تھا کہ سڑے ہوئے پانی کو ہلانے سے بد بو زیادہ پھیلے گی - مگر حرکت آجانے سے پھر خوش گوار ہو جانے کی توقع ہوتی تھی - پس کیا ہم نے جو کچھ کرنا تھا اور پایا ہم نے جو کچھ کہ پانا تھا - مگر خدا سے آرزو ہے کہ اگر ہم نے وہ نہیں کیا جو ہم کو کرنا تھا تو وہ وہی کرے جو اُس کو کرنا ہے -

از بندہ خضوع و التجا می زیبد
بخشایش بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آن کہ آن مرا نا زیباست
تو کن ہمہ آن کہ آن ترا می زیبد

سات برس تک ہم نے بذریعہ اپنے اس پرچہ کے اپنی قوم کی خدمت کی ۔ مذہبی بے جا جوش سے جس تاریک گڑھے میں وہ چلی جاتی تھی اُس سے خبردار کیا ۔ دنیاوی باتوں میں جن تاریک خیالات کے اندھیرے میں وہ مبتلا تھی اُس میں اُن کو روشنی دکھلائی مذہب اسلام پر نادانی کی جس قدر گھٹائیں چھا رہی تھیں اُن کو ہٹایا اور اُس کے اصلی نور کو جہاں تک ہم سے ہو سکا چمکایا ۔ اُردو زبان کا علم ادب جو بد خیالات اور موٹے و بھدے الفاظ کا مجمع ہو رہا ہے اُس میں بھی جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اصلاح چاہی ۔ یہ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ہم نے اس میں کچھ کیا ۔ مگر ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنی دانست میں ان باتوں میں بہ قدر اپنی طاقت کے کوشش کی ۔ قومی ہمدردی ، قومی عزت ، سلف آنر یعنی اپنے آپ عزت کا خیال اگر ہم نے اپنی قوم میں پیدا نہیں کیا تو ان لفظوں کو تو ضرور اُردو زبان کے علم ادب میں داخل کیا ۔ ہم نے کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو ۔ مگر ہر طرف سے تہذیب و شائستگی کا غلغلہ سننا ۔ قومی ہمدردی کی صداؤں کا ہمارے کانوں میں آنا ، اُردو زبان کے علم ادب کا ترقی پانا ، یہی ہماری مرادیں تھیں جن کو ہم نے بھر پایا ۔ اب بہت لوگ ہیں جو ان باتوں کو پکارتے ہیں ۔ گو اس وقت ٹھہری سہڑی لہریں کھاتے ہیں مگر پانی میں حرکت ہی آ جانا کافی ہے پھر وہ خود اپنی پنسال میں آپ چورس ہو رہے گا ۔ اس لیے مناسب ہے کہ اب ہم بس کریں اور پانی کو آپ ہی

آپ پورس ہونے دیں -

ہمارے دوست ہماری اس خاموشی کا کوئی سبب دور از کار نہ خیال کریں گے اور نہ اُس پر التفات کریں گے جو ہمارے ناصح نور الآفاق نے اپنے اخیر پرچہ میں لکھا تھا بلکہ یہ خیال کریں گے کہ ہم کسی دوسری قومی بھلائی کے کام میں مصروف ہوں گے جو اس سے بھی زیادہ قوم کو مفید ہوگا - خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے ''ما ننسخ من آیۃ او ننسہا نات بخیر منہا او مثلہا -'' اگرچہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بہت سے ایسے دوست ہیں جو اس پرچہ کے بند ہونے سے نہایت ہی شکستہ خاطر ہوں گے - مگر ہم اُن سے معذرت کرتے ہیں اور اب اس پرچہ کو اُن سے رخصت کرتے ہیں اور وہ دن بھی اب آنے والا ہے کہ ہم خود ہی اُن سے رخصت ہوں گے -

ہم نے اپنے اس ارادہ سے اپنے بعض دوستوں کو مطلع کیا تھا اور جب اُن کو معلوم ہوگیا کہ ہم نے یہ ارادہ مصمم کر لیا ہے تو اُنھوں نے ہمارے ان سات برس کے پرچوں کے ریویو لکھے ہیں جن کو ہم نہایت احسان مندی و شکرگزاری سے اس اپنے اخیر پرچہ میں درج کرتے ہیں - و السلام -

---

اعلان

متعلق قیمت ''تہذیب الاخلاق''

سرسید کا یہ مضمون جو ''تہذیب الاخلاق'' میں بہ طور اشتہار شائع ہوا تھا، اس لحاظ سے ایک تاریخی چیز ہے کہ اس سے پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کی قیمت اور اس کی تاریخ پر خاص روشنی پڑتی ہے اور رسالہ ''تہذیب اخلاق'' کے متعلق کئی ایسی نئی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو اس سے پہلے عام طور پر معلوم نہیں تھیں ۔ یہ معلومات آئندہ زمانہ کے اس مورخ کے کام آئیں گی جو ''تہذیب الاخلاق اور اس کی تاریخ'' کے متعلق کوئی تحقیقی مضمون لکھنا چاہے گا ۔

(محمد اسماعیل پانی پتی)

سابق میں ''تہذیب الاخلاق'' ابتدائے شوال ۱۲۸۷ھ لغایت آخر ۱۲۹۴ھ چھپا لیکن آخیر کے دو برسوں کے پرچے کل فروخت ہوگئے ۔ شوال ۱۲۸۷ھ لغایت آخر ۱۲۹۱ھ تک کے کل پرچے بہ ترتیب موجود ہیں اور ان کل پرچوں کی قیمت بلا محصول سوا چار روپے اور مع محصول پانچ روپے ہے ۔ نقد قیمت بھیجنے پر خریداروں کو مل سکتے ہیں ۔

''تہذیب الاخلاق'' طرز جدید جو بالفعل جاری ہے

اس جدید پرچہ کا سال نبوی سنہ کے حساب سے یعنی شوال سے شروع ہوتا ہے اور رمضان کے آخیر پر ختم ہوتا ہے ۔

اب کی مرتبہ ''تہذیب الاخلاق'' ابتدائے جمادی الاول ۱۲۹٦ھ سے چھپنا شروع ہوا ہے۔ جمادی الاول ۱۲۹٦ھ سے رمضان ۱۲۹٦ھ تک کے یعنی پانچ مہینے کے پرچے فروخت کے لیے علیحدہ موجود ہیں اور وہ دو قسم کے کاغذ پر چھپے ہیں اور مندرجہ ذیل نقد قیمت کے وصول ہونے پر خریداروں کو مل سکتے ہیں۔

ولایتی سفید کاغذ پر چمڑے اور ابری سے مجلد تین روپے۔

زرد قسم کے ہندوستانی کاغذ پر ٹیس بندی کے طور سے مجلد ایک روپیہ آٹھ آنے۔

شوال ۱۲۹٦ھ یعنی آغاز سنہ ۱۳۱۰ نبوی سے جو پرچے چھپنے شروع ہوئے ہیں وہ بھی سب موجود ہیں۔ ان پرچوں کی سالانہ قیمت چھ روپے ہے اور سال تمام کی پیشگی قیمت کے وصول ہونے پر خریدار کو مل سکتے ہیں۔ ضرور ہے کہ ہر ایک خریدار پورے سال کے پرچے خرید کرے۔

آئندہ برسوں کے لیے بھی جب تک یہ پرچہ جاری ہے اور جب تک کوئی جدید شرح قیمت کی مقرر نہ ہو یہی چھ روپے سالانہ پیشگی قیمت رہے گی۔

زرِ قیمت کا بھیجنا

جن صاحبوں کو خریداری منظور ہو درخواست خریداری مع کل زر قیمت حسب تشریح مذکورہ بالا مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب سکرٹری سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ کے پاس بھیج دیں۔

مقام علی گڈھ | راقم

۲۴ مارچ ۱۸۸۰ء | سید احمد خاں

(ربیع الآخر ۱۲۹۷ھ)

تہذیب الاخلاق کا تیسری بار اجراء

(تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر اول (دور سوم) بابت
یکم شوال ، ۱۳۱۱ھ)

آمادہ گشتہ ام دگر اینک نظارہ را
پیوند کردہ ام جگر پارہ پارہ را

مگر کیا پھٹا کٹھا جگر نظارہ کے قابل ھوتا ھے ؟ ٹوٹا برتن کیسا ھی جوڑو ، جھوجرا ھی بولتا ھے ۔ دوست کہتے ھیں کہ پھر ''تہذیب الاخلاق'' جاری کرو ۔ ویسا ھی جیسا پہلے تھا ۔۔۔ مگر کہاں وہ ولولے اور کہاں دل میں وہ جوش ، لوگ سوتے تھے ہم جھنجوڑتے تھے ، لوگ بہرے تھے ہم چلاتے تھے ۔ وہ زمانہ گیا ، نہ وہ ھم رھے اور نہ وہ وہ رھے ۔ لوگ جاگے ھیں اور قومی ھم دردی کا راگ گاتے ھیں ۔۔۔ الاپتے ھیں ۔ مگر ھاں بے سرے ، ھیں زمانے نے چال بدلی ھے اور نئی شطرنج بچھائی ھے ۔ پھر نہ پرانی چالیں کام کی ھیں اور نہ چلی جا سکتی ھیں ۔ بخار دھیا پڑ گیا ھے پھر دوا بھی ویسی تیز نہیں چاھیے ۔ تکفیر کے فتوے ٹھنڈے پڑ گئے ھیں ۔ نفرت الفت سے بدل گئی ھے ۔ انا الحق جس پر منصور دار پر کھینچا گیا ۔ سب بولنے لگے اگر اب ''تہذیب الاخلاق'' کا کچھ کام باقی ھے تو صرف انانیت کو مٹانا اور الحق بلوانا ھے ۔ بند پانی بہہ نکلا ھے مگر ٹیڑھی راہ چلا ھے اور پتلی پتلی دھاروں میں بہتا ھے ۔ اب

''تہذیب الاخلاق'' کا کام اس کو راہ پر لانا اور سب دھاروں کو اکھٹا کر کر دریا بنانا ھے ۔

دوست کہتے ھیں یہ تو معمے معمے مین صرف ایک بات پر اشارہ ھے ۔ ''تہذیب الاخلاق'' کے شروع میں لکھا گیا تھا کہ اس کا مقصود مسلمانوں کو کامل درجہ کی سویلیزیشن یعنی تہذیب اختیار کرنے پر مائل کرنا ھے اور سویلائزڈ قوم کی آنکھوں میں معزز بنانا ۔ پھر سویلیزیشن کے یہ معنی لکھے گئے تھے کہ اس سے مراد ھے انسان کے تمام افعال ارادی اور اخلاق اور معاملات اور معاشرت ، تمدن اور طریقۂ تمدن اور صرف اوقات اور علوم اور ھر قسم کے فنون و ھنر کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچانا اور اُن کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے برتنا ۔ جس سے اصلی خوشی اور جسمانی خوبی حاصل ھوتی ھے اور تمکن اور وقار اور قدر و منزلت حاصل کی جاتی ھے اور وحشیانہ پن اور انسانیت میں تمیز نظر آتی ھے ۔ کیا یہ سب باتین حاصل ھوگئی ھیں ؟ حاشا و کلا ۔

ایک عیسائی نے ٹرکی کی سیر کے بعد کہا تھا کہ ''ترک جب تک مذھب اسلام کو نہ چھوڑیں گے مہذب نہ ھوں گے ۔ کیوں کہ مذھب اسلام انسان کی تہذیب کا مانع قوی ھے ۔''

فواد پاشا نے کہا تھا کہ ''اسلام مین وہ سب سچی باتین ھیں جو دنیا کی ترقی کو حاصل کرنے والی اور انسانیت اور تہذیب اور رحم دلی کو کمال کے درجہ پر پہنچانے والی ھین ۔ مگر ھم کو اپنی بہت سی رسوم و عادات کو جو اگلے زمانے مین مفید تھین مگر حال کے زمانے مین نہایت مضر ھوگئی ھین چھوڑنا چاھیے ۔''

ایک اور انگریزی مورخ نے ھندوستان کے مسلمانوں کی موجودہ حالت کی نسبت یہ لکھا تھا کہ ''ھندوستان کے مسلمان

ذلیل ترین امت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اور قرآن کے مسئلوں اور ہندوستان کی بت پرستی سے مل ملا کر ان کا مذہب ایک عجیب مجموعہ ہوگیا ہے۔''

''تہذیب الاخلاق'' اس لیے جاری ہوا تھا کہ فواد پاشا کی رائے کو سچ کر دکھاوے ۔ مسلمانوں میں یہودیوں کے قصے ارر رومن کیتھولک کے خیالات اور اعتقادات اور ہندوؤں کی رسمیں اور عادتیں مل گئی ہیں اور بہت سی باتیں خود اُن کی طبیعتوں نے غلط فہمیوں سے پیدا کی ہیں اُن سب کو الگ کرکے قوم کو اصلاح پر لاوے اور خالص مذہب کی روشنی دکھاوے ۔ پھر کیا یہ سب باتیں پوری ہوچکی ہیں ؟ اور اس لیے ''تہذیب الاخلاق'' کی ضرورت نہیں رہی ھاشا و کلا ۔

(دوستوں نے کہا کہ) ''تہذیب الاخلاق'' کے بند کرتے وقت کہا گیا تھا کہ ہم اس سے بھی زیادہ ایک اور مفید کام میں مصروف ہوئے ہیں ۔ غالباً اُس سے مراد تفسیر قرآن مجید کا لکھنا تھا ۔ تفسیر ، قوم اور مذہب کے لیے مفید ہو یا نہ ہو ، اس سے بحث نہیں ۔ مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ''تہذیب الاخلاق'' کا نفع قوم اور مذہب کو بہ نسبت تفسیر کے بہت زیادہ تھا ۔ ''تہذیب الاخلاق'' کی اشاعت بہت زیادہ تھی ۔ وقتاً فوقتاً اُس سے لوگوں کے دلوں کو تسکین ہوتی رہتی تھی ۔ رسم و رواج کی بندشیں برابر ٹوٹتی رہتی تھیں ۔ تعلیم کی ترقی کے لیے ایک نہایت عمدہ ناصح تھا ۔ مذہبی مشکلات کو بھی چھوٹے چھوٹے آرٹیکلوں میں حل کرتا رہتا تھا ۔ اُس کے بند ہونے سے یہ سب باتیں بند ہوگئیں ۔ تفسیر کی قیمت اس قدر گراں ہے کہ ہر ایک کی دسترس نہیں ہے ۔ ۔ ۔ ''تہذیب الاخلاق'' کی قیمت بہت تھوڑی تھی اور ہزاروں آدمی اُس کو لے سکتے تھے ۔ تفسیر صرف امور مذہبی

مین نصیحت کرنے والی ہے - "تہذیب الاخلاق" امور مذہبی مین ، نیچرل سائنس مین ، رسوم بد کے چھڑانے مین اور تمام مذہبی اور دنیوی امور مین نصیحت کرنے والا تھا - تفسیر کو ضرور پورا کرنا چاہیے - مگر "تہذیب الاخلاق" کا بھی بدستور جاری رکھنا لازم ہے"۔

ہر چند دوستون کو سمجھایا گیا کہ سوتی بھڑ کو کیون جگاتے ہون ؟ اور پھر ہم پر اور اپنے پر کیون کفر کے فتوے لکھواتے ہو ؟ کیا سخت و سست اور لعنت و ملامت سننے سے تمھارا دل نہیں بھرا ؟ جواب ملتا ہے کہ "نہیں بھرا" بلکہ

سخنہائے دگر را ہم شنیدن آرزو دارم

بہت سے دوستون نے اس مین مضامین لکھنے کا وعدہ کیا ہے - نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں بہادر نے اس کا بیڑا آٹھایا ہے - سید محمد محمود اسکوائر بیرسٹر ایٹ لا ، مولوی سید کرامت حسین اسکوائر بیرسٹر ایٹ لا ، مولانا مولوی الطاف حسین حالی ، شمس العلماء خان بہادر مولوی محمد ذکاء اللہ ، شمس العلماء مولوی محمد شبلی نعمانی نے تو پکا وعدہ مضامین کی تحریر کا کر لیا ہے اور ممکن نہین ہے کہ مولانا مولوی حافظ نذیر احمد اور نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی اور شمس العلماء مولوی سید علی بلگرامی اور نواب وقار الملک مولوی محمد مشتاق حسین سے مضامین لکھنے کی درخواست کی جاوے اور وہ منظور نہ کریں -

ایک اور نیچری دوست ہم کو مل گئے ہیں جو نیچرل فلاسفی کو نہایت ہی عمدہ جانتے ہیں - سالمات (یعنی اجزائے صفاردی مقراطیسی) سے دنیا اور ما فیہا کا بننا خیال کرتے ہیں - (ہم آن کا نام نہین بتاتے - ایسا نہ ہو کہ برادری سے آن کو لوگ خارج کر دیں) ہم اور وہ مل کر بتا دیں گے کہ نیچرل

سائنس اور تمام علوم جدیدہ کس طرح پر خدائے واحد کو سچ اور مذہب اسلام کو برحق بتاتے ہیں ۔ غرض کہ گو ہمارا دل کیسا ہی ٹوٹا ہوا ہو مگر امید ہے کہ اب کا "تہذیب الاخلاق" اگر پہلے سے اچھا نہ ہوگا تو برا بھی نہ ہوگا اور اگر وہ مکاتبات دل چسپ بھی "تہذیب الاخلاق" میں چھپنے لگے ۔ جو ہم میں اور نواب محسن الملک مولوی مہدی علی میں بعض مسائل کی نسبت ہونے والے ہیں اور جن سے قصہ آدم یاد آ جاوے گا اور کبھی سید احمد کو حکم ملے گا کہ مہدی علی کو سجدہ کرو اور کبھی مہدی علی کو حکم ہوگا کہ سید احمد کو سجدہ کرو ۔ تب تو "تہذیب الاخلاق" نہایت ہی دل چسپ ہو جاوے گا اور خدا نہ کرے کہ ان دونوں میں سے کوئی یہ کہے کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین ۔ و باللہ التوفیق ۔

سید احمد

انّ ھٰذا الشئ عجاب

(تہذیب الاخلاق جلد اول نمبر ۱ (دور سوم) بابت یکم شوال ، ۱۳۱۱ھ صفحہ ۹ ، ۱۰)

لو صاحب ! اور ''تہذیب الاخلاق'' نکلواؤ اور خسر الدنیا والآخرہ بنو ۔ خوب ھوا کہ سب سے پہلے ھمارے مخدوم مولوی حافظ نذیر احمد صاحب ھی پر لے دے ھوگئی ۔ گو مولفۃ قلوب بدک ھی کیوں نہ جائیں مگر مولوی نذیر احمد نے کہا سچ ھے کہ ابھی ''تہذیب الاخلاق'' کے جاری رھنے کی بہت ضرورت ھے ۔

ھمارے دوست ایڈیٹر ''نجم الاخبار'' اٹاوہ نے ایک ایڈیٹوریل آرٹیکل ''تہذیب الاخلاق'' اور اُس کے معاونوں کی نسبت لکھا ھے ۔ گو ھم کو تعجب ھوا کہ ایڈیٹوریل میں کفر کا لفظ کیوں کر اُن کی مقدس زبان پر آیا مگر ھم نہایت خوشی سے اُس کو بعینہ نقل کرتے ھیں ۔ بھئی ''تہذیب الاخلاق'' کے معاونوں ، خریداروں ، پڑھنے والوں ، چھونے والوں ، پاس سے دیکھنے والوں ، دور سے دیکھنے والوں ، خواب میں دیکھنے والوں ، خیال کرنے والوں ، ھوشیار ھو ۔ ایسا نہ ھو کہ خسرالدنیا و الآخرہ ھو جاؤ ۔

ھم کو یہی رونا تھا کہ جب ھمارے مخدوم مولوی سید امدادالعلی صاحب مرحوم سی ۔ ایس ۔ آئی اور مکرمی مولوی علی بخش خان صاحب مرحوم دنیا سے چل بسے تو ''تہذیب اخلاق'' کے جاری ھونے میں کیا مزہ رھا مگر نہیں خدا کی خدائی خالی نہیں

ہے ۔ خدا شکر خورے کو شکر پہنچا ہی دیتا ہے۔ ہمارے دوستہ ناصح اب بھی موجود ہیں اللھم زد نی عمرھم و احلل عقدة لسانھم ۔
سید احمد

ایڈیٹوریل مذکور یہ ہے

”تہذیب الاخلاق“ جو سرسید احمد خاں صاحب بہادر سی ۔ ایس ۔ آئی اپنے دوست بد خواہ کی صلاح پر عمل کرکے دوبارہ جاری کرنا چاہتے ہیں، ہم کو نہایت افسوس آتا ہے کہ باوجود اس تجربہ کاری کے وہ ایک عمدہ نصیحت کے خلاف کرتے ہیں اور من جرب المجرب حلت بہ الندامة کے مصداق بنتے ہیں۔ اس کم بخت ”تہذیب الاخلاق“ کی بدولت جس قدر نفرت قوم اور ملک کو ہوئی تھی اور چاروں طرف سے ملامت اور تردیدات کی بوچھار پڑتی تھی، اس کا بھول جانا عقل مندی کے نہایت خلاف ہے ۔ جب سے ”تہذیب اخلاق“ بند ہوا، لوگوں کی نفرت میں کمی ہونی شروع ہوئی، جس کا نتیجہ سب خیر خواہانِ سید جانتے ہیں ۔ ہم کو حیرت ہے کہ خیر خواہوں کی رائے سے اعراض کرکے بد خواہوں کی رائے کی طرف قدم پھر کیوں بڑھایا جاتا ہے ؟ ہم خیر خواہانہ صلاح دیتے ہیں کہ ہرگز ”تہذیب الاخلاق“ کے اجرا کا قصد نہ کیا جاوے ۔ جو قدم مذہبی تالیفِ قلوب کی طرف مولوی وغیرہ کو مقرر کرکے عملی طور پر بڑھایا گیا ہے وہ مولوی نظیر احمد صاحب کی رائے کی پابندی کرکے نہ ہٹایا جاوے ۔ اگر اس کے خلاف کیا تو سوائے کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا اور جو صاحب اس پرچہ کی تائید کریں گے وہ خسر الدنیا و الآخرة کے مصداق بنیں گے ۔
ایڈیٹر نجم الاخبار اٹاوہ

تہذیب الاخلاق

اور

اُس کے حامیوں کو مبارک باد

"تہذیب الاخلاق" یکم شوال، ۱۳۱۱ھ، جلد اول نمبر اول
بار سوم صفحہ ۱۶)

ہم نے تو مخدومی مولوی امدادالعلی صاحب اور مکرمی مولوی علی بخش خاں صاحب کے انتقال پر افسوس کیا تھا کہ اُن کے بغیر "تہذیب الاخبار" سونا رہے گا۔ شکر ہے کہ ہمارا یہ خیال غلط نکلا۔ اخبار جریدہ روزگار مدراس میں مولوی وکیل احمد صاحب مقیم حیدر آباد نے نہایت طولانی آرٹیکل لکھا ہے اور بتایا ہے کہ پہلے سے بھی زیادہ لوگ "تہذیب الاخلاق" کے مقابل میں ہاتھ ہونے کرنے کو موجود ہیں۔ "نور الآفاق" میں وہ خود "تہذیب الاخلاق" کے مخالف مضمون لکھا کرتے تھے اور اب بھی لکھیں گے۔اس سے اُمید ہوتی ہے کہ "نورالآفاق" بھی بجائے کان پور کے حیدر آباد یا مدراس سے جاری ہو اور "تہذیب الاخلاق" کے لیے وہی دھوم دھام رہے جو پہلے تھی بلکہ اُس سے بھی زیادہ. مگر مولوی صاحب ممدوح نے خدا سے دعا مانگی ہے کہ خدا اُن کی زبان کو شعلۂ دوزخ بنا دے۔ وہ فرماتے ہیں :

عنایت کر مجھے آتش زبانی
کہ لب تک لا سکوں رازِ نہانی
بتانِ سنگ دل کا جی جلا دے
زباں کو شعلۂ دوزخ بنا دے

مگر اُن کو ایسی دعا کرنی نہیں چاہیے اور اپنی زبان پر رحم کرنا چاہیے -

---

''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین کیسے ہونے چاہئیں ؟

(''تہذیب الاخلاق'' جلد اول نمبر ۶ (دور سوم) یکم ربیع الاول، ۱۳۱۲ھ، صفحہ ۱۰۱ و ۱۰۲)

ہمارے بعض دوستوں نے ہم کو لکھا ہے کہ افسوس ہے کہ ''تہذیب الاخلاق'' کی نسبت لوگوں کی نا آمیدی روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے اور ''تہذیب الاخلاق'' کے مضامین عالی اور مفید اور پر جوش نہیں ہوتے - سچ پوچھیے تو ان میں کچھ ہوتا ہی نہیں ہے -

بے شک جیسا کہ ہمارے دوست چاہتے ہیں ''تہذیب الاخلاق'' ایسا عمدہ نہ ہوتا ہو ۔ نواب محسن الملک مولوی مہدی علی خدا کے فضل سے اب اچھے ہوگئے ہیں اور ان کے لکھے ہوئے مضامین ان تمام نقصانوں کا جو ''تہذیب الاخلاق'' میں ہوں تلافی کر دیں گے -

مگر یہ بات فیصلہ طلب ہے کہ حال کے ''تہذیب الاخلاق'' کا بہ لحاظ حالات قوم کیا رنگ ہونا چاہیے جب پہلا ''تہذیب الاخلاق'' نکلا تھا اس وقت ضرورت تھی کہ قوم کو یورپین سائنس و لٹریچر کی تعلیم پر جس کو وہ کفر یا شرعاً حرام سمجھتے تھے متوجہ کیا جائے اس لیے اس کے مضامین اس بات پر ہوتے تھے

کہ شرعاً تعلیم یورپین سائنس و لٹریچر ممنوع نہیں ہے اور قوم کو اُس کی تعلیم پر متعدد طرز سے متوجہ کیا جاتا تھا ۔

پھر جو خیالات قوم میں ایسے بیٹھے ہوئے تھے جو ترقی اور تہذیب کے مانع تھے ان کو دور کیا جاتا تھا اور شرعاً اور عقلاً اُن پر بحث ہوتی تھی ۔

غیر مذہب کے لوگوں سے سچی دوستی اور سچی محبت و اخلاص کو من حیث المعاشرت بھی وہ کفر سمجھتے تھے ۔ اہل کتاب سے دوستی ان کے ساتھ کھانے پینے کو باوجود حلال ہونے ماکول و مشروب کے وہ ارتداد اور خارج از اسلام ہونا جانتے تھے ۔ اُس کی نسبت مضامین لکھے جاتے تھے وہ زمانہ اب نہیں رہا ۔ مسلمان یورپین سائنس و لٹریچر کے پڑھنے پر متوجہ ہوگئے ہیں ۔ اس کے پڑھنے پڑھانے میں سخت سے سخت متعصب خاندان کو بھی اب کچھ تامل نہیں رہا ہے ۔ اہل کتاب کے ساتھ مواکات اور سوشل برتاؤ تو اب ایسا عام ہوگیا ہے اور ہوتا جاتا ہے کہ گویا کبھی تھا ہی نہیں ۔

وہ زمانہ بھی ابھی تک بھولا نہیں ہے جب کہ بعض مسلمان انگلستان سے واپس آئے تو تمام ہندوستان میں خطوط اور اشتہار جاری ہوئے کہ کوئی مسلمان اُن کے ساتھ نہ کھاوے کیوں کہ وہ انگریزوں کے ساتھ کھا چکے ہیں اور اس لیے ان کے ساتھ کھانا حرام ہے ۔

وہ زمانہ بھی یاد سے نہیں اترا کہ اگر کسی اشراف اور نیک دل آدمی نے اتفاقیہ ان کے ساتھ کھا لیا تو اُس کے گھر میں اور ہمسایہ میں ، برادری میں ، محلہ میں رونا پٹنا پڑ گیا کہ ہے ہے وہ بھی عیسائی ہوگیا ۔ پس یہ سب مرحلے طے ہوگئے ہیں

اور اب اس قسم کے مضامین "تہذیب الاخلاق" میں لکھنے فضول ھین ۔ ھاں اس بات کا فیصلہ باقی ھے کہ اب کس قسم کے مضمون "تہذیب الاخلاق" میں لکھے جانے چاھئین ۔

ہمارے خیال میں یہ بات ھے کہ اس زمانہ میں ھزاروں آدمی ایسے موجود ھین اور جوں جوں یورپین سائنس اور لٹریچر کی تعلیم کی ترقی ھوتی جاوے گی ایسے اور موجود ھوتے جاویں گے جو مذھب اسلام کو اور نیچرل سائنس کو باھم ضد حقیقی تصور کرتے ھین اور ان لوگوں کا خیال بڑھتا جاوے گا اور سمجھیں گے کہ اسلام اور نیچرل سائنس کا جمع ھونا متناقضین کے جمع ھونے کے برابر ھے ۔ اُن کے دل پر ایک بڑے لائق انگریز کے اس قول کا نقش ھوتا جاوے گا کہ یورپین سائنس اور لٹریچر مذھب اسلام کو ایسا ھی معدوم کر دیتی ھے جیسے کہ پالا چھوٹے پودے کو ۔ پس اس زمانہ میں "تہذیب الاخلاق" کا یہ کام ھونا چاھیے کہ وہ بتاوے کہ یہ رائے غلط ھے اور نیچرل سائنس سے کوئی نقصان مذھب اسلام پر نہین ھوتا ۔ بلکہ جس قدر زیادہ واقفیت نیچرل سائنس سے بڑھتی جاوے گی ، اُسی قدر زیادہ وجود ذات باری اور اُس کے خالق اور صانع ھونے کا یقین بڑھتا جاوے گا اور اس لیے اب تک "تہذیب الاخلاق" کا رخ اُسی قسم کے مسائل کے حل کرنے کی طرف رھا ھے ۔ ھاں اگر اور کچھ "تہذیب الاخلاق" کو کرنا ھے تو مسلمانوں کو اخراجات فضول شادی و غمی سے روکنا اور اُن کو تعلیم اولاد پر روپیہ خرچ کرنے کو متوجہ کرنا ھے ۔

تعجب یہ ھے کہ ہمارے دوست نے تو "تہذیب الاخلاق" کو اس قدر نا پسند کیا ھے جیسا کہ اُن کی تحریر سے ظاھر ھے ۔

لیکن برخلاف اس کے اکثر دوست کہتے ہین کہ جیسے عمدہ بعض مضامین حال کے "تہذیب الاخلاق" مین نکلے ہین ایسے عمدہ اور مفید کبھی نکلے ہی نہین - پس ہم ایسے دوستوں سے چاہتے ہین کہ وہ ہم کو بتلاوین کہ حال کا "تہذیب الاخلاق" کس رنگ کا ہونا چاہیے اور کس قسم کے مضامین اس مین مندرج ہونے مناسب ہین اور قوم کے لیے مفید اور ضروری ہین جہاں تک ہماری سعی سے ممکن ہے ہم اس کی اصلاح پر کوشش کرین گے -

---

اختتام سال ۱۲۸۹ ھجری
و
شروع سال ۱۲۹۰ ھجری

("تہذیب الاخلاق" بابت یکم محرم الحرام ۱۲۹۰ھ)

شکر خدا کا کہ نواسی سنہ نوے ہوگیا - ہمارے اس پرچے کو جاری ہوئے سوا دو برس ہوئے - ہم کو خیال کرنا چاہیے کہ پچھلے سال میں مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تہذیب مین کیا کچھ ہوا اور ہمارے اس پرچے نے کیا کیا اور لوگوں نے اس کو کیا کہا اور ہم نے اپنی قوم سے کیا سہا -

حال خود و یاران خود

ہمارے اور ہماری قوم کے حال پر حافظ کا یہ شعر بالکل ٹھیک ہے :

بدم گفتی و خور سندم عفاک اللہ نکو گفتی
جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا

پرانے دل بعضے تو ہم کو برا کہتے کہتے ٹھنڈے ہوگئے اور بعضے مہربان اب اور نئے دل جوش پر ہیں اور ہم کو برا کہنے پر نہایت تیز زبان مگر ہمارا دل اپنے کام سے ٹھنڈا نہیں ہے ہم کو وہی جوش محبت و ہم دردی اپنی قوم کے ساتھ ہے اُن کی دین دنیا کی بھلائی اور تہذیب و شائستگی کی دن رات فکر ہے اُن کے غصہ سے ہم کو رنج نہیں - اُن کی سخت کلامی کا ہم کو

غم نہین کیوں کہ ہم جانتے ہین کہ وہ نہیں جانتے اور ہم سمجھتے ہین کہ وہ نہین سمجھتے - جو کچھ کہ وہ کرتے ہین ہم جب ہی سے جانتے ہین جب کہ وہ نہ کرتے تھے -

من عہد تو سخت سست میدانستم
بہ شکستن آں درست میدانستم

ہر دشمنی اے دوست کہ بامن کردی
آخر کردی نخست میدانستم

ہم کو پچھلوں کے حالات سے اور خود اپنے دادا محمد رسول اللہ صلعم کے حالات سے بالکل تسلی ہے - ہم دیکھتے ہین کہ جن لوگوں نے عام بھلائی پر کمر باندھی اور عام برائی کا دور کرنا چاہا اور اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی مین کوشش کی تو اُن کو دنیا کے ہاتھ سے اور بالتخصیص اپنی قوم کے ہاتھ سے کیا ملا ؟ کوئی سولی دیا گیا ، کوئی آرہ سے چیرا گیا ، کوئی جلا وطن کیا گیا ، پس ہم کو جو اپنی قوم کے ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا اُس کا کروڑواں حصہ بھی ابھی نہین ہوا -

ہم کو دیکھنا چاہیے کہ ہماری قوم نے ہم سے کیا کیا ؟ کچھ نہین کیا - بہت کیا تو یہ کیا کہ دو چار خط گم نام سب و دشنام کے لکھ بھیجے - ہم نے شکر کیا کہ ہمارا تو کچھ نہین بگڑا اور اُن کا دل ٹھنڈا ہوگیا -

اس سے زیادہ کسی کو غصہ آیا اور کوئی اخبار نویس بھی اتفاق سے اُن کا دوست ہوا یا دو پتھر اور ایک کاٹ کی کل اُن کے ہاتھ مین ہوئی تو اُنھوں نے اپنے دل کے غصہ کو جھوٹ سچ باتیں چھاپ کر یا چھپوا کر ٹھنڈا کیا - ہم تو اس پر بھی راضی ہیں مگر اُس دن ہم کو افسوس ہے جب کہ وہ لوگ خود اپنی باتوں پر افسوس کریں گے اور سمجھیں گے جو

سمجھیں گے ۔

ہم کو ملحد اور زندیق اور لا مذہب کہنا کچھ تعجب نہیں ہے کیوں کہ ہماری قوم نے خدائے واحد ذوالجلال کے سوا باپ دادا کی رسم و رواج کو اور اپنے قدیمی چال چلن کو دوسرا خدا مانا ہے اور پیغمبر آخرالزمان محمد رسول اللہؐ کے سوا اور بہت سے پیغمبر پیدا کیے ہیں کتاب اللہ کے سوا انسانوں کی بنائی ہوئی بہت سی کتابوں کو قرآن بنایا ہے اور ہم اُس جھوٹے خدا اور فرضی پیغمبروں اور جعلی قرآنوں کو ایسے ہی برباد کرنے والے ہیں جیسے ہمارے جد امجد ابراہیمؑ اپنے باپ آذر کے بتوں کے توڑنے والے تھے ہم سچے خدائے واحد ذوالجلال کا جلال اور سچے پیغمبر محمد رسول اللہؐ کی نبوت اور سچی کتاب اللہ کی اطاعت دنیا میں قائم کرنی چاہتے ہیں پھر وہ لوگ ہم کو ملحد و زندیق و لا مذہب نہ کہیں اور نہ سمجھیں تو کیا کہیں اور کیا سمجھیں کیوں کہ ہم اُن کے خداؤں اور پیغمبروں اور قرآنوں کو نہیں مانتے ۔

مگر طرفہ یہ ہے کہ ہم کو کرسٹان بھی کہتے ہیں اور ہماری قوم کے ایک اخبار نویس نے چھاپا کہ ہم عیسائی ہوگئے اور ایک گرجا میں جا کر بپتسما یعنی اصطباغ لیا ۔ ہم کو اپنی قوم کے حال پر نہایت افسوس آیا کہ اب ہماری قوم کا یہ حال ہو گیا ہے کہ علانیہ جھوٹ بولنے اور جھوٹ چھاپنے میں کچھ شرم و غیرت و حیا نہیں آتی ۔ قومی ہم دردی جو خدا کی ایک بڑی نعمت ہے خدا نے ہماری قوم کے دل سے کیسی مٹا دی ہے کہ اُس شخص کو یہ بھی غیرت نہیں ہوئی کہ میں ایک مسلمان شخص کی نسبت کس دل اور غیرت سے ایسی جھوٹ بات چھاپ دوں ۔ ان باتوں سے ہم کو بہ لحاظ اپنی ذات کے کچھ بھی رنج

نہیں ہوتا مگر جو رنج اور غم اور افسوس ہوتا ہے وہ یہی ہوتا ہے کہ افسوس ہماری قوم پر خدا کی کیسی خفگی ہے جو ایسی حالتوں میں گرفتار ہے ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخسرین۔

کان پور سے ہم کو مختلف صورتوں میں عجیب عجیب آوازیں آتی ہیں۔جناب حاجی مولوی سید امدادالعلی صاحب ڈپٹی کلکٹر بہادر نے جو رسالہ مطبوعہ ہمارے پاس بھیجا ہے اُس میں یہ مضمون بہ طور نصیحت لکھا ہوا ہے:

"بعض اہالیان ہند نے واسطے دھوکا دینے حکام وقت کے اپنا طریقہ مذہبی اور لباس ملکی اور وضع قومی چھوڑ کر بر خلاف اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں اور ہم پیشوں کے جاکٹ اور پتلون پہننا اور میز و کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹے سے کھانا اور وہ ہیئت جو نصرانیوں کی ہے بنانا اِس مراد سے اختیار کیا ہے کہ ہم کو حکام وقت، جن کے لباس و طعام کی یہ وضع ہے، اپنا مخلص اور مطیع اور پیرو جانیں اور اُن کے محکومین ہم کو حکام کا ہم سر مانند صاحب لوگوں کے سمجھیں۔سو نتیجہ اُن کی خبثِ طینت کا کہ مکر و دغا ہے، یوں ظاہر ہے کہ اکثر حکام سوا فریبی دغا باز سمجھنے کے اُن کو اچھا نہیں جانتے ہیں اور اُن کی وضع اور چلن کو بالکل پسند نہیں کرتے ہیں۔اگرچہ بعض حکام ظاہر میں پادری منش اُن کی دل شکنی اس وجہ سے نہیں کرتے ہیں کہ خیال اُن کا یہ ہے کہ شاید اُن کے ذریعے سے اہلِ اسلام کے عقاید میں کچھ فتور آ سکتا

ہے اور اُن کے دلوں میں ہمارے مذہب کی طرف کچھ
رغبت پیدا ہو سکتی ہے حالاں کہ اس خیال کا وقوع
میں آنا ہرگز ممکن نہیں ہے اس لیے کہ ان صاحبوں کی
بے اعتباری نے اہلِ اسلام کی طبیعتوں میں اس طرح
رسوخ نہیں پایا ہے کہ کوئی بات ان کی نکالی ہوئی یا
کہی ہوئی یا لکھی ہوئی وہ قبول کر سکتے ہوں۔
بلکہ میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی
رائے کو بھی اُن کے ذریعے سے صحیح اور درست
نہیں سمجھ سکتا ہے ۔ بہ ہر حال یہ اہالیانِ ہند
کسی طرح اپنی مراد اس طریقے سے نہیں پا سکتے
ہیں بلکہ اپنی بد نیتی سے خسر الدنیا و
الآخرۃ ہو سکتے ہیں ۔ انا للہ و انا الیہ
راجعون ۔"

اگرچہ اس تحریر کی وجہ لوگ اور ہی کچھ خیال کرتے ہیں مگر ہم اُن کی اسی بات کا کہ اُنھوں نے ہم کو اپنے ہم مذہبوں اور ہم وطنوں اور ہم قوموں میں شمار کیا شکر ادا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ۔

عمرت دراز باد کہ ایں ہم غنیمت است

مگر جب ہم تھوڑی دور اور اُس رسالہ کو پڑھتے جاتے ہیں تو پھر یہ فقرہ اپنی نسبت پاتے ہیں :

"مفتی سعد اللہ صاحب کا فتویٰ، تکفیر میں جناب
سید احمد خاں صاحب کے، جو ترجمۂ تاریخ پر مرتب
ہوا ہے، راقم کے پاس موجود ہے۔ معلوم نہیں کہ
سید احمد خاں صاحب کے حواریین اُس فتوے پر ابھی
ایمان رکھتے ہیں یا نہیں ۔"

پہلے تو ہم گھبرائے کہ یہ مفتی سعد اللہ صاحب کون ہیں، وہی ہیں جن کو ہم نے دلی میں دیکھا ہے اور یہ وہی مفتی سعد اللہ صاحب ہیں جنھوں نے لکھنو میں ایک نیک بخت مسلمان آل رسولؑ ابن علی اولادِ نبی کے کفر اور قتل کا فتویٰ دے کر عشرہ محرم میں اُن کا سر ہنومان گڑھی سے نیزہ پر چڑھا کر لکھنو میں لانا چاھا تھا تو ھمارا دل ٹھنڈا ھوگیا اور سمجھے کہ آلِ رسولؑ کے قتل و کفر پر فتویٰ دینا اُن کا قدیمی پیشہ ہے -

مگر جو صاحب ھماری تکفیر کے فتوے لینے کو مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے اور ھمارے کفر کی بدولت اُن کو حج اکبر نصیب ھوا اُن کے لائے ھوئے فتووں کے دیکھنے کے ہم مشتاق ہیں - ؎

به بیں کرامتِ بت خانۂ مرا اے شیخ
که چوں خراب شود خانۂ خدا گردد

سبحان اللہ ھمارا کفر بھی کیا کفر ہے کہ کسی کو حاجی اور کسی کو ھاجی اور کسی کو کافر اور کسی کو مسلمان بناتا ہے و للہ در من قال ؎

باراں که در لطافت طبعش خلاف نیست
در باغ لاله روید و در شور بوم و خس
توانم آں که نیازارم اندرون کسے
حسود را چکنم کو ز خود برنج درست

اب ھمارے محبوب مہدی علی اور ھمارے عزیز مشتاق حسین کا حال سنو - یہ ھمارے دونوں دوست ایسے ھیں جن کا حال کچھ چھپا نہیں ہے - مولوی مہدی علی کا علم اُس کی ذاتی خوبیاں، اُس کی پیاری پیاری باتیں، اُس کی سچی ایمان داری، اُس کی فصیح تقریر اس قابل ھیں کہ اگر ھماری قوم کے دل کی آنکھیں

اندھی نہ ہوتیں تو اُس کے نام سے فخر کیا کرتے ۔

منشی مشتاق حسین کی ذاتی نیکی اور نہایت سخت دین داری ، بے ریا عبادت ، سچی خدا پرستی ، غایت تشدد سے نماز روزہ اور احکام شریعت کی پابندی جو در حقیقت بے مثل ہے اس لائق تھی کہ اگر ہماری قوم پر خدا کی خفگی نہ ہوتی تو اُس سے مسلمانی کو فخر سمجھتے ۔

مگر خدا نے ایسا اپنا غضب ہماری قوم پر نازل کیا ہے کہ ایک رائے یا ایک مسئلہ یا ایک آبائی رسم و رواج کے اختلاف کے سبب ایک کو نہایت حقارت سے حواری جس سے اشارہ عیسائی کا رکھا ہے اور دوسرے کو ملحد کا خطاب دیا ہے کبرت کلمة تخرج من افواھهم ان یقولون الا کذبا ۔ مگر ہمارے ان دونوں دوستوں کو خدا کا شکر کرنا چاہیے کہ اُن کو بہ عوض سچائی اور دین داری کے یہ خطاب اُنھی کی قوم سے ملے ہیں جن کی وہ بہتری چاہتے ہیں ۔

نیک باشی و بدت گوید خلق
بہ کہ بد باشی و نیکت گویند

با این ہمہ ہم خود اپنے مخالفوں کے نہایت مداح و ثنا خوان ہیں اور دل سے اُن کی تعریف کرتے ہیں کیوں کہ ہم یقین کرتے ہیں کہ اُن میں سے اکثر صرف حمیت اسلامی کے سبب اور بعض اپنی جبلت اور اپنی خلقی سخت مزاجی اور کجرائی کے سبب ہماری مخالفت کرتے ہیں پس ہمارا اور ہمارے اکثر مخالفوں کا مطلب واحد ہے ۔ ہم دونوں اسلام کے خیر خواہ اور اپنی قوم کی ترقی چاہنے والے ہیں صرف ہم میں اور ہمارے اُن مخالفوں میں اتنا فرق ہے کہ جو کچھ ہم نے سمجھا اور سونچا اور دیکھا ہے وہ اُنھوں نے سونچا ، سمجھا ، دیکھا نہیں ۔ جب اُن کے دل کو بھی

خدا وہ باتیں سوجھا دے گا جو ہم کو سوجھائی ہیں تو وہ بھی ہمارے ساتھ متفق ہو جاویں گے ۔ زید ابن ثابت ، ابوبکر صدیق اور عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالٰی عنہم سے جمع قرآن پر مخالفت ہی کرتے رہے جب تک کہ خدا نے زید ابن ثابت کے دل کو وہ باتیں نہیں سوجھائیں جو ابوبکرؓ و عمرؓ کو سوجھائیں تھیں لیکن جب سوجھائیں تو انھوں نے بھی تسلیم کیا کہ و اللہ خیر ۔ پس ہم اپنے مخالفین کے لیے یہی دعا خدا سے مانگتے ہیں کہ اللھم اشرح صدورھم للذی شرحت لہ صدری ۔ آمین ۔

ذکر پرچہ "تہذیب الاخلاق"

گذشتہ سال میں بہ سبب خاص ضرورتوں کے حالات مدرسۃ العلوم مسلمانان زیادہ تر اس پرچہ میں چھاپے گئے اس پر بھی بہت سے وہ مضامین بھی جن کے لیے یہ پرچہ موضوع ہے مندرج ہوئے ۔

ہم نے اپنی قوم کی موجودہ برائی اور اُن کی آئندہ کی بھلائی جہاں تک کہ ہو سکی اُن کو دکھائی ۔ مذہبی نقائص جو اُنھوں نے یہود و نصاریٰ کی روایتوں سے اور ہندوؤں کے میل جول سے اختیار کیے ہیں ۔ بد رسم و رواج جو اُن میں شامت اعمال سے پڑ گئے ہیں ، اخلاق کی برائیاں جو اُن میں خرابی تربیت سے آ گئی ہیں ، اُن کی کتب مروجہ تعلیم کی خرابیاں جس سے وہ کتابیں بے سود ہوگئی ہیں سب کچھ اُن کو بتلایا ہے ۔

علمِ ادب اور علمِ انشاء سے بھی ہم نے غفلت نہیں کی کیوں کہ ہم نے اپنے آرٹیکلوں کو اُس طرز جدید صاف و سادہ پر لکھا ہے جو دل میں سے نکلنے والی اور دل میں بیٹھنے والی ہے ۔

اُس طرز پر لکھنے سے اپنی قوم کو موجودہ علمِ انشاء کی برائی کا بتلانا اور اُس میں تبدیل کی ضرورت کا ہونا سمجھایا ہے اور اگر ہمارا خیال غلط نہ ہو تو ہم نے اپنی قوم میں اُس کا کچھ اثر بھی پایا ہے -

ہم نے نامی یورپ کے عالموں اڈیسن اور اسٹیل کے مضامین کو بھی اپنی طرز اور اپنی زبان میں لکھا ہے جہاں کہ ہم نے اپنے نام کے ساتھ اے - ڈی اور ایس - ٹی - کا اشارہ کیا ہے اور اپنی قوم کو دکھایا ہے کہ مضمون لکھنے کا کیا طرز ہے اور ہماری اُردو زبان میں اُن خیالات کے ادا کرنے کی کیا کچھ طاقت ہے اور اگر ہماری قوم اس پر متوجہ ہو تو کس قدر اور زیادہ خوبی اور صفائی اور سادگی اُس میں پیدا کر سکتی ہے -

یہ تو ہم نے سنا کہ بعض لوگوں نے ہمارے پرچہ کا نام ''تفریب الاخلاق'' اور ''تخریب الآفاق'' رکھا ہے جس طرح کہ ایک پرانی قوم نے قولوا حطة نغفر لکم خطایا کم و سنزید المحسنین کی جگہ حنطة پڑھا تھا مگر ہم نے کوئی تحریر بہ طور ریویو کے اس پر نہیں دیکھی جس میں بہ طور ایک عادل حاکم کے اُس کی بھلائی پر مفصل رائے دی ہو -

بعض دوستوں نے ہمارے پاس خط بھیجے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہماری تحریر کو اورسادگی عبارت کو پسند کرتے ہیں اور ہمارے مضمونوں کو بھی عمدہ سمجھتے ہیں - ہمارے ایک انگریز دوست نے ہم کو لکھا کہ ''تہذیب الاخلاق'' نے یہ ثابت کر دیا کہ اُردو زبان میں بھی ہر قسم کے مضامین اور خیالات عمدگی اور سادگی سے ادا ہو سکتے ہیں اور یہ بھی ثابت کیا کہ مذہب اسلام ایسا تنگ و تاریک رستہ نہیں ہے جیسا کہ اب تک سمجھا جاتا تھا -

ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے بھی بڑی خوشی ہے
کہ ہمارے مخالف ہمارے دوستوں سے بھی زیادہ اس پرچہ کے
مشتاق رہتے ہیں اور اس سے بھی زیادہ خوشی یہ ہے کہ لوگ
اس کے مضامین پر بحث کرتے ہیں اور رد و قدح پر متوجہ ہیں۔
بعض اخبار نویسوں نے ہمارے مضامین کے رد کرنے کا پیشہ
اختیار کیا ہے اور بعض جگہ ہمارے مضامین پر بہ نظر تردید بحث
کرنے کو مجلسیں مقرر ہوئی ہیں بعض صاحب اس بات پر متوجہ
ہیں کہ اپنی پرانی ہی کملی کو ہر مجلس کے لائق ثابت کریں۔
کان پور و گورکھ پور و مراد آباد سے اُن مضامین کی تردید میں
رسالے نکلے ہیں اور نکلنے والے ہیں۔ یہ تمام واقعات ہمارے لیے
نہایت مبارک آثار ہیں کیوں کہ اگر یہ سب باتیں معرض بحث
میں نہ آتیں تو ہم کو اپنی تحریروں کے مؤثر ہونے کا کچھ
بھی یقین نہ ہوتا جو عمارت بغیر گہرا کھودے بنتی ہے وہ جلد
ڈھے جاتی ہے۔ وہی مسائل انجام کو ہر دلعزیز ہوتے ہیں جو
بعد مباحثہ قائم رہتے ہیں۔ سونا اگر آگ میں نہ تایا جاوے تو
کبھی گل رخوں کے گلے کا ہار نہ ہو۔ ہمارا قول ہے کہ ”سچ
میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہے کہ وہ از خود لوگوں کے
دلوں میں بیٹھ جاوے۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہے وہ یہی
ہے کہ مباحثہ کا اُسے خوف نہیں“۔

ہم کو اس بات سے بھی بڑی خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے پرچے
کا ایک مضمون ہمارے ملک کے نامی عربی اخبار النفع العظیم
لاھل ھذا لا اقلیم مطبوعہ ۲۰ ذیقعدہ میں بہ زبان عربی ترجمہ
ہو کر چھپا ہے اور مسٹر اڈیسن کا ایک مضمون اُمید پر جو ہم نے
اپنی زبان اور اپنی طرز پر چھاپا تھا وہ دوسری طرح پر بہ طور
ترجمہ پٹیالہ اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے اور

اس سے ہم کو اُمید ہوتی ہے کہ جو راہ ہم اپنے بھائیوں کو دکھانی چاہتے ہیں وہ اُس کو پسند بھی کرتے ہیں ۔

در دلش تسلیم و بر لب حرف انکار وصال
گوش گوبد بشنود جون دل ز اندازش خوش است

اثر ''تہذیب الاخلاق'' کا دلوں پر

اگرچہ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس پرچے نے لوگوں کے دلوں پر بہت کچھ اثر کیا مگر اتنا تو ضرور کہتے ہیں کہ کچھ تو اثر کیا ہے ۔ ہماری قوم کے دل جو مردہ ہو گئے تھے اُن میں ایک تحریک تو ضرور آ گئی ہے ہر ایک دل میں کسی نہ کسی بات کا جوش ہے ۔ کوئی اُس کے مضامین ہی کی تردید کی فکر میں ہے ۔ کوئی ہماری تکفیر کی دھن میں ہے ۔ کوئی ہماری تحریروں کو سراھتا ہے ۔ کوئی اُن سراھنے والوں کو لعنت و ملامت کرتا ہے ۔ مگر ایک نہایت خوشی کی بات یہ ہے کہ بہت لوگوں کو یہ خیال ہو گیا ہے کہ بلاشبہ ہماری قوم خراب ہوتی جاتی ہے اُس کے لیے کچھ کرنا چاہیے ۔ اگر درحقیقت ہماری تحریروں نے ایسا اثر کیا ہو تو ہم کو یقین کرنا چاہیے کہ ہماری مراد حاصل ہو گئی ۔

ہمارے ایک دوست نے ہم سے نقل کی کہ ضلع سہارن پور میں ہمارے حال پر بحث ہو رہی تھی ایک شخص نے کہا کہ اُس کے مسلمانوں کے دوست ہونے میں تو کچھ شک نہیں مگر نادان دوست ہے ۔ ایک صاحب نے کہا کہ ہے تو وہ کرسٹان مگر ہماری قوم کی بھلائی اور ترقی اگر ہوگی تو اُسی کرسٹان سے ہوگی ۔ یہ نقل سن کر میں نہایت خوش ہوا اور میں نے کہا کہ اگر درحقیقت مجھ سے ایسا ہو تو اس کرسٹانی کے خطا

پر ہزار مسلمانی نثار ہے ۔

قسمت نگر که کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے که زندگاں بدعا آرزو کنند

صائب نے خود ایک ناواقف شاعر سے پوچھا کہ صائب کیسا شعر کہتا ہے ۔ اس نے نہایت دلی جوش سے کہا که آن قرمساق همه خوش میگوید ۔ صائب کہتا ہے که جیسی عزت مجھ کو قرمساق کے لفظ سے حاصل ہوئی اعلیٰ سے اعلیٰ خطاب سے بھی ممکن نہیں ۔ اسی طرح خدا کرے کہ یہ لفظ کرسٹان کا میرے لیے عزت قومی کا باعث ہو ۔

اس کا اثر تعلیم و تربیت پر

اس میں کچھ شک نہیں کہ ہماری کوششوں نے مسلمانوں کی تعلیم پر نمایاں اثر کیا ہے اب جس مسلمانی مدرسے میں جاتے ہیں اور جس طالب علموں سے ملتے ہیں اتنی بات تو ضرور سنتے ہیں کہ جو طریقۂ تعلیم بالفعل مقرر ہے وہ بلاشبہ تبدیل کے لائق ہے ۔ بہت سی کتابیں ایسی درس میں داخل ہیں جن سے عمر ضائع ہوتی ہے ۔ بعض علوم ایسے پڑھائے جاتے جو نہ دین کے کام کے ہیں نہ دنیا کے ۔ جو شخص کہ فارغ التحصیل ہوگیا ہو اگر اس کے حال پر غور کرو تو صاف معلوم ہوگا کہ دین کے کام کا ہونا تو معلوم دنیا کے بھی کسی کام کا نہیں ہوا ۔

بہت سے لوگوں کی خواہش معلوم ہوتی ہے کہ کسی طرح علوم و فنون جدیدہ چپکے سے اُن کے ہاتھ آ جاویں مگر شرماتے ہیں اور علانیہ اُن کی خواہش کرنے میں اپنی مولویت اور قدوسیت کی کساد بازاری سمجھتے ہیں ۔

جا بجا مسلمانوں کے مدرسے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر جگہ اُن کے قائم کرنے کا چرچا ہے ۔ مولوی محمد سخاوت علی

صاحب نے جن کی برکت سے قصبہ انبھٹہ ضلع سہارن پور میں ایک مسلمانی مدرسہ قائم ہوا ہے ہمارے ایک دوست سے فرمایا کہ ''اگرچہ پہلے بھی ہم کو اپنی قوم کی بھلائی کی فکر تھی مگر کوئی تقاضا کرنے والا اور بار بار جگانے والا نہ تھا''۔ اب پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' نے یہاں تک چوکنا اور آگاہ کیا جس کے سبب اس قصبہ میں بھی ایک مدرسہ قائم ہو گیا۔ خدا اس پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کو ہمارے لیے ہمیشہ مبارک رکھے اور شیخ نظام الدین صاحب مہتمم مدرسہ کی نیت میں بھی ترقی ہو جو میرے ساتھ بدل متفق ہیں۔

یہ بھی انہوں نے فرمایا کہ ہمارے مدرسہ انبھٹہ کو اور ہمارے ضلع کے کل مدارس، دیو بند، سہارن پور، گنگوہ کو بڑی تسلی ہے کہ یہ سب مدرسے اس مدرسۃ العلوم مسلمانان سے جس کے قائم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے مستفیض ہوں گے گویا علی گڈھ ہمارے مدرسوں کے طلباء کا قصر امید ہے۔ اگر درحقیقت ہم اپنی ترقی کریں گے تو وہ قصر ہمارے ہی لیے ہے۔ پس کس قدر ہم کو اس کے بانیوں کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ سب سے اخیر مدرسہ جو ہماری تحریروں کے اثر سے قائم ہوا وہ مدرسہ ایمانیہ لکھنئو ہے جس میں بشمول دیگر علوم معینہ کے مذہب شیعہ اثنا و عشریہ کی بھی تعلیم ہوتی ہے اور اس سے خیال ہوتا ہے کہ ہماری کوششوں نے شیعہ اور سنی دونوں کے دل کو جگا دیا ہے۔

اگرچہ ہم اپنی رائے میں ان مدرسوں سے ان فوائد کے حاصل ہونے کی توقع نہیں رکھتے جن کی ہم خواہش رکھتے ہیں اس لیے ہم کو ان کے قائم ہونے سے چنداں خوشی نہیں ہے مگر تاہم اس بات سے نہایت خوشی ہے کہ لوگوں کو اس

طرف توجہ تو ہوئی ، وہ کچھ کرنے تو لگے، کیا عجب ہے کہ رفتہ رفتہ اُس راہ پر بھی جا پڑیں جو فی الحقیقت سیدھی اور ٹھیک ہے اور جس راہ سے منزل مقصود پر پہنچنا ممکن ہے ناہ سے ہاں تو شروع ہوئی۔

یہ بھی ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ ان مدرسوں کے اخراجات میں بھی نہایت دل سے مدد کرتے ہیں اور ان کا قائم رہنا دل سے چاہتے ہیں گو ہم اُن کے اس شوق اور اس فیاضی کو نقش بر آب اور ایک نہایت حقیر خصلت انسانی سمجھتے ہیں جس کو ہم خود غرضی کہتے ہیں کیوں کہ وہ لوگ بہ سبب اُن مقدس مولویوں کے جو اُن مدرسوں میں مصروف ہیں اور اُن کی قدوسیت کا خیال لوگوں کے دلوں میں جا ہوا ہے اور نیز اس خیال سے کہ مذہبی کتابوں اور قرآن و حدیث اور عربی پڑھانے میں روپیہ روٹی ، ناج ، بھس دینے میں بڑا ثواب ہوگا اُن مدرسوں میں روپیہ دیتے ہیں اور مدد کرتے ہیں یہ کرنا کچھ کرنے میں داخل نہیں ہے اور اس سے قومی عزت حاصل نہیں ہوتی ہے اور اسی سبب سے ہم اُس کی نہ کچھ زیادہ قدر سمجھتے ہیں اور نہ خوش ہوتے ہیں ہاں اُس دن خوش ہوں گے جب کہ ہماری قوم نہ خدا کے واسطے اور نہ اپنے ثواب کے لیے بلکہ صرف اپنی قوم کے لیے کوشش کرے گی اور کہے گی کہ میں اپنے ہاتھ ، اپنے پانوں ، اپنی جان ، اپنی محنت ، اپنے روپے کے بدلے نہ خدا کو خریدنا چاہتا ہوں نہ بہشت کو بلکہ اپنی قوم کو ۔ جب کہ اس طرح بلاخیال اپنے ذاتی نفع دینی و دنیوی کے لوگ اپنی قوم کی بھلائی پر متوجہ ہوں گے اُس وقت البتہ ہم کو خوشی ہوگی ۔ لیکن یہ بھی غنیمت ہے جو ہو رہا ہے اور اُمید ہے کہ آئندہ اور بھی اچھا ہو ۔

اثر مذہبی خیالات پر

اس پرچہ میں ہم کو عقاید و مسائل مذہبی سے بحث کرنا مقصود اصلی نہیں ہے مگر جو مسلمانوں نے مثل ہندوؤں کے مذہب اور تمدن و معاشرت کو متحد سمجھ رکھا ہے اس لیے بہ مجبوری اُن مسائل مذہبی سے بحث آ جاتی ہے جو ہمارے مقصود سے علاقہ رکھتے ہیں -

مگر ہماری قوم عجیب حالت مذہبی میں گرفتار ہے - ہم اہل سنت و جماعت کا ذکر کرتے ہیں جن کے دو فرقے القاب وہابی و بدعتی سے ملتب ہیں - پہلے حضرت بلا شبہ عقاید میں نہایت درست اور قریب حق کے ہیں اِلاّ ظاہری افعال اور سختی اور سنگ دلی اور قساوت قلبی اور تعصب پر اس قدر سرگرم ہیں کہ اندرونی نیکی ایک بھی اُن میں نہیں رہی اور ٹھیک ٹھیک وہی حال ہے جو علماء یہود کا تھا ، جو دن رات ظاہری رسومات مذہبی میں مبتلا تھے اور دوسرے حضرت اگرچہ اندرونی نیکیوں کی جانب کسی قدر متوجہ ہیں اِلاّ رسوم آبائی کے اس قدر پابند ہیں اور بدعات محدثہ کے اس قدر پیرو ہیں کہ رومن کیتھیلک کے قدم بقدم ہو گئے ہیں بلکہ اُن کو بھی مات کر دیا ہے پس یہ دونوں باتیں ہمارے مقصود کی خارج ہیں اور ہم ان دونوں باتوں کو اپنے سچے دل سے مذہب اسلام کے بھی بر خلاف سمجھتے ہیں اور ترقی تہذیب مسلمانوں کا بھی مانع قوی جانتے ہیں اور اس لیے مسلمانوں میں جہاں تک کہ یہودیت اور رومن کیتھیلکیت آ گئی ہے اُس کو مٹانا اور دور کرنا چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ بغیر سچا اسلام بے میل اختیار کیے کسی چیز کی بھلائی ممکن نہیں -

رسومات کو اور خصوصاً مذھبی رسومات کو مٹانا کچھ آسان کام نہین ہے اور نہ ھم کو کچھ توقع ہے کہ ھم اس مین کچھ کر سکتے ھیں مگر تاھم لوگوں کو اُس سے متنبہ کرتے جاتے ھیں اور کیا عجب ہے کہ کوئی دل نرم بھی ھوا ھو یا آئندہ ھو ۔

ھم کو ھمارے شفیق نیچرل اسٹ یا دھریہ کہتے ھیں اس سبب سے کہ ھم نے اپنی تصنیفات میں یہ دعویٰ کیا ھے کہ جو مذھب نیچر کے برخلاف ھے وہ صحیح نہیں ھے اور اُسی کے ساتھ اپنا یہ یقین بھی ظاھر کیا ھے کہ ٹھیٹ مذھب اسلام جب کہ وہ بدعات محدثہ سے پاک ھو بالکل نیچر کے مطابق ھے اسی لیے کہ وہ سچا ھے ۔ اگر یہی وجہ ھمارے دھریہ ھونے کی ھو تو ھم پکے دھریہ سہی ۔ بلاشبہ ھمارا یہ دلی عقیدہ ھے کہ نیچر خدا کا فعل ھے اور مذھب اُس کا قول اور سچے خدا کا قول و فعل کبھی مخالف نہیں ھو سکتا ، اس لیے ضرور ھے کہ مذھب اور نیچر متحد ھو اور بلاشبہ یہ بھی ھمارا اعتقاد ھے کہ انسان بہ سبب ذی عقل ھونے کے احکام مذھبی کا مکلف ھوا ھے پس اگر وہ احکام عقل انسانی سے خارج ھوں تو معلول خود اپنی علت کا معلول نہ ھوگا ھاں یہ بات ممکن ھے کہ وہ احکام ھماری تمھاری عقل سے خارج ھوں ۔ الا عقل انسانی سے خارج نہیں ھو سکتے اور زمانہ جوں جوں انسان کی عقل و علوم کو ترقی دیتا جاوے گا ووں ووں اُن کی خوبی زیادہ منکشف ھوتی جائے گی مگر یہ اُس وقت ھوگا جب کہ تقلید کی پٹی آنکھوں سے کھلی ھوگی ورنہ کولھو کے بیل کی طرح بہ جز دن رات پھرنے اور کچھ نہ جاننے کے اور کچھ نہ ھوگا ۔

کوئی مذھب ایسا دنیا مین نہین ھے جو دوسرے مذھب پر

گو وہ کیسا ہی باطل کیوں نہ ہو اپنی ترجیح بہمہ وجوہ ثابت کر دے مگر یہ رتبہ صرف اُسی مذہب کو حاصل ہے جو نیچر کے مطابق ہے اور میں یقین کرتا ہوں کہ وہ صرف ایک مذہب ہے جس کو میں ٹھیٹ اسلام کہتا ہوں اور جو بدعات محدثات سے اور غلط خیال اجماع سے اور خطاء اجتہادات سے اور ڈھکوسلہ قیاسات سے اور شکنجہ اُصول فقہ مخترعہ سے مبرا و پاک ہے۔ پس میں تو اپنے تئیں بڑا حامی اسلام سمجھتا ہوں گو سارا زمانہ مجھ کو دھریہ کیوں نہ سمجھے۔

نمی گویم دریں گلشن گل و باغ و بہار از من
بہار از یار و باغ از یار و گل از یار و یار از من
نمی دانم ز منع گریہ، مطلب چیست ناصح را
دل از من دیدہ از من آستین از من کنار از من

ذکر مدرسۃ العلوم مسلمانان

اس سے زیادہ عجیب بات کون سی ہوگی کہ ہم نے جو مسلمانوں کی ترقی تعلیم و تربیت کے لیے مدرسۃ العلوم کی بنا ڈالی ہے اُس میں بھی ہمارے چند ہم وطنوں نے ہم سے مخالفت کی ہے۔ ہمارے مخدوم مولوی حاجی سید امدادالعلی صاحب بہادر ڈپٹی کالکٹر کے مرسلہ رسالہ میں لکھا ہے کہ ''میرا گمان یہ ہے کہ کوئی مسلمان کسی سچی رائے کو بھی اُن کے (یعنی مجھ گنہگار کے) ذریعے سے صحیح اور درست نہیں سمجھ سکتا۔'' اگر در حقیقت مسلمانوں کا یہی حال ہو تو وائے بر مسلمانی دوائے بر مسلمانان۔ نیک طینت آدمیوں کا یہ کام نہیں ہے وہ تو بدوں میں بھی جو نیک بات ہوتی ہے اُس کو پسند کرتے ہیں بلکہ در و دیوار سے نصیحت لیتے ہیں۔ کما قال۔

مرد باید که گیرد اندر گوش
در نوشت است پند بر دیوار

ہمارے مکرم معظم جناب مولوی علی بخش خاں بہادر سب آرڈینیٹ جج گورکھپور نے اپنے رسالہ ''شہاب ثاقب'' کے صفحہ ۴۴ میں لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیطان کے شاگرد ہوئے اور عمل آیۃ الکرسی کا اُس سے سیکھا (نعوذ باللہ منہا) پس اے میرے بھائیو - میں ملحد ، مرتد ، زندیق ، کافر ، کرسٹان ، شیطان سہی مگر جو اچھی بات بتاؤں اور تمہارے فائدہ کی بات کہوں - دل سوزی سے تمہاری ہم دردی کروں میری وہ بات تم کیوں نہ مانو - حضرت ابو ہریرہؓ نے تو نعوذ باللہ منہا شیطان سے بھی نیک کام سیکھنے میں عار نہیں کی - سبحان اللہ کیا شان اسلام رہ گئی ہے کہ جو شخص ان باتوں پر یقین کرے وہ تو پکا مسلمان اور جو یہ کہے کہ میاں وہ حدیث ثابت نہیں ہے یا وہ کوئی چور شیاطین الانس میں سے ہوگا تو نیچرل اسٹ کافر کرسٹان -

گر مسلمانی ہمیں است کہ واعظ دارد
وائے گر در پس امروز بود فردائے

کیا اس سے زیادہ بد قسمتی اور بد اقبالی ، کم نصیبی مسلمانوں کی ہو سکتی ہے جو ایسے عمدہ کام یعنی مدرسۃ العلوم کے قائم ہونے میں مخالف کرتے ہیں - اگر اُن کی مخالفت میری ذات کے سبب سے ہے تو کیسی نادانی ہے کہ ایک شخص کے سبب جو یقینی ایک دن نابود ہونے والا ہے ہمیشہ کے لیے اپنی تمام قوم کے ساتھ دشمنی کرتے ہیں - اگر انتظامی امور اور فروعی باتوں میں مجھ سے مختلف الرائے ہیں تو اپنی رائے کی خوبی اور عمدگی ثابت کر کر بہ غلبہ رائے ممبران کمیٹی میری رائے کو

معدوم کر سکتے ھیں - اگر وہ اس کام کے انجام کے لائق ھیں تو مجھ کو اُس سے علیحدہ کر کر خود آپ تمام کام اپنے اختیار میں لے سکتے ھیں اور میں بہ خوشی و منت و احسان مندی اس بوجھ سے سبک دوش ھو سکتا ھوں بہ شرطیکہ اور کوئی اُس کو انجام دے پھر مخالفت معنی چہ - حقیقت میں یہ نشان بد اقبالی اور ھماری قوم سے خدا کی ناراضی کا ھے کہ نہ خود آپ اپنی قوم کے لیے کچھ کرتے ھیں اور نہ کر سکتے ھیں اور نہ اُس کی سمجھ رکھتے ھیں اور جو دوسرا کوئی کرتا ھے تو اُس میں وسوسے ڈالتے ھیں -

اُن مخالفت کرنے والوں کو اگر ھم یہ دیکھتے کہ اپنے ذاتی امور اور روزمرہ کے برتاؤ میں نہایت پابند شریعت اور متبع سنت ھیں تو جو کچھ وہ کہتے ھم سر جھکا کر سنتے مگر جب ھم دیکھتے ھیں کہ اپنے ذاتی معاملات میں تو سب کچھ روا ھے تو پھر ھم ایسے مہمل اور بے مغز گندم نما و جو فروش باتوں کو پسند نہیں کرتے -

اگر ھم دیکھتے کہ ھمارے مخالف قومی ھم دردی اور قومی عزت کے جوش میں سرگرم ھیں اور مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قائم ھونے میں عرق ریزی کر رھے ھیں مگر مدرسہ میں لال ترکی ٹوپی اور انگریزی جوتہ پہنانے سے ناراض ھیں ھم خود شرمندہ ھوتے اور کہتے کہ گو وہ غلطی پر ھیں مگر اُن کی کوشش اور ھم دردی قومی اس کی مقتضی ھے کہ اُن کی خاطر سے طالب علموں کو تہ بند باندھنے اور نعلین پہننے کا مدرسے میں حکم دیا جاوے مگر جب ھم دیکھتے ھیں کہ ھم دردی کا ان میں نشان نہیں - قومی عزت کا اُن کو خیال ھی نہیں بہ جز مخالفت مجسم کے (نہ کسی کینہ و عداوت سے بلکہ بہ مقتضائے طبیعت کے)

اور کچھ نہیں تو ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ بولیاں ہمارے مخالف نہیں بولتے بلکہ مسلمانوں کی بد اقبالی اور اُن کا ادبار چہچہا رہا ہے -

ہم ان تمام مخالفتوں سے کچھ اندیشہ نہیں کرتے اور خدا سے اپنی استقامت چاہتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ اگر خدا نے ہم کو استقامت بخشی تو ہم ضرور انشاء اللہ العزیز اس کام کو پورا کریں گے -

اے نا خدا ترس مسلمانو - تم اتنی ہی سی بات پر غور کرو کہ اگر ہماری قومی سعی سے ہمارا یہ قومی دارالعوم قائم ہو جاوے تو بہ مجرد اُس کے قائم ہونے کے بلا انتظار اُس کے فواید عظیمہ کے تمام دنیا میں اور تمام دنیا کی قوموں میں اور خصوصاً سویلزڈ قوموں اور سویلزڈ ملک میں ہماری قوم کی کس قدر عزت قائم ہوگی اور ہماری قوم کو اس کام کے انجام پر کیسا کچھ فخر ہوگا ورنہ وہی انڈین آبزرور میں آرٹیکل لکھنے والے کا قول صادق آوے گا کہ سور کے بالوں سے کوئی ریشم نہیں بنا سکتا - او خدا تو ہماری مدد کر - آمین -

اے بھائیو - ابھی پچھلے پرچہ میں طریقہ انتظام و سلسلہ تعلیم مسلمانوں مشتہر ہوا ہے تم اُس پر بہ خوبی غور کرو اور سمجھو کہ کیا بغیر اُس طریقہ کے ہماری قوم میں اعلیٰ درجہ کی تعلیم پھیل سکتی ہے اور کیا بغیر اُس طریقہ کی تعلیم کے قومی عزت حاصل ہو سکتی ہے اور کیا ان ٹٹپونجیوں عربی مدرسوں سے جو جا بجا قائم ہوئے ہیں جن کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے مانگ کر ٹکڑے کھاتے ہیں ہماری قوم کو کچھ فائدہ اور ہماری قومی عزت ہونے والی ہے - حاشا و کلا - میری غرض اس تقریر سے اُن مدرسوں کی ہجو کرنا نہیں جن کو نیک

آدمیوں نے اپنی نیک دلی اور سچی نیت سے قائم کیا ھے اور نہ میری یہ خواھش ھے کہ اُن میں کچھ فتور آوے بلکہ اس تقریر سے میرا مطلب اپنی قوم کو اس بات سے آگاہ کرنا ھے کہ جو کچھ تم نے کیا ھے اور کرتے ھو اُس سے بہت کچھ زیادہ تم کو کرنا ھے خدا ھم سب کو اُس کے انجام کی توفیق دے اور پھر خود اُس کو انجام دے - آمین -

یہ بات بھی کچھ کم تعجب کی نہیں ھے کہ ھمارے ملک کے بعض اخباروں نے بھی (خصوصاً جن کے ایڈیٹر مسلمان تھے اور جن کا فرض اپنی قومی ترقی میں کوشش کرنا تھا) اس مدرسۃ العلوم سے کافی مخالفت کی ھے گو اُس کا کچھ اثر ھوا ھو یا نہ ھوا ھو مگر اُنھوں نے اپنے ملک اور اپنی قوم کے لیے ایک تریٹر ھونے میں بلا شبہ بلند نامی حاصل کی ھے - با ایں ھمہ ھمارے ملک کے بہت سے نامی اخباروں نے ھمارے ساتھ صرف اپنی قومی خیر خواھی اور پیٹریاٹزم کے جوش سے ھم دردی بھی کی ھے پس ھم اُن اخباروں کا اور اُن کے ایڈیٹروں کا جن میں سے ھم کو پنجابی اخبار لاھور اور کلکتہ اُردو گائیڈ اور پٹیالہ اخبار اور علی گڈھ سائنٹیفک سوسائٹی اخبار اور اودھ اخبار کا نام لینا چاھیے ، دلی شکریہ ادا کرتے ھیں -

در حقیقت ھم اودھ اخبار کے اُس آرٹیکل کے جو اُس کے ایڈیٹر عالی قدر نے نہایت نیکی اور صاف دلی محبت قومی سے اپنے اخبار مطبوعہ ۲۱ - جنوری ، ۱۸۷۳ء میں چھاپا ھے بہت کچھ ممنون ھیں -

ھم اپنے ملک کے اسٹیٹ پیپر پایونیر الہ آباد کی مہربانیوں کو کبھی بھول نہیں سکتے جس نے ھمیشہ وقتاً فوقتاً ھمارے مدرسۃ العلوم کے حالات مشتہر کرنے سے ھماری بڑی مدد کی ھے -

ذکر ترقیات دیگر

جو کچھ کہ پچھلے برسوں میں کمیٹی مسلمانان نے کوشش کی اس کا بڑا نتیجہ خاص مسلمانوں کے حق میں یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ مدراس و بنگال و بمبئی نے نسبت ترقی تعلیم مسلمانان خاص خاص احکام جاری کیے ہیں جن کے لیے تمام مسلمانوں کو شکر ادا کرنا چاہیے - چناں چہ تینوں گورنمنٹوں نے اپنی مہربانی سے تمام کاغذ جو اس سے متعلق ہیں ہم کو مرحمت فرمائے ہیں چناں چہ ہم آئندہ کسی پرچے میں وہ سب حال چھاپیں گے -

علاوہ اس کے جو عام نتیجہ کمیٹی مسلمانان کے مباحثہ سے ہندوستان کو ہوا وہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے تسلیم کر لیا کہ جو تعلیم ہندوستان کی یونیورسٹیوں کی تھی وہ کافی نہ تھی - اہل ہند کو اور زیادہ تعلیم دینی چاہیے چناں چہ اس کے لیے خاص کمیٹی بیٹھی ہے - جو اس کا تصفیہ کرے گی - پس ہمارے ہم وطن بھائی ہندو بھی ہماری کمیٹی کے ممنون احسان ہیں - علاوہ اس کے سب سے بڑا فائدہ ہماری کوششوں کا یہ ہوا ہے کہ گورنمنٹ نے تمام علوم و فنون کی کتابوں کا جن کی فہرست ہم نے مشتہر کی تھی دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ہے اور امید ہے کہ ہمارا ملک آئندہ نسلوں تک ان کوششوں کے فائدوں کو یاد رکھے گا -

---

اختتام سال ۱۲۹۰ هجری

و

شروع سال ۱۲۹۱ هجری

("تہذیب الاخلاق" جلد ۵ بابت یکم محرم الحرام، ۱۲۹۱ھ
صفحہ ۲ تا ۴)

از بندہ خضوع و التجا می زیبد
بخشایش بندہ از خدا می زیبد
گر من کنم آن کہ آن مرا نا زیبا است
تو کن ہمہ آن کہ آن ترا می زیبد

الحمد للہ کہ سنہ نوے پورا ہوا اور سنہ اکیانوے شروع ہوگیا - ہمارے اس پرچہ کو جاری ہوئے سوا تین برس ہوگئے - پچھلا سال بھی خندۂ گل و نالۂ بلبل سے خالی نہیں گیا - ہمارے آہ و نالہ نے بہ دستور غلغلہ رکھا اور ہمارے ناصحانِ شفیق کا بھی شور و ضعف کم نہ ہوا -

حسن شہرت عشق رسوائی تقاضا میکند
جرم معشوق و گناہ عاشق بے چارہ نیست

ناصحان شفیق نے ہم کو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ - آخرکار ہم کو کافر و ملحد ٹھہرا ہی دیا - دور و نزدیک کے مولوی صاحبوں سے کفر کے فتووں پر مہریں چھپوا ہی منگوائیں اور ہمارے کفر پر ہمارے ناصحِ شفیق جناب مولوی حاجی سید

امدادالعلی صاحب نے ایک رسالہ چھاپ ھی دیا اور ''امدادالآفاق'' اُس کا نام رکھا ۔ بھلا اور کچھ ھوا یا نہ ھوا ۔ بے چارے غریب چھاپے والے کو تو فائدہ ھوگیا ۔

اسی سال میں ھماری تحریرات کی تردید میں مولانا علی بخش خاں بہادر نے (جو اُمید ھے کہ اب تک حاجی بھی ھوگئے ھوں گے اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ سے اُن کو بھی حاجی لکھا کریں گے) دو رسالے تحریر فرمائے ھیں جن میں سے ایک کا نام ''شہاب ثاقب'' ھے اور دوسرے کا نام ''تائیدالاسلام'' ۔

اخباروں میں ''نور الانوار'' تو اپنا نور عالم میں برساتا ھی تھا مگر اُس سے ایک اور پرچہ اُن کے گھر کا اوجالا مسمی بہ ''نور الآفاق لدفع ظلمۃ اھل النفاق'' پیدا ھوا ھے جو نہایت ھی دلچسپ ھے اور ھمارے اس پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کے جواب میں نکلا ھے اُس کے مضامین ظاھرا تو جناب حاجی مولوی سید امدادالعلی صاحب بہادر کے طبع زاد معلوم ھوتے ھیں مگر بعضے لوگ اُن مضامین کو لے پالک بتاتے ھیں ۔ بہ ھر حال ھم کو اس سے کیا کہ وہ میاں نذیر کے ھیں یا میاں بشیر کے ۔ کسی کے ھوں مگر دل چسپ ھیں ۔ خدا اُس کی بھی عمردراز کرے ۔

ھم نے بھی اپنے مضامین لکھنے اور قومی بھلائی کی کوشش میں کمی نہیں کی اگرچہ پچھلے سال میں کارروائی مدرسۃ العلوم مسلمانان کی اکثر چھپتی رھی الا مضامین دل نشین سے بھی یہ پرچہ خالی نہیں رھا ۔ ھمارے غم زدہ و دل شکستہ دوست مولوی سید مہدی علی کا لکچر مسلمانوں کی تہذیب پر جو اس سال کے پرچوں میں چھپا در حقیقت ایک ایسا کارنامہ ھے جس کی قدر وھی لوگ جانتے ھیں جو اُس کی قدر جانتے ھیں ۔ ھمارے ھم عصر

اڈیٹر اودھ اخبار نے اُس کی ویسی ہی قدر دانی کی ہے جس کا وہ مستحق ہے ۔ ہم کو نہایت فخر ہے کہ ایسا عالی مضمون ہمارے اس ناچیز پرچے کے ذریعے سے مشتہر ہوا جو ہماری قوم کی اگلی حالت کو یاد دلاتا ہے اور پچھلی حالت بتا کر شرمندہ کرتا ہے اور پھر آئندہ کی بہتری کی توقع سے دل و جان کو تقویت دیتا ہے ۔

بڑی مبارکی اس سال میں ہمارے پرچے کو یہ ہوئی ہے کہ جناب مولوی چراغ علی صاحب نے بھی اس میں مضمون لکھنے شروع کیے ہیں ۔ ایک آدھ مضمون اُن کا پچھلے سال میں چھپا ہے اور آئندہ اور بہت سے عمدہ مضامین کے چھپنے کی توقع ہے ۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری تحریروں کے سمجھنے میں جو کبھی کبھی نسبت مسائل مذہبی لکھی جاتی ہیں اکثر لوگ غلطی کرتے ہیں ۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ہمارے اصول کیا ہیں اور کن اصولوں پر ہماری تحریریں مبنی ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سال کے شروع میں ہم اپنے اُن اصول کو لکھ دیں تاکہ لوگ اُن اصول کی صحت و سقم پر غور کریں اگر وہ اصول صحیح ہیں تو اُمید ہے کہ جو تحریریں اُن پر متفرع ہیں اُن میں بھی کچھ غلطی نہ ہوگی ۔ با ایں ہمہ یہ مقولہ نہایت صحیح ہے ۔

که هیچ نفس بشر خالی از خطا نه بود

اور وہ اصول یہ ہیں :

اول ۔ خدائے واحد ذوالجلال ازلی و ابدی ، خالق و صانع تمام کائنات کا ہے ۔

دوم ۔ اُس کا کلام اور جس کو اُس نے رسالت پر مبعوث کیا اُس کا کلام ہرگز خلاف حقیقت اور خلاف واقع نہیں ہو سکتا ۔

سوم ۔ قرآن مجید بلا شبہ کلام الٰہی ہے ۔ کوئی حرف اُس کا نہ خلاف حقیقت ہے اور نہ خلاف واقع ۔

چہارم ۔ قرآن مجید کی اگر کوئی آیت ہم کو بہ ظاہر خلاف واقع یا خلاف حقیقت معلوم ہو تو دو حال سے خالی نہیں یا تو اُس آیت کا مطلب سمجھنے میں ہم سے غلطی ہوئی ہے یا جس کو ہم نے حقیقت اور واقع سمجھا ہے اُس میں غلطی کی ہے ۔ اس کے برخلاف کسی مفسر یا محدث کا قول ہمارے نزدیک قابل تسلیم نہیں ہے ۔

پنجم ۔ جس قدر کلام الٰہی جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا وہ سب بین الدفتین موجود ہے ایک حرف بھی اُس سے خارج نہیں ہے ۔ اس لیے کہ اگر ایسا مانا جاوے تو کوئی ایک آیت بھی قرآن مجید کی بہ طور یقین قابل عمل نہ ہوگی کیوں کہ ممکن ہے کہ کوئی ایسی آیت خارج رہ گئی ہو جو آیات موجودہ بین الدفتین کے بر خلاف ہو ۔

نہ ملنا کسی ایسی آیت کا اُس کے عدم وجود کی دلیل نہ ہو سکے گا ۔

ششم ۔ کوئی انسان سوائے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسا نہیں ہے جس کا قول و فعل بلا سند صحیح قول و فعل رسولؐ کے دینیات میں قابل تسلیم ہو یا جس کی عدم تسلیم سے کفر لازم آتا ہو ۔ اس کے بر خلاف اعتقاد رکھنا شرک فی النبوت ہے ۔

مقصود یہ ہے کہ جس طرح اُمت و پیغمبر میں تفاوت درجہ ہے اسی طرح اُن کے قول و فعل میں بھی جو دینیات سے متعلق ہیں درجہ و رتبہ کا تفاوت ہے ۔

ہفتم ۔ دینیات میں سنت نبوی علٰی صاحبہا الصلواۃ و السلام

کی اطاعت میں ہم مجبور ہیں اور دنیاوی امور میں مجاز ۔

اس مقام پر سنت کے لفظ سے میری مراد احکام دین ہے ۔

ہشتم ۔ احکام منصوصہ احکام دین بالیقین ہیں اور باقی مسائل اجتہادی اور قیاسی اور وہ جن کی بنا امر ظنی پر ہے سب ظنی ہیں ۔

نہم ۔ انسان خارج از طاقت انسانی مکلف نہیں ہو سکتا ۔ پس اگر وہ ایمان پر مکلف ہے تو ضرور ہے کہ ایمان اور اُس کے وہ احکام جن پر نجات منحصر ہے عقل انسانی سے خارج نہ ہوں ۔

مثلاً ہم خدا کے ہونے پر ایمان لانے کے مکلف ہیں مگر اُس کی ماہیت ذات کے جاننے پر مکلف نہیں ۔

دہم ۔ افعال ماموره فی نفسہ حسن ہیں اور افعال ممنوعہ فی نفسہ قبیح ہیں اور پیغمبر صرف اُن کی خواص حسن یا قبح کے بتانے والے ہیں جیسا کہ طب جو ادویہ کے ضرر اور نفع سے مطلع کر دے ۔

اس مقام پر لفظ افعال کو ایسا عام تصور کرنا چاہیے جو افعال جوارح اور افعال قلب وغیرہ سب پر شامل ہو ۔

یازدہم ۔ تمام احکام مذہب اسلام کے فطرت کے مطابق ہیں اگر یہ نہ ہو تو اندھے کے حق میں نہ دیکھنا اور سوجاکے کے حق میں دیکھنا گناہ ٹھہر سکے گا ۔

دوازدہم ۔ وہ قویٰ جو خدا تعالیٰ نے انسان میں پیدا کیے ہیں اُن میں وہ قویٰ بھی جو انسان کے کسی فعل کے ارتکاب کے محرک ہوتے ہیں اور وہ قوت بھی ہے جو اُس فعل کے ارتکاب سے روکتی ہے ان تمام قویٰ کے استعمال پر انسان مختار ہے مگر ازل سے خدا کے علم میں ہے کہ فلاں انسان کن کن قویٰ کو اور کس کس طور پر کام میں لاوے گا ۔ اُس کے علم کے برخلاف ہرگز

نہ ہوگا مگر اس سے انسان اُن قویٰ کے استعمال یا ترک استعمال پر جب تک کہ وہ قویٰ قابل استعمال کے اُس میں ہیں مجبور نہیں متصور ہو سکتا -

سیزدھم - دین اسلام اُن مجموع احکام کا نام ہے جو یقینی من اللہ ہیں -

چہاردھم - احکام دین اسلام دو قسم کے ہیں : ایک وہ جو اصلی احکام دین کے ہیں اور وہ بالکل فطرت کے مطابق ہیں ، دوسرے وہ جن سے اُن اصلی احکام کی حفاظت مقصود ہے مگر اطاعت اور عمل میں اُن دونوں کا رتبہ برابر ہے -

پانزدھم - تمام افعال اور اقوال رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل سچائی تھے مصلحت وقت کی نسبت رسول کی طرف کرنی سخت بے ادبی ہے جس میں خوف کفر ہے -

مصلحت وقت سے میری مراد وہ ہے جو عام لوگوں نے مصلحت کے معنی سمجھے ہیں کہ دل میں کچھ اور کہنا یا کرنا ، یعنی ایسے قول یا فعل کو کام میں لانا جو درحقیقت بے جا تھا مگر بندۂ وقت بن کر اُس کو کہہ دیا یا کر لیا -

ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ اصول پانزدہ‌گانہ ایسے ہیں کہ جن سے کوئی مسلمان انکار اور اختلاف نہیں کر سکتا اور جب وہ لوگ جو ہم سے اختلاف رائے رکھتے ہیں ان اصولوں پر غور کریں گے اور یہ بھی سمجھیں گے کہ ہماری تحریریں ایسے سچے اصولوں پر مبنی ہیں تو کیا عجب ہے کہ وہ بھی ہم سے متفق ہو جاویں -

تہذیب قومی

اصلی مقصود تو ہمارے اس پرچہ کا تہذیب قومی ہے - مسائل مذہبی کی بحث بہ مجبوری آ جاتی ہے - اس سال میں بھی

جہاں تک ہو سکا ایسے مضامین جو قومی تہذیب سے علاقہ رکھتے ہیں اس پرچہ میں لکھے گئے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ اُن مضمونوں نے کسی کے دل پر اثر بھی کیا ہو مگر ہم کو بہ نسبت اس کے کہ ہمارے مضمونوں نے کسی دل کو نرم کیا ہے اس بات سے زیادہ خوشی ہے کہ ہم اپنے فرض کو ادا کرتے ہیں اور یہی ہمارا مقصد ہونا چاہیے کیوں کہ بندہ کا کام صرف سعی کرنا ہے اور اُس کو پورا کرنا اور اثر دینا خدا کا کام ہے السعی منی و الا تمام من اللہ تعالیٰ ایک مشہور مقولہ ہے پس شکر ہے کہ جہاں تک ممکن ہے ہم اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔

مگر نہایت افسوس ہے کہ ہماری قوم ایسے جہل مرکب میں گرفتار ہے کہ اُس کو اپنا بھلا یا برا مطلق نہیں سوجھتا۔ جو بات قومی بھلائی کی کہو اُس کو اُلٹا سمجھتے ہیں قومی بھلائی پر کوشش کرنے والے خیال کرتے ہیں کہ تقدیر پلٹ گئی ہے، ادبار چھا رہا ہے، بھلائی کی بات کیوں کر خیال میں آ سکتی ہے مگر توقع نہیں توڑتے، خدا کی رحمت سے ناامید نہیں ہوتے۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ پر بھروسا کر کر کوشش کیے جاتے ہیں۔

انھی دو تین ہفتوں میں پایونیر نے ایک نہایت عمدہ آرٹیکل میں ایک مضمون قریب قریب اس مضمون کے لکھا تھا کہ قومی باتیں جب ہی ترقی پر ہو سکتی ہیں جب کہ قوم میں قومیت کی شرطیں بھی موجود ہوں۔ یعنی

۱۔ عام لوگوں میں وہ قوت موجود ہو جس سے کسی عمدہ بات کی قدر کی جاتی ہے۔

۲۔ آپس کے میل جول میں آزادی اور ہم سری ہو۔

۳- خیال سب کے آزاد ہوں ۔

۴- اور سب سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ بہت سے ایسے دل موجود ہوں جن سے اُس ترقی اور ایجاد کرنے والی قوت کے جواب میں جو زمانے کی تاثیر سے پیدا ہوتی ہے صدا نکلے ۔

ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہماری قوم میں نہیں ہے ، پس ترقی ہو تو کیوں کر ہو مگر خدا سے اُمید ہے کہ کوئی زمانہ ایسا آوے گا جو لوگ ان باتوں کو سمجھیں گے اور اپنی قوم کو قوم بناویں گے اور اُس کی بہتری و ترقی میں کوشش کریں گے ۔

مدرسة العلوم

ان سب باتوں کو قوم میں پیدا کرنے والا ہماری دانست میں مدرسة العلوم ہوگا جس کے قائم کرنے پر نہایت دل سے کوشش ہو رہی ہے ۔

ہم کو اس بات کے کہنے سے نہایت خوشی ہے کہ بہت سے دل رفتہ رفتہ مدرسة العلوم مسلمانان کی طرف مائل ہوتے جاتے ہیں اور ہر ایک کے دل میں یہ خیال کہ ایسے مدرسة العلوم کی بلا شبہ نہایت ضرورت ہے ، پیدا ہوتا جاتا ہے ۔ جن بزرگوں کو ہمارے ذاتی افعال و اقوال کے سبب مدرسة العلوم سے نفرت تھی وہ بھی بر سر انصاف آتے جاتے ہیں اور اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ ہمارے ذاتی افعال و اقوال کو مدرسة العلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے ۔ کیا عجب ہے کہ کسی دن ہماری قسمت ایسی بھی یاور ہو جاوے کہ جناب مولوی حاجی سید امدادالعلی صاحب بھی ہماری شامت اعمال سے قطع نظر فرما کر مدرسة العلوم مسلمانان کے حامی اور سرپرست بن جاویں ۔ آمین ۔

ہماری ان کوششوں نے ہمارے ہم وطن بھائی اہل ہنود کے دل میں بھی بہت بڑا اثر کیا ہے باوجودے کہ سرکاری مدارس اُن کی تعلیم کے لیے نا مناسب نہیں ہیں اس پر بھی اُن کو اپنی پاک زبان اور مقدس کتابوں کے چرچے کا دل میں شوق اُٹھا ہے اور وہ بھی مثل ہمارے مدرسۃ العلوم کے ایک قومی مدرسہ جاری کرنے پر آمادہ و مستعد ہوئے ہیں۔ جا بجا نہایت سرگرمی اور بڑی کامیابی سے چندہ جاری ہے۔ ہم سنتے ہیں کہ جس قدر چندہ ہم نے ایک سال میں ہزاروں محنتوں سے جمع کیا ہے اُنھوں نے اس سے زیادہ ایک مہینے میں اکٹھا کر لیا ہے۔ ہماری نہایت خوشی ہے کہ ہندوستان کی دونوں قومیں ساتھ ساتھ ترقی کرتی جاویں۔ ہمارے ہم وطن ہندو صاحبوں کی کامیابی میں ہم کو شبہ نہیں ہے۔ وہ ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں، ہم سے دور اندیش زیادہ ہیں، ہم سے دولت مند زیادہ ہیں، ہماری مانند پُر فساد نہیں ہیں، مثل ہمارے حسد و بغض و تعصب نہیں رکھتے۔ اتفاق قومی اُن میں ہے۔ ہندوستان میں اُن کی قوم کے بڑے سردار و والیان ملک موجود ہیں۔ ہماری قوم کے اول تو سردار ہی کم ہیں اور جو ہیں وہ کچھ پرواہ تک نہیں کرتے۔ گویا ہندوؤں کے مربی و سرپرست زندہ و سلامت ہیں اور ہمارے مربی و سرپرست دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ وہ با سر ہیں اور ہم بے سر۔ پس اُن کی کامیابی میں کچھ شبہ نہیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ ہم کو اپنی کامیابی میں شبہ ہے۔ ہاں اگر ہماری قوم کو بھی غیرت آوے اور خدا اُن کے دل کو سیدھا کرے اور پُر فساد خیالات کو اُن کے دماغ سے نکالے اور قومی ہم دردی اُن کے دل میں ڈالے تو ہم کو بھی اپنی کام یابی میں کچھ شبہ نہیں ہے۔

اے برادران دینی۔ اب یہ وقت نہیں ہے کہ ہم آپس کی

تکرار و فساد میں پڑیں تُو تَو مَیں مَیں کر کر کسی کو کافر اور کسی کو ملحد بناویں اور کم و بیش جو کوشش و سعی که هم سے هو سکتی هے اس کو بهی آپس کے اختلافوں سے بے کار کر دیں - پس امید هے که هماری قوم میری اس صدا کو توجه سے سنے گی اور مدرسةالعلوم کی امداد میں دل و جان سے سعی و کوشش کرے گی - و الله المستعان -

---

اختتام سال ۱۲۹۱ ہجری
و
شروع سال ۱۲۹۲ ہجری

("تہذیب الاخلاق" جلد ششم ، بابت یکم محرم ، ۱۲۹۲ھ
صفحہ ۲ تا ۱۲)

سوا چار برس بہ خیریت گزر گئے ۔ اب پھر نیا سال شروع ہوا ۔ گذشتہ برسوں میں جو کچھ ہنگامے ہوئے تھے ہو لیے ۔ اب دم باقی رہ گئی ہے ۔ چاند کی بڑھیا کی کہانی ہے کہ ہاتھی نکل گیا پر دم باقی ہے ۔ آج اگر ہم اپنی قسمت پر فخر کریں تو بھی بجا ہے اور اگر اپنی قوم کے اقبال کی فصل بہار کی آمد آمد کی خوشیاں منائیں تو بھی زیبا ہے ۔ جو کچھ کہ اس سوا چار برس میں ہوا کیا ایسے قلیل زمانے میں اس کے ہونے کی ہم کو توقع تھی ؟ توبہ ، توبہ ، کیا ہم کو ایسا جلد ان نا چیز پرچوں سے اپنی قوم کو جگانے اور اٹھانے کی جو مدت دراز سے غفلت کے تاریک گڑھے میں پڑی ہوئی بے خبر سو رہی تھی توقع تھی ، استغفر اللہ ۔

وہ عید کا مبارک دن ۔ یعنی یکم شوال ، ۱۳۰۱ نبوی اور ۱۲۸۷ ہجری جب کہ ہمارا پہلا پرچہ نکلا ۔ امید ہے کہ ہماری قوم کی تاریخ میں کبھی بھولا نہ جاوے گا ۔ ہماری قوم کی جو کچھ بد اقبالی تھی وہ یہی تھی کہ کچھ نہ تھے اور جانتے تھے کہ ہم سب کچھ ہیں ۔ اس غفلت کے داروئے بے ہوشی نے

اُن کے کانوں کو بہرا کر دیا تھا ، ان کی آنکھوں کو پتھرا دیا تھا ، دل پتھر ہوگئے تھے ، دماغ قابو میں نہیں رہا تھا ، ھاتھ پاؤں سست ھوگئے تھے ، زندہ تھے پر مُردوں سے بد تر تھے ۔ اُٹھتے ، بیٹھتے ، چلتے ، پھرتے تھے ، پر کچھ نہ کرتے تھے ۔ اسی تھوڑے عرصہ میں وہ حالت بہت کچھ بدل گئی ۔ کچھ لوگ بہ خوبی ھوشیار ھوگئے ۔ وہ سمجھے کہ ھماری کیا حالت ھے اور ھم پر کیا مصیبت ھے ۔ لبوں پر جان ھے ، پھر اگر جان نہیں تو جہان نہیں ، کچھ لوگ ھوشیار ھوئے ، پر ابھی آنکھیں ملتے ھیں ۔

بہت سونے اور اندھیرے میں پڑے رھنے سے آنکھوں میں چیپڑ جا ھوا ھے ۔ کچھ کھلتی ھیں مگر روشنی سے چوندھیا جاتی ھیں ۔ کچھ لوگ ابھی تک نیند کے خمار میں ھیں ۔ کچھ حرکت تو اُن میں آئی ھے مگر ابھی انگڑائی لے کر اور کروٹ بدل کر پھر غافل ھو جاتے ھیں ۔ جب پھر جھنجوڑو تو ھاں ، اچھا کہہ کر دوسری کروٹ لیتے ھیں اور پھر غافل ھو جاتے ھیں ۔ کچھ لوگ ایسے ھیں کہ ابھی بہ دستور غافل پڑے سوتے ھیں اور کچھ ایسے ھیں کہ ھوشیار ھوئے ھیں مگر بد مزاجی اور تند خوئی سے ضد میں آ کر کمبل تانے پڑے ھیں اور کہتے ھیں کہ ھاں ھم نہیں اُٹھنے کے ۔ تمھارا کیا چارہ ھے ۔ ھم یوں ھی پڑے رھیں گے ۔ بعضے اُن میں سے اپنے پاس والوں کو کہتے ھیں کہ تم بھی پڑے رھو مت اُٹھو ۔ سید احمد کون ھے جو جگاتا پھرتا ھے ۔ ھم اسی بات کو سن کر خوش ھوتے ھیں اور دور ھی سے کھڑے کہتے ھیں کہ وہ اُٹھے ، وہ کلبلائے ، خدا نے چاھا تو اب سمجھ دار بھی ھو جاویں گے ۔ یہی رست و خیز ھماری قوم کے اقبال کی نشانی ھے ۔ پتھر پسیجا تو سہی ۔ اب

کسی نہ کسی طرف بہ نکلے گا - لوھا پگلا تو سہی ، اب کچھ نہ کچھ ڈھل رہے گا - بند پانی سے بہ جز سڑ جانے کے اور کچھ نہیں ھوتا - پانی کو بہنا چاھیے ، پھر کوئی نہ کوئی اپنا رستہ بنا لے گا - اس وقت ھماری ساری قوم میں اس بات کا غلغلہ ھے کہ ھماری حالت اچھی نہیں - قوم کے لیے کچھ کرنا چاھیے - کیا یہ صدا اُن لوگوں کے دلوں میں جو قومی بھلائی چاھنے والے ھیں جان نہیں ڈال دیتی ھے ؟ سویلزیشن جس کے نام سے لوگوں کو نفرت تھی کیا اب اُس کا چرچا ھر گلی کوچہ میں نہیں ھے - کیا نیچر کا قافیہ کیچڑ کہتے ھوئے اب لوگوں کو شرم نہیں آتی ھے (معاف کیجیے اُن ضدی سونے والوں کا ذکر نہیں ھے) کیا قومی ھم دردی کی کسی نہ کسی قدر تحریک اب ھر ایک کے دل میں نہیں ھے - کیا چاردانگ ھندوستان کے اخباروں میں تہذیب ، تہذیب، سویلزیشن، سویلزیشن، قومی ھم‌دردی، پیٹریاٹزم، پیٹریاٹزم کا غلغلہ نہیں ھے - کوئی اخبار اُٹھاؤ اُس میں سے کسی نہ کسی پر کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا آرٹیکل دیکھ لو - جس گلی کوچہ میں جاؤ سید احمد کے ''تہذیب الاخلاق'' کا جھگڑا سن لو - مکہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ ، مدینہ میں جاؤ تو سید احمد کو پاؤ ، برا کہو خواہ بھلا کہو - مگر ھم دعا گوؤں کو مت بھولو -

قطع کیجیے نہ تعلق ھم سے
کچھ نہیں ھے تو عداوت ھی سہی

یہ ولولہ اور غلغلہ اور ھر ایک بات کا چرچا در اصل ھماری قوم کی بھلائی کی نشانی ھے اس پر ھم کو ذرا بھی خیال نہیں ھے کہ کسی کی کیا رائے ھے اور کسی کی کیا - کیوں کہ جو بات ٹھیک نہیں ھے وہ آج نہیں کل ، کل نہیں پرسوں سب کو

معلوم ہو جاوے گی اور سب اُسی پر یقین کریں گے اور اُسی پر متفق ہوں گے - ضرور ایک دن وہ آوے گا جو قوم کہے گی کہ ہاں سید بھی کوئی دیوانہ تھا - پر بات ٹھکانے کی کہتا تھا - اگر ہمارا یہ خیال صحیح ہوا اور در حقیقت ہماری قوم میں ایسی تحریک آگئی ہو - تو ہمارے اس ناچیز پرچے نے اپنا کام پورا کر لیا اور اُس کی مراد پوری ہوگئی - والحمد للہ علی ذالک -

مگر ہمارے بعض محب وطن جو دل سے اپنی قوم کی بھلائی اور قومی ترقی چاہتے ہیں کبھی غلطی میں پڑ جاتے ہیں - جب کبھی ان کو کسی سویلزڈ یعنی مہذب و تربیت یافتہ شائستہ قوم میں سے کسی کی کوئی وحشیانہ حرکت معلوم ہوتی ہے تو اُس کو بہت طمطراق سے بیان کرتے اور لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب اُس قوم میں بھی ایسی وحشیانہ حرکتیں ہوتی ہیں تو ہماری قوم کو کیوں برا کہا جاتا ہے - مگر اُن کو سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم کسی دوسرے کی آنکھ کی پھلّی کو ٹوکیں تو اُس سے ہماری آنکھ کا ٹینٹ نہیں چھپتا - ہم کو اپنی آنکھ کے ٹینٹ کا علاج کرنا چاہیے - دوسرے کی آنکھ میں پھلّی ہو یا نہ ہو - با ایں ہمہ وہ لوگ اس باب میں ذرا انصافانہ بھی نظر نہیں کرتے - قوم کی محبت انصاف کو چھپا دیتی ہے - جس قوم کے کسی شخص کی وحشیانہ حرکت کی ہم گرفت کرتے ہیں اُس وقت اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ اُس قوم میں خوبیاں کتنی ہیں - ہماری قوم میں وہ عیب تو ہیں اور وہ خوبیاں کسی میں نہیں - اصلی محبت اور سچی خیر خواہی قوم کی یہی ہے کہ اُس کے نقصانوں کو دیکھے اور اُن کے مٹانے کی فکر کرے - جو لوگ نہایت ہم دردی اور قومی محبت سے اپنی قوم کے عیبوں اور

نقصانوں سے مطلع کرتے ھیں اُن کا دل اپنی قوم کی حالت پر
بہ نسبت اُن کے جو قوم کی طرف داری کرتے ھیں اور اُس کے
عیبوں کو چھپاتے ھیں بہت زیادہ جلتا ھے اور حقیقت میں وھی
لوگ محب وطن و محب قوم ھیں ۔ و ذالک فضل اللہ یوتیہ
من یشاء ۔

ترقیِ علمِ انشاء

جہاں تک ھم سے ھو سکا ھم نے اُردو زبان کے علم ادب
کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے سے کوشش کی ۔
مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا ۔
جہاں تک ھماری کج مج زبان نے یاری دی الفاظ کی درستی ،
بول چال کی صفائی پر کوشش کی ۔ رنگینی عبارت سے جو تشبیہات
اور استعارات خیالی سے بھری ھوتی ھے اور جس کی شوکت صرف
لفظوں ھی لفظوں میں رھتی ھے اور دل پر اُس کا کچھ اثر نہیں
ھوتا ۔ پرھیز کیا ، تُک بندی سے جو اس زمانہ میں مقفٰی عبارت
کہلاتی تھی ھاتھ اُٹھایا ، جہاں تک ھو سکا سادگی عبارت پر توجہ
کی ۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ھو وہ صرف مضمون کے
ادا میں ھو جو اپنے دل میں ھو وھی دوسرے کے دل میں پڑے
تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے ۔ ھم کچھ نہیں کہہ سکتے
کہ ھماری یہ کوشش کہاں تک کارگر ھوئی اور ھمارے ھم وطنوں
نے اُس کو کس قدر پسند کیا ۔ مگر اتنی بات ضرور دیکھتے ھیں
کہ لوگوں کے خیالات میں ضرور تبدیلی آگئی ھے اور اُس کی
طرف لوگ متوجہ بھی معلوم ھوتے ھیں ۔ اخباروں کی عبارتیں
نہایت عمدہ اور صاف ھوتی جاتی ھیں ۔ وہ پہلا نا پسند طریقہ ادائے
مضمون کا بالکل چھوٹتا جاتا ھے ۔ بھاری بھاری لفظوں اور

موٹے موٹے لغتوں، سے اُردو زبان کا خون نہیں کیا جاتا ۔ صفائی اور سادگی روز بروز عبارتوں میں بڑھتی جاتی ہے ۔ خیالات بھی بالکل بدلے ہوئے ہیں ۔ بہت کم اخبار ایسے ہوں گے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ و سلیس عبارت میں کسی نہ کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو ۔ صرف اس بات کی کمی ہے کہ وہ سامان ہمارے پاس موجود نہیں ہے جس سے ہمارے معلومات زیادہ ہوں اور ہمارے خیالات کو وسعت ہو ۔ جو مضمون ہم لکھنا چاہیں اُن کے ماخذ اور اُن کے حالات اور جو بحثیں کہ اُن پر ہو چکی ہیں اور جو امور ان کی نسبت متحقق ہو چکے ہیں اُن سے آگاہی ہو اور یہی سبب ہے کہ بعضی دفعہ ہماری قوم کے آرٹیکلوں میں غلطی ہو جاتی ہے اور جن امور کا تصفیہ ہو چکا ہے اُنھی کو پھر کہے جاتے ہیں ۔ یہ نقص اُسی وقت رفع ہوگا جب کہ انواع اقسام علوم و فنون کی کتابیں ہماری زبان میں موجود ہو جاویں گی اور ہماری قوم کو عموماً اُن پر دسترس ہوگی ۔ سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ نے اس کام کے پورا کرنے کا ارادہ کیا تھا ۔ مگر افسوس ہے کہ قوم کو اس طرف توجہ نہیں ہے اور اسی سبب سے اُس کا کام اُدھورا پڑا ہے ۔

نئی اُردو نے درحقیقت ہماری ملکی زبان میں جان ڈال دی ہے ۔ میر و درد و ظفر نے اُردو اشعار میں جو کچھ سحر بیانی کی ہو، کی ہو ۔ میر مومن دھلوی نے کوئی کہانی شستہ بول چال میں کہہ دی ہو، کہہ دی ہو ۔ جو اُس سے زیادہ فصیح و دل چسپ و با محاورہ نہ ہوگی جو ایک پوپلی بڑھیا بچوں کے سلاتے وقت اُن کو کہانی سناتی ہے ۔ مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اُردو زبان میں نہ تھی ۔ یہ اسی زمانہ میں پیدا

ہوئی اور ابھی نہایت بچپن کی حالت میں ہے ۔ اگر ہماری قوم اس پر متوجہ رہے گی اور ایشیائی خیالات کو نہ ملائے گی ۔ جو اب حد سے زیادہ اجیرن ہوگئے ہیں تو چند روز میں ہماری ملکی تحریریں بھی میکالی و اڈیسن کی سی ہو جاویں گی ۔

بعض لوگوں کو شکایت ہے کہ جو لوگ اس زمانے میں اردو لکھتے ہیں وہ انگریزی لفظ اپنی تحریروں میں ملاتے ہیں مگر اُن کو غور کرنا چاہیے کہ زندہ زبان میں ہمیشہ نئے نئے لفظ ملتے اور بنتے ہیں اور جب کوئی زبان محدود ہو جاتی ہے مردہ کہلاتی ہے ۔ غیر زبان کے الفاظ کو اپنا کر لینا اہل زبان کا کام ہے مگر اُن کا ملا لینا آسان کام نہیں ۔ اہل زبان غیر زبان کے لفظ کو ایسی عمدگی سے ملا لیتے ہیں جیسے تاج گنج کے روضہ میں سنگ مرمر پر عقیق و یاقوت و زمرد کی پچی کاری ہے ۔ بے شک وہ دوسرا پتھر ہے ۔ مگر ایسا وصل ہوا ہے کہ غور سے دیکھنے پر بھی اوپر سے جڑا ہوا نہیں معلوم ہوتا ۔ اُسی میں سے پیدا ہوا معلوم ہوتا ہے ۔ یہ بات اہل زبان کے سوا دوسرے سے نہیں ہو سکتی اور نہ سب اہل زبان سے ۔ بلکہ صرف اُس سے جسے خدا نے ایسا ملکہ دیا ہو ۔

یہ بات بھی غور کرنی چاہیے کہ اہل زبان کو دوسری زبان کے لے لینے کی کیوں ضرورت پڑتی ہے ۔ اس کے متعدد اسباب ہوتے ہیں ۔ ایک مورخ جو کسی کی تاریخ لکھتا ہے اُس کو ضرور ہوتا ہے کہ اُس ملک کے تاریخی الفاظ یعنی جو تاریخ سے متعلق ہیں اور ملکوں کی تقسیم اور مناسب اُسی ملک کی زبان میں قائم رکھے ، کیوں کہ اگر اُن کے لیے اپنی زبان کے الفاظ اور اصطلاح بدل دے تو وہ تاریخ نہایت نکمّی اور غیر مفید ہو جاوے گی ۔ ٹونس میں جو تاریخیں غیر ملکوں کی عربی زبان

میں ترجمہ نہیں تصنیف ہوئی ہیں۔ اُن کو دیکھو کہ کس قدر غیر زبان کے الفاظ معرب و غیر معرب اُن میں شامل ہیں۔ عربی اخبار ''الجوائب'' کو دیکھو اُس کا کیا حال ہے ۔ قرآن مجید کو پڑھو اور دیکھو اُس میں کس قدر الفاظ دوسری زبانوں کے داخل ہیں۔ اگر عربی زبان کے علم ادب اور علوم و فنون میں الفاظ جدیدہ شامل ہونے بند ہو جاتے تو وہ زبان بھی مثل عربی و سنسکرت و ژند کے مردہ زبان ہو جاتی ۔

علوم و فنون پر کتابیں لکھنے والا بعضی دفعہ مجبور ہوتا ہے کہ جس زبان سے اُس علم کو لیا ہے اُسی زبان کے بعض الفاظ اور مصطلحات بدستور قائم رکھے ۔ دیکھو یونانی زبان سے جو علم طب عربی میں ترجمہ ہوا کس قدر یونانی الفاظ اُس میں شامل ہیں ۔ اگر کسی کو لیٹرغس نہ ہو تو ضرور اس کو تسلیم کرے گا ۔ عربی زبان سے کمسٹری انگریزی میں گئی ۔ آج تک بہت سے عربی لفظ انگریزی زبان کی کمسٹری میں شامل ہیں ۔

پوچھو کہ اس مقام پر میں نے کیوں لفظ کمسٹری بولا ۔ اور کیمیا کا لفظ جس سے خود انگریزوں نے لفظ کمسٹری بنایا ہے کیوں نہ بولا ۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہم لوگوں میں کیمیا کے لفظ کے ساتھ چاندی ، سونا بنانے کا خیال پیدا ہوتا ہے جو ایک محض غلط خیال ہے ۔ اب وہ شخص جو اپنی قوم کی ہم دردی رکھتا ہے اور اُن غلط خیالات کو مٹانا چاہتا ہے کسی جگہ کمسٹری اور کسی جگہ کیمیا کا لفظ بول جاتا ہے تاکہ کمسٹری کا لفظ اُس غلط خیال کو نہ آنے دے اور کیمیا کا لفظ کمسٹری اور کیمیا کے ایک ہونے کا خیال پیدا کرے ۔

لٹریچر یعنی علم ادب اہلِ زبان کے لیے نہایت وسیع جولان گاہ ہے ۔ اُس میں وہ اپنی طبیعت کا زور دکھلاتا ہے ۔

اُسی کے ذریعے سے وہ اپنے دل کی بات دوسرے کے دل میں ڈالتا ہے ، اپنی شستہ تقریر اور مناسب مناسب الفاظ سے لوگوں کے دلوں کو جس بات پر چاھتا ہے اُبھارتا ہے ۔ اُنھی لفظوں سے کبھی ھنسا دیتا ہے اور کبھی رولا دیتا ہے ۔ پرانے دقیانوسی خیالوں کو مٹاتا ہے اور نئے نئے خیالات دلوں میں ڈالتا ہے ۔ کبھی واحد کے بدلے جمع اور جمع کے بدلے واحد کے صیغے بولتا ہے ۔ کبھی حاضر کو غائب اور غائب کو حاضر کہہ دیتا ہے ۔ کبھی ترکیب جملہ کی دوسری زبان کی ترکیب پر گھڑ دیتا ہے اور اس سب میں ایک لطف اور قسم کا مزا رکھتا جاتا ہے ۔ اگر وھی چال وہ چلے جو اھلِ زبان نہیں ہے تو سینکڑوں ٹھوکریں کھاتا ہے ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اھل زبان جو کہے سو صحیح ہے اور غیر اھل زبان وہ چال چلے تو غلط ہے ۔ نہیں درحقیقت اُس کا کہنا صحیح اور اس کا بولنا غلط ھوتا ہے اور اھلِ زبان ھی اُس میں تمیز کر سکتا ہے ۔

دوسری زبان کے لفظوں کو اپنی زبان میں بولنا کبھی عبارت کا لطف بڑھانے کے لیے ھوتا ہے کبھی اپنی زبان کو وسعت دینا اور نئے لفظوں کو اُس میں داخل کرنا مقصود ھوتا ہے ۔ کبھی سامعین کو مطلب کی طرف زیادہ متوجہ کرنے کے لیے بولا جاتا ہے ۔ کبھی اُس مطلب کی عظمت جتانے کو کہا جاتا ہے جو عظمت اس مرادف لفظ سے جو اس زبان میں مستعمل ہے دل میں نہیں بیٹھتی ۔ مثلاً بعضے اھلِ زبان اپنی تحریر و تقریر میں مناسب موقع پر جس کی مناسبت کو اھل زبان ھی جان سکتے ھیں جنٹلمین کا لفظ بولتے ھیں ۔ اگر وہ اس کی جگہ شریف یا شریفوں کا لفظ بولیں تو اس لفظ یا مطلب کی عظمت خاک میں مل جاتی ہے ۔ اس لیے کہ ھماری زبان اور عام استعمال میں لفظ شریف کا ذلیل ھوگیا ہے ۔

اُس سے بہ جز اس خیال کے کہ اُس کی حسب و نسب میں کچھ نقصان نہیں ھے ۔ شیخ ، سید ، مغل ، پٹھان ھے اور کوئی خیال پیدا نہیں ھوتا مگر اُس لفظ کے بولنے والا اُس خیال سے زیادہ تر وسیع اور اعلیٰ خیال دل میں بٹھانا چاھتا ھے ۔ وہ اس لفظ سے ایسا شخص بتانا چاھتا ھے جو رذیل آدمیوں کی بہ نسبت خاندان میں ، تعلیم میں ، حیثیت میں ، اطوار میں افضل ھو ۔ اُس کی تعلیم و تربیت ، اُس کا چال چلن اچھا ھو ، نیک اور خوش اخلاق ھو ، وہ ھر بات میں جو اُس سے متعلق ھو حلیم ھو ، چال چلن میں ، حوصلہ و مزاج میں ، خواھش اور ارادہ میں سلیم ھو ، ایسا ھونا تعلیم سے شروع ھوتا ھے اور پڑھے کو گنّا اور نیک صحبت میں بیٹھنا اُس کو پورا کرتا ہے اگرچہ شریف کے بھی یہی معنی ھونے چاھئیں مگر جو کہ اُس کا استعمال ایک خاص بات پر ھوگیا ھے تو یہ پورا پورا خیال اُس لفظ سے دل میں نہیں آتا ۔ پس ایک محب قوم اھل زبان اُن خیالوں کو دل میں ڈالنے کے لیے اپنی زبان کو وسعت دیتا ھے اور دوسری زبان کا نیا لفظ اپنی زبان میں ملاتا ھے تاکہ نئے لفظ کے ساتھ نیا خیال دل میں پیدا ھو ۔ یہی حال اس قسم کے اور لفظوں کا ھے ۔ اگر ھم اُن سب کی تفصیل لکھیں تو ھمارا یہ آرٹیکل لغت یا اصطلاحات کی ایک کتاب ھو جاوے ۔ اسی نمونہ سے ھمارے ھم وطن خیال کر سکیں گے کہ ھماری قوم کو اپنی زبان کی نسبت بھی کیا کیا کرنا ھے اور ان لغو خیالات کو چھوڑیں گے کہ وہ شخص تو انگریزیت پر مرتا ھے ، انگریزی ھی لفظ بولتا ھے ، اپنی واقف کاری انگریزوں کی جتاتا ھے ، کیوں کہ کسی جنٹلمین کو ایسے ذلیل خیالات کسی جنٹلمین کی نسبت کرنے زیبا نہیں ۔

آردو نظم

هم نے جو نیچر کی بہت ھائے پکار کی تو اب آس کا قافیہ کیچڑ تو نہیں رھا - بلکہ شاعروں نے آس کی طرف توجہ کی - ھماری زبان کے علم ادب میں بہت بڑا نقصان یہ تھا کہ نظم پوری نہ تھی - شاعروں نے اپنی ھمت عاشقانہ غزلوں اور واسوختوں اور مدحیہ قصیدوں اور ھجر کے قطعوں اور قصہ و کہانی کی مثنویوں میں صرف کی تھی - ھم یہ نہیں کہتے کہ آن مضامین کو چھونا نہیں چاہیے تھا - نہیں وہ بھی نہایت عمدہ مضامین ھیں اور جودت طبع اور تلاش مضمون کے لیے نہایت مفید ھیں - مگر نقصان یہ تھا کہ ھماری زبان میں صرف یہی تھی - دوسرے دوسری قسم کے مضامین - جو درحقیقت وھی اصلی مضامین ھیں اور نیچر سے علاقہ رکھتے ھیں نہ تھے ، نظم کے اوزان بھی وھی معمولی تھے - ردیف و قافیہ کی پابندی گویا ذات شعر میں داخل تھی - رجز اور بے قافیہ شعر گوئی کا رواج ھی نہیں تھا اور اب بھی شروع نہیں ھوا - ان باتوں کے نہ ھونے سے حقیقت میں ھماری نظم صرف ناقص ھی نہ تھی بلکہ غیر مفید بھی تھی - مگر نہایت خوشی کا مقام ھے کہ زمانے نے اس کو بھی رفارم کیا اور اھل پنجاب اس نقص کے رفع کرنے پر متوجہ ھوئے - آردو زبان کے علم ادب کی تاریخ میں ۱۸۷۴ء کا وہ دن جب لاھور میں نیچرل پوئٹری کا مشاعرہ قائم ھوا ھمیشہ یاد رھے گا -

ھز آنر لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب اور مسٹر ھالرائڈ ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب نے اس مشاعرہ کے قائم ھونے پر بڑی توجہ کی ھے - جس کی شکر گزاری ھماری قوم پر واجب ھے - ھماری قوم کے لائق و فائق لوگوں نے بھی اس پر بہ خوبی توجہ کی ھے -

مولوی محمد حسین آزاد پروفیسر عربی گورنمنٹ کالج لاھور نے اس مشاعرہ کے بقاء اور قیام میں سب سے زیادہ ھمت مصروف کی ھے۔ اُن کی طبیعت کے زور اور پاکیزگی مضامین اور شوکت الفاظ اور طرز ادا سے ھم لوگ فائدہ اُٹھاتے ھیں۔ اُن کی مثنوی خواب امن جو آفتاب پنجاب میں چھپی ، ھمارے دلوں کو خواب غفلت سے جگاتی ھے۔ مولوی خواجہ الطاف حسین حالی اسسٹنٹ ٹرانسلیٹر محکمہ ڈائریکٹر پنجاب کی مثنویوں نے تو ھمارے دلوں کے حال کو بدل دیا ھے - اُن کی مثنوی حب الوطن اور مثنوی مناظرہ رحم و انصاف جو پنجابی اخبار میں چھپی ھیں درحقیقت ھمارے زمانے کے علم ادب میں ایک کارنامہ ھیں۔ اُن کی سادگی الفاظ صفائی بیان ، عمدگی خیال ھمارے دلوں کو بے اختیار کھینچتی ھے۔ وہ مثنویاں آب زلال سے زیادہ خوش گوار ھیں ، بیان میں ، زبان میں ، آمد میں ، الفاظ کی ترکیب میں ، سادگی و صفائی میں ایسی عمدہ ھیں کہ دل میں بیٹھی جاتی ھیں۔ ھاں یہ بات سچ ھے کہ ھمارے ان باعث افتخار شاعروں کو ابھی نیچر کے میدان میں پہنچنے کے لیے آگے قدم اُٹھانا ھے اور اپنے اشعار کو نیچرل پوئٹری کے ھم سر کرنے میں بہت کچھ کرنا ھے - مگر ان مثنویوں کے دیکھنے سے اتنا خیال ضرور پیدا ھوتا ھے کہ خیالات میں کچھ تبدیلی ھوئی ھے اور اُس کا بھی تصور ھو سکتا ھے کہ اگر ھماری قوم اس عمدہ مضمون نیچر کی طرف متوجہ رھے اور ملٹن اور شکسپیئر کے خیالات کی طرف توجہ فرمائے اور مضامین عشقیہ اور مضامین خیالیہ اور مضامین بیان واقع اور مضامین نیچرل میں جو تفرقہ ھے اُس کو دل میں بٹھا لے تو ان بزرگوں کے سبب ھماری قوم کی لٹریچر کیسی عمدہ ھو جاوے گی اور ضرور وہ دن آوے گا کہ ھم بھی اپنی قوم کے کسی نہ کسی پر

ایسا ہی فخر کریں گے جیسا کہ یورپ کے لوگ ملٹن اور شکسپیئر پر ناز کرتے ہیں - مضامین بیان واقع اور مضامین نیچر ایسے پاس پاس ہیں کہ اُن میں دھوکا پڑ جاتا ہے - مگر در حقیقت پہلا دوسرے سے بالکل علیحدہ ہے - پہلا تو ایک بیرونی حالت ہے اور دوسرا اندرونی - اسی پچھلے میں وہ طاقت ہے جو دل میں اثر کرتی ہے - ابھی تک ہماری قوم کا کلام بیرونی حالت سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے - مگر ہم کو اُمید ہے کہ بہت جلد وہ اندرونی حالت تک بھی پہنچ جاوے گا -

ہماری حالت

ہمارا حال تو اُس بڑھیا کا سا ہوگیا ہے جس کو بازار کے لونڈے چھیڑا کرتے تھے اور جب وہ چھیڑنے والے نہ ہوتے تھے تو بڑھیا کہتی تھی کہ کیا آج بازار کے لونڈے مر گئے - ہمارے کاموں کی بہ نسبت ہماری ذات اور ہمارے ذاتی خیالات سے لوگوں نے بہت بحث کی لیکن اب وہ بھی بہت ٹھنڈی ہوگئی ہے - بہت لوگ سوائے چند متعصبین کے سمجھ گئے ہیں کہ ہم اسلام کی اور مسلمانوں کی کیسی خیر خواہی کرتے ہیں - آفتاب اسلام کو جس کی شعاعیں گرد و غبار کے سبب دھوندلی ہوگئی ہیں اور جس کی کرنیں ہم تک نہیں پہنچتیں کس طرح روشن اور چمکتا ہوا کرنا چاہتے ہیں - اصلی سر چشمہ حیات جاودانی کو جو بہت سے نالے ندیوں کے مل جانے سے گدلا اور میلا ہوگیا ہے کس طرح پاک و صاف کرنا چاہتے ہیں - ہماری خواہش ہے کہ اسلام جس کا مزا صرف لوگوں کی زبان پر رہ گیا ہے اور حلق سے نیچے نہیں اُترتا اُس کا اثر دل تک پہنچایا جاوے - ہماری آرزو ہے کہ اسلام جس کو ہم سب سے زیادہ عزیز اور سب سے عمدہ

سمجھتے ھیں اُس کا اثر مسلمانوں کے دلوں میں ، اُن کے اخلاق میں ، اُن کے چال چلن میں ، اُن کے معاملات میں ، اُن کے برتاؤ میں سب میں پایا جاوے - اسلام کو صرف زبان ھی سے نیک نیک نہ کہا جاوے بلکہ مسلمانوں کو اُس نیکی کا نمونہ کر دکھایا جاوے - ھم نہیں چاھتے کہ کوئی حاجی کہلانے کے لیے حاجی بنے - بلکہ یہ چاھتے ھیں کہ حج کا جو اثر دل میں ھونا چاھیے اُس کو حاصل کرے - اندھے والا حاجی بننے سے تو اسلام کو کچھ عزت نہیں ھو سکتی - اُن کے لیے تو یہی کہنا بس ھے - کہ رحمت بر اخلاقِ حجّاج باد -

نماز سے اگر صرف ماتھے پر گٹا ڈال لینا مقصود ھے تو وہ تو پوری روسیاھی ھے - نماز سے نیاز پیدا کرنا چاھیے - دل پر اُس کا اثر بڑھانا چاھیے - اگر طہارت کو صرف ھاتھ پانوں دھونے پر منحصر سمجھا تو اسلام کی کچھ پیروی نہیں کی - ظاھری طہارت تو باطنی طہارت کا اشارہ کرتی ھے - پھر اگر باطنی طہارت حاصل نہیں ھوئی تو یہ ظاھری طہارت نجاست سے بد تر ھے - ھم چاھتے ھیں کہ اسلام کے جو روحانی نتیجے ھیں وہ مسلمانوں کو حاصل ھوں ورنہ بکرے کی سی ڈاڑھی اور بکرے کی طرح وظیفوں کی جگالی اور بلی کی سی طہارت اور مکری کے سے فریب کچھ فائدہ نہیں - و اللہ متہم نورہ و لو کرہ المنکرون -

مدرسة العلوم اسلامی

مدرسة العلوم کے کاروبار کی ترقی اور آپس کی موافقت میں جہاں تک ممکن تھا اس سال میں بھی کافی کوشش ھوئی اور خدا کا شکر ھے کہ دونوں میں کسی قدر کامیاب ھوئے - مدرسة العلوم کا چندہ اس سال قریب دو لاکھ روپیہ کے پہنچ

گیا - کمیٹی اُس کی تعمیر کے شروع کرنے کی تدبیروں میں مشغول ہے - اُس کا پہلا درجہ جس کا نام صرف مدرسہ ہے جاری کر دینا بالکل تجویز ہوگیا ہے جو انشاء اللہ العزیز بہت جلد ظہور میں آتا ہے اور یہ سب حالتیں ایسی ہیں جن کے ایسے جلد ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی اور جو جدید اُمیدیں اس کالج کی تائید کی اس سال پیدا ہوئی ہیں اور جن کا ذکر ابھی مناسب نہیں ہے وہ بھی نہایت تسلی بخش ہیں اور سب سے زیادہ ہم کو ہمارے خدا کی رحمت تسلی دینے والی ہے جس کی رحمت سے ہم کو دعویٰ ہے کہ وہ ضرور ہمارے کاموں کا مددگار ہوگا - آمین -

ہم نے اپنے ہم وطنوں اور اپنی قوم کے بزرگوں سے بھی التجا کرنے میں کچھ دریغ نہیں کیا - غایت التجا ہماری یہ تھی کہ ہم نے اُن سے عرض کیا کہ جن امور کی خرابی کا ہمارے ہاتھ میں رہنے سے اندیشہ ہے اُن کو آپ اپنے ہاتھ میں لے لیجیے- اُس کے جواب میں ہمارے قدیم مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد علی صاحب نے لکھا کہ تم اپنے افعال و اقوال سے توبہ کرو اور ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں - اگرچہ اس امر کو اُس بات سے جو پیش تر کی تھی کچھ نہ تعلق تھا مگر با ایں ہمہ میں اُس کو قبول بھی کر لیتا مگر مجھے خیال ہوا کہ اگر ہمارے محب قدیمی منشی چراغ علی صاحب مجھ سے کہیں کہ تم ہم سے ہو جاؤ تو ہم شریک ہوتے ہیں تو پھر میں کیا کروں گا - بقول شخصے کہ ''گوری کا جوبن چٹکیوں میں ہی جائے'' میرا تو یونہیں تکا بوٹے ہو لے گا - میرے افعال و اقوال سے اور مدرسۃ العلوم سے کیا تعلق ہے - مدرسۃ العلوم میں تعلیم مذہبی بلا شبہ اہل سنت و جماعت کو موافق مذہب حنفی کے اور

شیعہ امامیہ کو موافق اُن کے مذہب کے اصول مسلمہ کے ہونی چاہیے ۔ اس باب میں جہاں تک کوئی شخص طمانیت چاہے اور پختگی کرے سب بجا ہے ۔ مگر کسی شخص کے ذاتی مذہب یا اُس کے خاص خیالات سے کیا بحث ہے ۔

جناب مولوی محمد قاسم صاحب اور جناب مولوی محمد یعقوب صاحب نے جو متعصبانہ جواب دیا اُس سے ہر شخص جس کو خدا نے عقل اور محبت قومی اور حب ایمانی دی ہوگی نفرت کرتا ہوگا ۔ شیعہ مذہب کی تعلیم کا سلسلہ بالکل علاحدہ ہے جس سے اہل سنت و جماعت کو کچھ تعلق نہیں ۔ پس یہ کہنا کیسا بے جا تعصب ہے کہ ہرگاہ اُس مدرسے میں شیعہ بھی ہوں گے اس لیے ہم شریک نہیں ہوتے ۔ خدا کرے کہ وہ یہ خیال فرما کر کہ ہندوستان میں بھی شیعہ رہتے ہیں مکہ معظمہ کو سدھاریں ، مگر افسوس ہے کہ میں سنتا ہوں کہ حج و طواف میں بھی شیعہ موجود ہوتے ہیں ۔

افسوس ہے کہ شیعہ و سنی میں اس زمانے کے جب کہ امام محمد اسماعیل بخاری شیعوں سے روایت کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں فرماتے تھے نفاق اور شقاق بہت زیادہ ہوگیا ہے ، مگر حالت زمانے کی ایسی ہے کہ اگر شیعہ اپنے تعصب سے سنیوں کو چھوڑیں اور سنی اپنے تعصب سے شیعوں کو چھوڑیں تو دونوں غارت اور برباد ہو جاویں گے ۔ ہندوستان میں مسلمان تعداد میں کم ہیں ، دولت میں کم ہیں ، عہدوں میں کم ہیں ، اگر پھر اُن میں بھی شیعہ و سنی و خارجی و ناصبی اور وہابی و بدعتی کا تفرقہ پڑے تو بہ جز برباد اور غارت ہونے کے اور کیا نتیجہ ہے ۔ ارے کم بخت متعصبو ! تم آپس میں لڑا کرنا اور ایک دوسرے کو کافر کہا کرنا ۔ مگر جو بات سب کے فائدے کی ہے

اُس میں کیوں ایک دل ہو کر شریک نہیں ہوتے ۔ عالم گیر نے ایک عامل کی بد دیانتی کا ذکر نظیراً کسی دوسرے عامل سے کیا ۔ اُس نے عرض کیا کہ حضور ایک ہاتھ میں پانچوں اُنگلیاں برابر نہیں ہیں ۔ عالم گیر نے کہا ۔ بلے مگر بہ وقت خوردن ہمہ برابر می شوند ۔ پس اے بزرگو اُس بات میں کیوں تعصب کو کام فرماتے ہو جس میں سب کا فائدہ مشترک ہے ۔

جناب مولوی محمد علی صاحب مرادآبادی کی خدمت میں بھی التجا کی ۔ مگر کچھ جواب نہ پایا ۔ ردالشقاق فی جواز الاسترقاق لکھنے کا کچھ مضائقہ نہیں ۔ قومی بھلائی و قومی ہم دردی کے کاموں میں شریک نہ ہونا البتہ مضائقہ ہے ۔

جناب سید الحاج مولانا حاجی علی بخش خاں صاحب سے جو معاملہ پیش آیا وہ تو طشت از بام ہے اُن کی و ہماری تو وہی مثل ہوگئی ہے ۔

من تُرا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو

یعنی وہ ہم کو بد عہد کہتے ہیں ہم اُن کو بد عہد کہتے ہیں ۔ بہ ہر حال کسی نے بد عہدی کی ہو ۔ وہ بات جس سے کھنڈت پڑگئی اس قدر ہے کہ تمام امور تعلیم مذہبی تنہا جناب ممدوح کے کیوں نہ سپرد کیے گئے ۔ دیگر بزرگان دین کو کیوں شریک کیا ۔ و ما ھذا الاشقاق مبین ۔

مگر خدا کا شکر ہے کہ یہ مرحلہ بھی جس طرح پر ہوا طے ہوگیا ۔ یعنی ساتویں جنوری ۱۸۷۵ء کو علی گڈھ میں بہت اعزہ اسلام جمع ہوئے اور اُن سب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ تعلیم مذہبی کا کلی انتظام اُن سات بزرگوں کے اختیار میں دے دیا جاوے جن کے نام نامی مندرجہ ذیل ہیں :

محمد عنایت اللہ خان صاحب رئیس بھیکم پور ۔

محمد عبد الشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ۔
محمد مسعود علی خاں صاحب رئیس دانا پور ۔
مولوی محمد اسماعیل صاحب رئیس علی گڈھ ۔
سید فضل حق صاحب رئیس علی گڈھ ۔
محمد اسماعیل خاں صاحب رئیس دناولی ۔
مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب رئیس دھلوی ۔

اور وھی اس بات کے مجاز رھیں کہ اور جس کو چاھیں اپنے ساتھ شریک کر کر کمیٹی مدبران تعلیم مذھب اھل سنت و جماعت مقرر کر لیں اور جس طرح چاھیں تعلیم مذھبی کا انتظام کریں ان ساتوں بزرگوں نے اس کام کو منظور کیا اور ظاھرا اب کسی کو کوئی مقام کلام باقی نہیں رھا گو کہ کہنے والے کی زبان نہیں پکڑی جا سکتی ۔ اس تجویز کو کمیٹی خزینۃ البضاعۃ نے بلا عذر تسلیم کیا اور جو خط کہ کمیٹی کی جانب سے بہ نام اُن ساتوں بزرگوں کے لکھا گیا ھمارے اس آرٹیکل کے اخیر میں بعینہ مندرج ھے جس سے ھر کوئی جان سکتا ھے کہ نسبت تعلیم مذھبی کے بانیان مدرسۃ العلوم کی کیسی نیک نیتی ھے اور اُن کے مخالفوں نے جو یہ امر مشہور کیا تھا کہ مدرسۃ العوم میں تعلیم مذھبی میں خرابی ڈالی جاوے گی وہ محض جھوٹ اور افترا تھا اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ سے جو لوگ فتوے لائے تھے اور ھندوستان میں جو سوالات استفتاء علماء کے سامنے پیش ھوئے تھے وہ کیسے اتہامات کے بھرے ھوئے تھے ۔ اب ھماری دعا خدا سے یہ ھے کہ سب کے دل میں قومی ھم دردی کا درد پیدا ھو اور سب متفق ھو کر اُس کام میں مدد کریں جس میں کل قوم کی بھلائی متصور ھے ۔ و من اللہ التوفیق ۔

شکریہ اعانت اخبارات

شکر خدا کا کہ ہمارے اس قومی کام کی مدد ہمارے ملکی اخبارات نے بھی کی ہے جن کا شکر ادا کرنا ہم پر واجب ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ اب صرف تین اخبار ہمارے مخالف رہ گئے ہیں۔ ''نورالآفاق''، ''نورالانوار'' جو کان پور میں چھپتے ہیں اور ''آگرہ اخبار'' جو آگرہ میں چھپتا ہے '' نورالآفاق'' کو ہم نے مدت سے نہیں دیکھا اور ''نورالانوار'' کو تو آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں۔ '' آگرہ اخبار'' البتہ ہمارے دیکھنے میں آتا ہے۔ اُس اخبار کو دل لگی کی عادت ہے۔ وہ ہمارے افعال و اقوال کا مخالف اور ہمارے شامت اعمال کا ناصح شفیق ہے۔ ایسے اخبار کو ہم اپنے کام کا یعنی مدرسۃ العلوم کا مخالف نہیں سمجھتے بلکہ ہم کو خیال ہوتا ہے کہ شائد مدرسۃ العلوم کو وہ بھی اچھا جانتا ہے اور اُس کی ضرورت بھی تسلیم کرتا ہے۔ جو اندیشہ کہ تعلیم مذہبی کی خرابی کا تھا غالباً اب وہ نہ رہا ہوگا۔ ہاں جو عظیم الشان تدبیر سوچی گئی ہے اور جس میں لاکھوں روپیہ کی ضرورت ہے اُس کے انجام میں ''آگرہ اخبار'' کو شبہ ہے اور اس لیے وہ کبھی اُس کی ہنسی اوڑا دیتا ہے اور خیالی مدرسہ یا شیخ چلی کا سا منصوبہ کہتا ہے۔ مگر '' آگرہ اخبار'' کا ایسا کہنا کچھ تعجب کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ جو بد اقبالی مسلمانوں کی ہے اور خدا کی جو نا مہربانی اُن پر ہے اور جس قدر نفاق آپس میں ہے اور قومی ہم دردی کا جو اُن میں مطلق نشان نہیں ہے۔ اگر اُن سب پر نظر کی جاوے۔ تو ہماری اس تدبیر کی اگر ہنسی نہ اوڑائی جاوے تو اور کیا کیا جاوے۔ ہم مسلمانوں کی بد بختی کی یہی ایک نشانی کیا کم ہے کہ ''آگرہ اخبار'' جو ایک قومی اخبار ہے اور جس کے دو ایڈیٹر نہایت لائق مولوی و منشی ہیں خود اپنی

قوم کے کام کی اس وجہ سے کہ ایسے عظیم الشان کام کے انجام دینے کے لائق ہماری قوم نہیں ہے ہنسیاں اوڑاوے اور مثل آن دو بھائی طالب علموں کے جو ایک دوسرے کی ماں کو مـن حیـث انـہ تیری ماں ہے گالی دیتا تھا یہ خیال نہ کرے کہ یہ ہنسی کس کی اوڑائی جاتی ہے ۔ اگر یہ کام در حقیقت قومی بھلائی کا تھا اور بے صرف کثیر وہ انجام نہیں پا سکتا تھا تو اُس پر ہنسی سے زیادہ بہتر تھا کہ اُس کی امداد میں کوشش کی جاتی ۔ اگر اُس کے انتظام اور اُس کی کارروائی میں کچھ اندیشہ تھا تو ہم اپنی قوم کے لیے نہایت مبارک دن وہ سمجھتے کہ جناب مولوی خواجہ محمد یوسف صاحب کا ایک عنایت نامہ کمیٹی میں آتا اور وہ کمیٹی میں اس لیے شریک ہونا چاہتے کہ جو جو خرابیاں اُس کے انتظام اور اُس کی کارروائی میں ہوں اُن کو دور کریں اور اصلاح فرماویں ورنہ بولی ٹھٹھولی کس کو نہیں آتی ۔ جس کے منہ میں زبان ہے کچھ نہ کچھ کہہ ہی لیتا ہے ۔ مگر ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اب ہم اُن کو بھی مدرسۃ العلوم کی نسبت مہربان پاتے ہیں اور بالتخصیص اُن کے اُس آرٹیکل کا جو اُنھوں نے اخبار مطبوعہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۵ء میں ارقام فرمایا ہے دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ جو اخلاق ذمیمہ اور افعال قبیحہ ہمارے ہیں اُن کو ہمارے سر مارو ۔ کالائے بد بریش خاوند ۔ مگر جو بات اچھی اور قومی بھلائی کی ہے اُس میں شریک ہو اور جو قباحتیں اُس میں ہوں اُن کی اصلاح کرو ۔

پنجابی اخبار لاہور ، کوہ نور ، سائنٹیفک سوسائٹی علی گڈھ ، اُردو گائڈ کلکتہ کا تو ہمارا بال بال احسان مند ہے کہ اُنھوں نے ابتدا سے ہمارے اس قومی کام کی جس قدر تائید کی ہے اُس کا شکریہ ہم کسی طرح ادا نہیں کر سکتے ۔

اُس اجڑے شہر کے اخباروں کا بھی جس کا نام لیتے دل بھر آتا ہے ہم دل سے شکر ادا کرتے ہیں ۔ میوموریل گزٹ نے هم دردی قومی کے سوائے حب وطنی بھی برتنی شروع کی ہے ۔ جو آرٹیکل کہ اُنھوں نے مدرسة العلوم کی نسبت اپنے یکم اکتوبر ۱۸۷۴ء کے اخبار میں لکھا ہے ہم اُس کے نہایت شکر گزار ہیں ۔

" ناصر الاخبار " دھلی کی عنایتوں کو اور بالتخصیص اُس عنایت کو جو خاص محاکمه کے ایک آرٹیکل لکھنے میں کی ہے ہم بھول نہیں سکتے ۔ ہمارے وطن کے اخبار ہم سے اس لیے ناراض ہیں کہ مدرسة العلوم دھلی میں کیوں نہ مقرر ہوا ۔ بھائی کہاں ہے وہ دلی اور کہاں ہیں وہ دلی والے ۔ جو نقش کہ مٹ گیا اُس کا اب کیا نام لینا ہے ۔ مرثیہ پڑھا کرو اور دلی اور دلی والوں کو رویا کرو ۔

"اودھ اخبار" اور اُس کے مالک اور شفیق اڈیٹر صاحب تو دل و جان سے مدرسة العلوم کے حامی ہیں ۔ اُن کے شکریہ میں یہی کہنا بس ہے کہ ہم اُن کا شکر ادا نہیں کر سکتے ۔

مرقعہ تہذیب لکھنئو نے جو کچھ اعانت ہمارے قومی کاروبار میں کی ہے وہ در حقیقت ایک مرقعہ عنایت ہے اور یہی نہیں ہے کہ صرف اخبار ھی میں چند کلمة الخیر لکھنے پر بس کی ہو ۔ بلکہ اُس جلسہ کے بعض بزرگوں نے قلم و قدم و درم سے بھی کوشش کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے ۔ جو مضمون کہ ۱۴ جولائی ۱۸۷۴ء کو ضمیمہ اخبار مذکور میں چھپا اُس کے لیے کمیٹی خزینة البضاعت حد سے زیادہ ممنون ہے ۔

هم اپنے دکھنی دوستوں یعنی " میسور اخبار " کے اُس آرٹیکل کے لیے جو چھٹی اگست ۱۸۷۴ء کے پرچہ میں چھپا اور

"قاسم الاخبار" کے اس آرٹیکل کی بابت جو سترھویں اگست کے پرچہ میں چھپا دل سے شکرگزار ھیں۔ مسلمانوں کی ایسی حالت ھے کہ جب تک دور و نزدیک کے سب مسلمان شریک ھو کر مدد نہ کریں اور ایک خزانہ آب حیات کا نہ جمع کر لیں جس کی نہریں بہ کر تمام ملک کو سیراب کریں ۔ اس وقت تک قومی بھلائی اور قومی ترقی نا ممکن ھے اور اگر لوگ یہ خیال کریں کہ ھم اپنے اپنے لیے جدا جدا گڑھا کھود لیں اور گو اس میں پانی کا کچھ رساو ھی ھونے لگے۔ مگر یقین جان لیں کہ وہ رساؤ بہت جلد خشک اور بند ھو جاوے گا ۔ جب تک کہ ھم ایک سرچیون چشمہ نہ بنا لیں جس کی سوتوں میں کبھی کمی نہ ھو ۔ اس وقت تک قوم کی سرسبزی جو بہ منزلہ ایک نہایت وسیع باغ کے ھے غیر ممکن ھے ۔

"شمس الاخبار" مدراس کا شکر کیے بغیر ھم نہیں رہ سکتے کہ وہ بھی اس قومی بھلائی میں کلمۃ الخیر کہے بغیر نہیں رھتا ۔ اس ھماری مختصر شکر گزاریوں سے اس قدر ثابت ھو سکتا ھے کہ اب تمام ہندوستان کے اخبار ھمارے اس قومی بھلائی کے کام میں ممدو معاون ھیں اور بالا تفاق تمام ھندوستان کو اس بات کا یقین ھے کہ مسلمانوں کی حالت اچھی نہیں ھے ۔ اُن کی صلاح و فلاح میں کچھ کرنا چاھئے اور اس بات کو بھی سب نے ، دوست اور دشمن نے ، یار و اغیار نے ، مخالف و موافق نے تسلیم کیا ھے کہ اس کام کے لیے مدرسۃ العلوم سے بہتر کوئی تدبیر نہیں ھے ۔ مگر جو کہ ھم مسلمانوں کی بد بختی سے چند باتوں کی ھم میں کمی ھے اس لیے اب تک یہ کام پورا نہیں ھوا ۔ قومی کام میں ھماری قوم کو توجہ کم ھے ۔ روپیہ فضول کاموں میں خرچ کرنے میں اندھے ھیں ۔ اِلاّ قومی بھلائی میں خرچ کرنے کی

عادت نہیں - ایک کام کا ولولہ اٹھتا ہے وہ قائم نہیں رہتا اور اُس کے پورا کرنے کا بہت جلد خیال جاتا رہتا ہے - محنت کی اور جو کام شروع کیا ہے اُس پر کد و کاش کرنے کی عادت نہیں ہے - مگر ہم کو خدا سے اُمید ہے کہ آئندہ کو بہ نسبت گذشتہ کے ہماری قوم اس قومی کام کے پورا کرنے میں زیادہ تر توجہ کرے گی -

اس مقام پر جہاں اخباروں کا شکریہ ہم نے ادا کیا یہ نہ سمجھا جاوے کہ میں اپنے ملک کے بے نظیر اخبار ''النفع العظیم لا ھل ھذا لا قلیم'' کو بھول گیا - وہ اخبار ہمارے ھندوستان کا فخر اور ہمارے اخباروں کا سرتاج ہے - اس کی زبان سے ہمارا دل و جان زندہ ھوتا ہے - اُس کے شیریں الفاظ اور موزونی کلام سے ہم کو ہماری پچھلی باتیں سب یاد آتی ہیں - اُس نے جو کچھ ہم دردی اس قومی بھلائی کے کام میں کی ہے اُس کو سب سے اخیر اس لیے بیان کیا ہے کہ ہمارے انجام مقاصد کے لیے شگون نیک ہو - جو آرٹیکل یکم دسمبر کے پرچہ میں چھپا ایسا درد آمیز و محبت خیز ہے جس کے اثر کا نقش ہر صاحب کے دل پر ھوتا ہے - ہم ہزار ہزار زبان سے اُس کا شکر ادا کرتے ہیں اور اُس آرٹیکل کو بعینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں تاکہ ہمارا یہ ناچیز پرچہ بھی اُس لعل درخشاں کی روشنی سے منور ھو -

وھو ھذا

الکلام فی حالة المسلمین الھندیین وایقاظھم عن نعاس الغفلة فی ھذا الحین

لما نری الاسلام ضعیفا و اھله فی حضیض المذلة

و ضیعا کان او شریفا فیاخذنا الاسف الشدید و النهف المزید و کذلک یعارضنا الغبطة اذنشوف الهنود (ای عبدة الاصنام) عارجین علیٰ المعارج العظیمة من حیث الثروة و الرخاء و ما کان ذالک لهم الا بید ترقیهم و سعیهم فی اخذ العلوم و تحصیل الفنون فانا لانجد فی المدارس من اطفال المسلمین الا عددا یسیرا بخلاف الهنود فان اطفالهم بالرغبة و الکثرة یتعلمون العلوم الحکمة و الفنون الریا ضیة بلغته انکلیزة فیکیدنا احوال جمیع المسلمین لاسیما حالة الهندیین فانهم مصرون علی اخذ الرذائل و ترک الفضائل لا یجا ملون با نفسهم و اولادهم فکیف بالاغیار و لا یعیرون بشیٔ من الحوادث الکائنة فی هذ الا عصار لا یعلمون اطفالهم الا البطالة ولا یرغبون اولادهم الا الی الشفاهة او الجهالة فتعودوا علیٰ ترک الا شغال والحرف الجیدة و استعمال الملاهی و الملاهب و انهماک فی المعاصی و المعائب و نبذ الرغائب و ادخار العیوب و الا عوار و المثالب لایرون الی عبدة الا صنام کیف یبالغون فی الا حترام و تحصیل الحرف و الصنائع یتعلمهم لسان الحکام حتیٰ انهم یصعدون علی المشارف العالیة العظیمة دو ما و یصلون المراتب الفخیمة من الفروا لتمکین و الثروت یوما فیوما و اهل الا سلام مالهم و قع عند الحکام و لا عزة بین الا نام و هذا لعصور، عصور و ترقی العلوم و دهور اشاعة العمل علی المعلوم و اهل الاسلام فی هذہ الایام

ایضارا قدون فی رقدة الغفلة و البطالة او ما یشهد
هولاء النائمون فی نعاس الجهالته ان امة انکلیزة
کیف بالغوا فی اختراع الالات العجیبة و الادوات
الغریبة المساعدة علی التمدن و العمران فی هذه
الا و ان ماشرقت مملکتهم باشراق شوارق العلم و
الکمال و برعت استهم فی ایجاد العجایب و ابداع
الغرائب بانهما کهم فی تلک الاعمال فسبقو
الامم السالفة فی العلم و العمل و فازوا فوزاً عالیاً
فی الفطانة و الفضل و قد کانت امة انکلیزة فی
العصور الغالیة و الدهور الماضیة هائمة فی فیافی
السفاهة و الهمبج و الهوان و غائصین فی البحار
الجهالة و الاستهجان حتی اخذوامن العلوم ما اخذوا
و عملوا علی ما عملوا الی ان برعوا و اخترعوا اشیاء
کثیرة باذهان صافیة و عقول و افیة فمالهم من
عقول و اذهان استوالود ابها علی البلاد الفسیحة
اعنی هندوستان و قد مضت مدت من الازمان علی ان
امة انکلیزة استولت علی البلاد الهندیة و بالغت فی
اشاعة العلوم و الفنون فی هذه البلاد فقلدهم
عبدة الاصنام و اخذوا فی تحصیل العلوم حتی
انملزوا الی المناصب الجلیلة و لکن مسلمی الهند
لا یلتفتون الی تعلیم العلوم یخرجوا من ظلمات
الذل و الجهل الی نورالعقل و العلم و الفضل فلو
رغبوا الی تحصیل العلوم و الفضائل لفازوا الی
المشارف العظیمة و المناصب الجلیلة الضخمة و
حصل لهم العز و الاعتبار و التمکین و من وقعهم

لیان علی الناس وقع الاسلام فالمسلمون الهندیون
قد استهنوا الاسلام با متہانہم و صغروا الایمان
بهوانہم و انا نتیقن علیٰ انہم ان مالوا الیٰ
تحصیل العلوم و الفنون فی هذا الحین فیظهر
فضلہم فی قلائل الایام علی العالمین اذ اذهانہم
اصفیٰ و قلوبہم اذکیٰ من اذهان الهنود و قلوبہم
فلا بدلہم ان یقلدوا امة انگلیزة فی اخذ العلوم
و استعمال الصنائع و امة انگلیزة انما ترید تعلیم
رعیتہا قاطبة لا خصوصیة فیه المهنود و لکن
نحن لا نجد الی ذالک سبیلا اذ المسلمون لا یجعمون
علی امر یکون فیه صلاحہم و اصلاحہم و لا یرغبون
الی شئی یوجد فیه فی فلاحہم و نجاحہم و
لا یتفکرون فی انه قدحان زمان انتکاسہم و طلاحہم
و قربت ایام ذلہم و هوانہم و کسر طماحہم ۔ قد
استحوذ علیہم الحمق و الطیش فضاق علیہم
العیش و صار الهمج دلیلہم و سد سبیلہم حتیٰ انہم
من یرید لہم خیراً یزعمونه معاندا و ذالک الخیر
لا نفسہم شرا وضیرا ۔ و اعظم الشواهد علیٰ ذلک
احوال الجناب نجم الهند السید احمد خان بهادر
الذی بالغ فی حمایة الاسلام و المسلمین و اراد ان
یوصلہم الی المناصب الجلیلة و المراتب الجزیلة
بتعلیم العلوم الدینیة و الفنون الدنیویة علیٰ
طرق مستحسنة فاستجمع المسلمین علیٰ ان
یحشدوا هارقا و انرا من المصاریف لمدرسة اسلامیة
لذلک فتشاخسوا فی هذا الامر تشاخشا کثیرا منہم

من قام لتکفیره و منهم من سعی فی قطع تدبیره مد ابراله من غیر تدبر حتٰی و قع الشغب العظیم فی المسلمین و بعض مخالفیه اشتهروا فی الجرنالات مطاعن الموط الیه الی ان تاخر کثیرا من الناس من نصرة المدرسة الموصوفة بل اصروا فی تفسیق با نیها و هدم مبا ینها و لم ینظروا والی عواید ها و لم یفهموا فوایدها و اقامة تلک المدرسة فی هذا الزمان من الواجبات اذ الدهر العسوف قداستصعب علی المسلمین فذل رقابهم اجمعین -

لیس البلیة فی ایامنا عجبا
بل السلامة فیها اعجب العجب
لیس الجمال با ثواب یزینها
ان الجمال جمال العلم والادب
لیس الیتیم الذی قدمات والده
ان الیتیم یتیم العقل و الحسب
ایها الفاخرہ جهلا بالنسب
انما الناس لام و اب
هل تریهم خلقوا من فضة
ام حدید ام نحاس ام ذهب
هل تریهم خلقوا من فضلهم
هل سوی عظم و لحم و عصب
انما الفخر لعقل ثابت
و حیاء و عفاف ادب

و انا لانشک فی ان اقامة المدرسة الاسلامیة الموصوفة انفع للمسلمین من شغبهم هذا اذلا

طائل تحت شغبهم و كدحهم الى تكفير اليانی و تفسيقه، ابدا الا انهم يوخرون باقوالهم الباطلة الفاسدة وا رايهم الكاسدة عن النفع العظيم و الربح الجسيم الذی يحصل لاطفالهم بتعلم العلوم الجديدة فی المدرسة الموصوفة فيا ايها السلمون ادركوا زمانكم هذا و اجتهدوا لتعليم اطفالكم واحشدوا المصاريف لا قامة المدرسة الاسلامية رافة علی اولادكم لكی يبلغوا بعد تعلم العلوم و الفنون الی الشارف العالية و المناصب الجزيلة و الا فستندمون بد قلائل الا زمان حيث لا ينفعكم الندم ـ

العلم زين فكن للعلم مكتسبا
و كن له طالبا ما كنت مقتبسا
واركن اليه وثق بالله و اغن به
و كن حليماً رضين العقل محترسا
لا تسامن فاما كنت منهمكا
فالعلم يوما و اما كنت منغمسا
و كن فتی ناسكا محض التقی ورعا
للدين مقتبسا للعلم مفترسا
فمن تخلق بالاداب ظل بها
رئيس قوم اذا ما فارق الروسا
و اعلم هديت بان العلم خير صفا
اضحی بطالبه من فضله سلسا

و اما الذين يكفرون البانی فلا يدله ان لا يبا ئيهم اذا اصفهاء لا محالة اعداء للكملاء و

هذه عادت جاریة من قدیم الزمان ترلب علی راس الزمان فانه زمان عقوق لا زمان حقوق فکل رفیق فیه غیر موافق و کل صدیق فیه غیر صدیق ۔

چوں کہ آج کل عام طور سے لوگ عربی نہیں سمجھتے لہٰذا ایسے حضرات کے لیے ذیل میں مندرجہ بالا عبارت کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے ۔ یہ ترجمہ میرے مرحوم فرزند شیخ محمد احمد نے کیا تھا ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

ہندوستانی مسلمانوں کی ابتر حالت اور انھیں غفلت کی نیند سے جگانے کی ضرورت

(مترجمہ شیخ محمد احمد مرحوم)

جب ہم اسلام کی کمزوری اور مسلمانوں کی ذلت و رسوائی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں سخت رنج ہوتا ہے ۔ اس رنج و الم میں زیادتی اس وقت ہوتی ہے جب ہم بتوں کے پجاریوں (ہندو) کو ترقی اور دولت و ثروت کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا ہوا دیکھتے ہیں ۔ یہ ترقی انہوں نے محض حصول علم اور تحصیل فنون کے ذریعے کی ہے ۔ مدرسوں میں ہمیں مسلمان بچوں کی بہت تھوڑی تعداد نظر آتی ہے لیکن ہندوؤں کے بچے بڑی کثرت اور شوق کے ساتھ علوم حکمیہ اور فنون ریاضیہ سیکھتے ہیں اور وہ بھی اپنی زبان میں نہیں بلکہ انگریزی زبان میں ۔ یہ منظر دیکھ کر ہمیں مسلمانوں اور خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی حالت پر بہت افسوس ہوتا ہے ۔ وہ دو بد عادات ترک کرنے اور نیک اطوار اختیار کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں ہوتے جب وہ اپنے اور اپنی اولاد کے ساتھ نیکی نہیں کر سکتے تو دوسروں کے ساتھ کس طرح

کریں گے - وہ اپنی اولادوں کو بے کاری کے سوا اور کچھ
نہیں سکھاتے اور بیوقوف و جہالت کے سوا انھیں اور کسی
بات کی ترغیب نہیں دیتے - انھوں نے بے کاری کو اپنا مشغلہ
بنا لیا ہے اور اچھے پیشے سیکھنے اور اپنے اوقات کو نیک مصرف
میں استعمال کرنے کی بجائے لہو و لعب میں انہاک پیدا کر لیا
ہے - انھیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ بتوں کی پرستش کرنے
والے کس طرح شب و روز مختلف قسم کے پیشے اور حکام کی زبان
(انگریزی) سیکھنے میں منہمک رہتے ھیں - یہی وجہ ہے کہ وہ
ہر دم بام عروج پر چڑھتے چلے جا رہے ھیں - عزت اور وقار میں
برابر ترقی کرتے چلے جا رہے ھیں - بڑے بڑے عہدوں کے
دروازے ان کے لیے کھلے ہوئے ھیں اور ان کی دولت و ثروت
میں برابر زیادتی ہو رہی ہے لیکن اہل اسلام کی نہ حکام کے
دلوں میں وقعت ہے اور نہ اہل ملک میں کوئی عزت ، یہ زمانہ
علوم کی ترقی اور پیہم جد و جہد کا ہے لیکن اہل اسلام
غفلت اور جہالت کی نیند سوئے ہوئے ھیں - انگریز قوم نے
عجیب و غریب آلات ایجاد کرنے اور تہذیب و تمدن کو اجاگر
کرنے والے اسباب پیدا کرنے میں حیرت انگیز ترقی کی ہے -
اسی وجہ سے ان کی مملکت علم کی روشنی جگ مگ جگ مگ
کر رہی ہے - عجیب و غریب چیزیں ایجاد کرنے کا ملکہ ان میں
اسی لیے پیدا ہوا ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو اس جانب بکلی
منہمک کر لیا ہے -

لہٰذا وہ علم اور عمل میں گذشتہ تمام قوموں سے بڑھ
گئے ھیں اور فطانت و ذکاوت اور فضیلت میں عظیم الشان کامیابی
حاصل کی ہے - یہی انگریز قوم گذشتہ ایام میں سفاہت و جہالت
کے طوفان میں غرق تھی اور ذلت و رسوائی کی راہ پر گامزن تھی

لیکن جب انھوں نے غفلت کی زندگی کو ترک کرکے علم و عمل کی راہ پر قدم مارا تو ان کے لیے ترقی کے دروازے کھل گئے ۔ انھوں نے اپنی عقل و خرد کی بدولت ہندوستان جیسے عظیم ملک پر قبضہ کر لیا ۔ ہندوستان پر قبضہ کیے ہوئے انھیں ایک مدت گزر چکی ہے ۔ اس عرصہ میں انھوں نے علوم و فنون کی اشاعت میں زبردست کوشش کی ۔ ہندوؤں نے بڑھ چڑھ کر ان کی تقلید کی اور تحصیل علوم میں بہ درجہ غایت کوشش کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوگئے لیکن مسلمان علم سیکھنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے جس کی وجہ سے وہ جہالت کے اندھیروں میں سرگردان پھر رہے ہیں اور علم و فضل کے آفتاب کی کوئی کرن ان تک نہیں پہنچتی ۔ اگر وہ بھی علوم و فنون سیکھنے کی طرف راغب ہوتے تو ان کے لیے بھی ترقی کے دروازے کھل جاتے ۔ وہ بھی ہندوؤں کی طرح بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہوتے اور انھیں بھی عزت حاصل ہوتی ۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اپنی ذلت کی وجہ سے اسلام کو بھی ذلیل کر دیا ۔ تاہم اس قدر پستی کے باوجود ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ اگر وہ اب بھی علوم و فنون سیکھنے کی طرف متوجہ ہوجائیں تو چند ہی دنوں میں تمام دنیا پر ان کی فضیلت ظاہر ہو جائے کیوں کہ ان کے ذہن ہندوؤں کے ذہنوں سے زیادہ صاف اور ان کے دل ہندوؤں کے دلوں سے زیادہ پاکیزہ ہیں ۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تحصیل علوم اور صنعت و حرفت کے سیکھنے میں وہ انگریزوں کی تقلید کریں ۔ انگریز اپنی تمام رعایا کو علم کے نور سے منور کرنا چاہتے ہیں صرف ہندوؤں ہی پر ان کی نظر عنایت نہیں ہے ۔ لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان کوئی ایسی بات اختیار کرنا نہیں چاہتے جس میں ان کا

فائدہ ہو ۔ انھیں اس بات کا مطلق خیال نہیں آتا کہ اِن کی ذلت اور پستی کا زمانہ آگیا ھے اور اگر انھوں نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش نہ کی تو وہ تباہ و برباد ہو جائیں گے ۔ حماقت اور بے جا غیظ و غضب ان پر غالب آگیا ھے جس کی وجہ سے دنیا کی آسائشوں نے ان سے منہ موڑ لیا ھے ۔ اِن کی بدبختی کی سب سے بڑی دلیل یہ ھے کہ اگر کوئی شخص ان کی بھلائی کی کوشش کرتا ھے تو وہ اسے اپنا دشمن سمجھنے لگتے ھیں چناں چہ اس امر کا بین ثبوت نجم الهند جناب سید احمد خاں بہادر کی ذات میں نظر آتا ھے ۔ انھوں نے اسلام کی حمایت اور مسلمانوں کی خیر خواھی میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا ۔ انھوں نے مسلمانوں کو دینی علوم اور دنیوی فنون سکھانے چاھے تا کہ اس طرح وہ بڑے بڑے عہدوں تک پہنچ سکیں اور اپنی حالت سنوار سکیں اس کے بدلے انھوں نے صرف یہ چاھا کہ مسلمان اتنی رقم اکٹھی کر دیں جو ان کے قائم کردہ اسلامی مدرسہ کے اخراجات کے لیے کافی ہو ۔ لیکن بجائے اس کے کہ مسلمان ان کی ان خدمات کو بہ نظر تحسین دیکھتے اور اپنے مقدور کے موافق اس کام میں ان کی مدد کرتے انھی میں سے بعض لوگ ایسے کھڑے ھوگئے جھنوں نے سید احمد خاں کے خلاف فتوئ تکفیر دے دیا اور اِن کے کاموں میں ھر طرح کی رکاوٹ ڈالنے لگے ۔ انھوں نے اپنی مخالفانہ تدبیروں سے ایک زبردست ھنگامہ برپا کر دیا ۔ ان کے بعض مخالفین نے اخبارات اور رسائل میں ان کے خلاف بے بنیاد الزامات لگائے اور مسلمانوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی ۔ جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ بہت سے لوگوں نے مدرسے کی امداد کرنے سے دست کشی اختیار کر لی ۔ مسلمانوں نے مدرسے کے بانی کو ھدف مطاعن بنانے اور اس کے

خلاف تفسیق و تکفیر کا بازار گرم کرنے میں تو بہت جلدی کی لیکن مدرسے کے فوائد کی طرف ان کی ذرا بھی نگاہ نہ گئی اور انھوں نے اس بات کا مطلق خیال نہ کیا کہ اس قسم کے مدرسے کا قیام موجودہ زمانے میں بے حد ضروری ہے کیوں کہ ازمانہ آج کل مسلمانوں پر نا مہربان ہے۔ان پر بہت سخت وقت آکر پڑا ہوا ہے اور ان کی گردنیں ذلت و رسوائی کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہیں ۔ اس نازک وقت میں اگر انھیں کوئی چیز ذلت و رسوائی سے بچا سکتی ہے تو وہ صرف علم ہے ۔

ہمیں اس بارے میں کوئی شک نہیں کہ (علی گڈھ میں قائم شدہ) اسلامی مدرسے کا قیام مسلمانوں کے لیے بے حد نفع مند ہے اور بعض نا عاقبت اندیش لوگوں کی مخالفت محض کھوکھلی مخالفت ہے ۔ وہ اس مدرسے کے بانی کی تکفیر سے اسے تو کوئی نقصان نہیں پہنچا رہے لیکن اپنے باطل اور فاسد اقوال سے اپنے بچوں کو اس عظیم الشان نفع سے ضرور محروم کر رہے ہیں جو اس مدرسے میں جدید علوم سیکھ کر وہ حاصل کرتے ۔ لہٰذا اے مسلمانو ! زمانے کے تقاضوں کو سمجھو ۔ اپنے بچوں کی تعلیم کی طرف متوجہ ہو اور علی گڈھ کے اسلامی مدرسے کے اخراجات کے لیے دل کھول کر چندہ دو کیوں کہ اس کا فائدہ تمھارے ہی بچوں کو پہنچے گا اور وہ علوم و فنون سیکھ کر بڑے بڑے مرتبوں تک پہنچ جائیں گے ۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ندامت سے ہاتھ ملو گے لیکن اس وقت ندامت تمھیں کوئی فائدہ نہ دے گی ۔

بانی مدرسے کے بانی کو اپنے خلاف شور و شغب سے بد دل نہ ہونا چاہیے کیوں کہ ہمیشہ سے یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ جب بھی کوئی نیک دل انسان لوگوں کی بھلائی کا کوئی کام

کرنا چاھتا ھے تو بے گانے تو ۔ گانے اپنے رفیق اور دم ساز بھی اس کی مخالفت پر کھڑے ھو جاتے ھیں اور اس کی راہ میں روڑے اٹکانے لگتے ھیں ۔ قدیم سے یہی روش چلی آئی ھے اور یہ کوئی انوکھی بات نہیں ھے ۔

شروع سال ۱۲۹۳ هجری

(۱۳۰۷ نبوی مطابق یکم شوال، ۱۲۹۳ هجری)

(تہذیب الاخلاق جلد ۷ نمبر ۱ بابت یکم شوال، ۱۲۹۳ هجری
صفحه ۲، ۳)

عرب میں به زمانه جاهلیت بہت سے سنه مروج تھے ۔ اولاً سنه بنائے کعبه رائج تھا ۔ پھر عمر بن ربیعه کی ریاست سے سنه شروع ہوا ۔ اصحاب الفیل کے واقعه تک وهی سنه جاری رہا ۔ پھر عام الفیل سے نیا سنه شمار ہونے لگا ۔

عرب کے قبیلوں میں بھی متعدد سنه رائج تھے ۔ جس قبیلے میں کوئی بڑا واقعه پیش آتا تھا اُسی واقعه سے نیا سنه شمار کرنے لگتے تھے ۔

آں حضرت صلعم کے وقت میں کسی سنه کے مقرر کرنے کا خیال نہیں ہوا ۔ کیوں که یه ایک امر تمدن سے متعلق تھا کوئی مذهبی بات نه تھی ۔

حضرت عمرؓ کے وقت میں اُس کی ضرورت پیش آئی ۔ ابو موسیٰ اشعری حاکم یمن نے لکھا که فرمان مورخه شعبان جو آیا ہے اُس سے نہیں معلوم ہوتا که کون سے شعبان کا لکھا ہوا ہے ۔ اس پر خیال ہوا که کوئی سنه مقرر کرنا چاهیے ۔ جو که (چوں که) تمام مہاجروین انصار مدینه منوره کے باشندے ہوگئے تھے اور مہاجرین پر هجرت سے بڑا کوئی واقعه نہیں گزرا تھا اور

مدینه منوره میں آنحضرت صلعم کے تشریف لانے اور سکونت اختیار کرنے سے بڑھ کر کوئی واقعه نه تھا ۔ اس لیے عرب کی عادت کے موافق هجرت سے سنه کا شمار هونے لگا ۔ در حقیقت یه سنه به نسبت عام امت محمدیه کے خاص مہاجرین اور انصار سے اور ساکنین مدینه منوره سے زیاده تر تعلق رکھتا تھا ۔ مگر جوں جوں اسلام کو اور حکومت اسلامیه کو وسعت هوتی گئی اور دور دور ملکوں میں پھیلتا گیا ۔ اسی سنه کا رواج هوتا گیا ۔ یہاں تک که اب یہی سنه مسلمانی سنه تصور کیا جاتا ھے ۔

ایک زمانے کے بعد ملکی انتظام کے لیے یه سنه مناسب نه معلوم هوا اور جب مسلمانوں کی حکومت هندوستان میں آئی تو کسی طرح ملکی انتظام ان سنوں سے نه هوسکا ۔ اکبر کے عہد سے پہلے جس قدر مسلمان گزرے اُنھوں نے سنه تو یہی قائم رکھا مگر ملکی سنه کو دو هجری سنوں سے ترکیب دے کر بنایا اور نصف مہینه ایک سنه کے اور نصف مہینه دوسرے سنه کے لے کر ایک برس قائم کیا اور کاغذات ملکی میں اس طرح پر تحریر هونے لگا ۔ مثلاً خریف ۱۲۹۲ هجری و ربیع ۱۲۹۳ هجری ۔

یه کارروائی بھی ملکی انتظام کے لیے کافی نه تھی اس لیے که هجری سنه کے مہینه قمری تھے ملکی پیداوار شمسی مہینوں پر موقوف تھی ۔ قمری سال میں دن کم تھے اور شمسی سال میں دن زیاده تھے اور ماه محرم جو هجری سال کا پہلا مہینه تھا کبھی ربیع میں آ جاتا اور کبھی خریف میں اس لیے اکبر کے عہد میں یه کارروائی هوئی که سنه تو وهی هجری قائم رکھا مگر اُس کے مہینه بجائے عربی کے جو قمری تھے هندی قمری کر دیے جو تیسرے سال کبیسه یعنی لوند کا مہینه بڑھنے سے شمسی هو جاتے تھے اور اُس کا فصلی سنه نام رکھ دیا اور ملکوں میں بھی اسی

طرح کچھ کچھ تبدیل ہوئی مگر مذہبی امور میں بہ جنسہ وہی سنہ اور وہی مہینے قائم رہے ۔

ادنیٰ غور سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ سنوں کے حساب پر کوئی مذہبی امر متعلق نہیں ہے ۔ صرف مہینوں کے حساب سے امور مذہبی متعلق ہیں ۔ مثلاً رمضان میں روزے رکھنے ہوں گے اور ذی الحجہ میں حج کرنا ہوگا ۔ اس سے کچھ بحث نہیں ہے کہ کون سے سنہ کا رمضان یا ذی الحجہ ہے ۔

پس ہجری سنوں سے بجز اس کے کہ زمانے کا شمار قائم کیا جاوے اور کچھ مطلب نہیں ہے ۔ جب کہ یہ ثابت ہوا کہ ہماری مذہبی کارروائی صرف قمری عربی مہینوں پر منحصر ہے تو ہم کو نہایت اچھا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کا شمار بھی ہم اپنی خاص مذہبی کارروائی سے کریں یعنی اس وقت سے جب کہ آں حضرت صلعم نے اپنی نبوت کا اظہار فرمایا اور جبریل امین نے خدا کی طرف سے کہا " اقراء بسم ربک الذی خلق خلق الا نسان من علق اقراء و ربک الا کرم الذی علم با لقلم علم الا نسان مالم یعلم ۔"

اگر اس خیال پر ہم زمانے کا شمار قائم کرنا چاہیں تو اول ہم کو یہ تحقیق کرنا پڑتا ہے کہ یہ نعمت عظمیٰ کب سے شروع ہوئی اور کس مہینے سے اس کے سال مبارک کا آغاز ہوتا ہے تو ہم کو قرآن مجید سے اس کا صاف پتہ ملتا ہے ۔ خدا نے فرمایا ہے "شہر رمضان الذی انزل فیہا القران" یعنی رمضان وہ مہینہ ہے جس میں ہم نے قرآن نازل کیا اور دوسری جگہ فرمایا ہے "انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" یعنی ہم نے قرآن کو نازل کیا شب قدر میں ۔ ان دونوں آیتوں سے دو باتیں معین ہوگئیں ۔ ایک یہ کہ قرآن رمضان میں نازل ہوا ۔ دوسرے

یہ کہ جس رات قرآن نازل ہوا اور اسی کے سبب شب قدر اُس کا نام پڑا وہ شب رمضان میں تھی - پس اگر تحقیق ہو جاوے کہ شب قدر کب تھی یعنی شب نزول قرآن کب تھی تو شروع سال نبوی بھی تحقیق ہو جاوے گا -

شب قدر کی نسبت جو روایتیں کتب احادیث میں مندرج ہیں وہ نہایت مختلف ہیں - اول اس بات میں بحث ہے کہ شب قدر ایک دفعہ ہو چکی یا ہر رمضان میں پھر پھر کر آتی ہے - اہل سنت و جماعت و شیعہ امامیہ کا یہی عقیدہ ہے کہ ہر سال پھر پھر کر آتی ہے اور سنی و شیعہ امامیہ دونوں اُس کی تلاش میں راتوں کو جاگتے اور اوراد و وظایف پڑھتے پڑھاتے ہیں - ہم بھی بہت راتوں جاگے ہیں مگر ہماری بدبختی سے ہم کو تو نہیں ملی -

قسطلانی شرح صحیح بخاری میں امام فاکہانی کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ شب قدر صرف ایک برس ھی جناب رسول خدا صلعم کے زمانے میں ہوئی تھی - ہم اتنا اور اس پر زیادہ کرتے ہیں کہ جب قرآن مجید نازل ہوا تھا اور ہم بھی امام فاکہانی کی تحقیق کو صحیح و درست سمجھتے ہیں -

> و حکی الفاکہانی انہا خاصۃ بسنۃ واحدۃ اوقعت فی زمنہ علیہ السلام (قسطلانی جلد ۳ صفحہ ۳۴۷)

خیر اس بحث کو چھوڑ دینا چاہیے اور اس باب میں کہ وہ رمضان میں کب ہوئی تھی توجہ کرنی چاہیے - تمام روایتوں کے ملانے سے یہ نتیجہ تو بہ خوبی نکل آتا ہے کہ رمضان کے عشرہ اخیر کی طاق راتوں میں ہوئی تھی اور بعضی روایتوں میں آیا ہے کہ شب اخیر رمضان میں ہوئی تھی اور اگر وہ مہینہ اُنتیس کا سمجھا جاوے تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق پیدا ہو جاتی ہے -

اگرچہ اس اختلاف سے ہمارے مقصد میں کچھ ہرج نہیں پڑتا کیوں کہ جب مذہبی امور کا انجام قمری مہینہ پر ہے جو چاند دکھلائی دینے سے شروع ہوتا ہے تو بعد رمضان جو پہلا چاند دکھائی دے گا وہی شروع سال ہوگا مگر ہم شب اخیر رمضان کو شب قدر سمجھتے ہیں جس میں قرآن مجید نازل ہوا اور یکم شوال روز عید المومنین کو شروع سال نبوی۔

ہجرت واقع ہوئی تھی ربیع الاول ۱۳ نبوی میں یعنی نبوت سے بارہ برس پانچ مہینے بعد۔ مگر تاریخ ہجری دو مہینے قبل سے شروع ہوتی ہے۔ پس یکم محرم سنہ ایک ہجری مطابق تھا یکم محرم ۱۳ نبوی کے اور یکم شوال ۱۴ نبوی مطابق تھا یکم شوال سنہ ایک ہجری کے اور یکم شوال ۱۳۰۱ نبوی مطابق تھا یکم شوال ۱۲۸۷ ہجری کے جس روز ہم نے ''تہذیب الاخلاق'' جاری کیا۔

ابتدا ہی سے ہمارا ارادہ تھا کہ ہمارا ''تہذیب الاخلاق'' سال نبوی کے حساب سے جاری رہے اور شوال ہی سے اُس کا شروع سال ہو مگر ہم اُس زمانے میں نسبت اجرائے پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کے اپنے ایک مقدس سرگھٹے ٹخنے کھلے ماتھے پر گٹہ پڑے دوست کے دست بیع ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے نہ مانا اور کہا اجی حضرت یہ بھی کوئی بات ہے جو سنہ صحابہ کے وقت سے متفق علیہ چلا آتا ہے اور جس پر اجماع اُمت ہو چکا ہے اُسی کو رکھنا چاہیے نئے سال کی کیا ضرورت ہے۔ لاچار ہمارا کچھ بس نہ چلا اور اُنھوں نے ''تہذیب الاخلاق'' کی جلدوں کے ٹکڑے کر دیے۔ پہلی جلد صرف تین مہینے کی رہ گئی ہے۔ ہم بھی وقت تک رہے تھے۔ اب کہ تمام اُمور پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' کے ہمارے ہاتھ میں ہیں اس لیے ہم اپنا قدیم ارادہ پورا کرتے

ھیں اور یکم شوال روز عید سعید سے نئی جلد شروع کرتے ھین ۔

یکم شوال ۱۳۰۱ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۷ ھجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۳۰۱ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۸ ھجری ایک جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۲ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۸ ھجری سے لغایت ۱۵ رمضان ۱۳۰۲ نبوی مطابق ۱۵ رمضان ۱۲۸۹ ھجری دوسری جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۸۹ ھجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۰۳ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۹۰ ھجری تیسری جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۰ ھجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۰۴ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۹۱ ھجری چوتھی جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۱ ھجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۰۵ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۹۲ ھجری پانچویں جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۲ ھجری سے لغایت یکم رمضان ۱۳۰۶ نبوی مطابق یکم رمضان ۱۲۹۳ ھجری چھٹی جلد پوری ھوئی ۔

یکم شوال ۱۳۰۷ نبوی مطابق یکم شوال ۱۲۹۳ ھجری سے یہ ساتویں جلد شروع ھے اور خدا سے آمید ھے کہ بخیر خوبی انجام پاوے اور اس کے ذریعے سے حقیقت دین مہدیؑ و اسرار دین احمدی علیٰ صاحبہا الصلواۃ و السلام لوگوں کے دلوں پر نقش ھوں اور مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت میں ترقی ھو ۔ آمین ۔

---

(۳) مضامین متعلق مدرسۃ العلوم مسلمانان

مدرسة العلوم مسلمانان کیسا ہوگا ؟

("تہذیب الاخلاق" بابت یکم رجب ۱۲۸۹ھ)

ہم سے لوگ باصرار پوچھتے ہیں کہ مدرسة العلوم مجوزہ میں طریقۂ تعلیم کیا ہوگا اور اس تعلیم میں اور گورنمنٹ کالجوں کی تعلیم میں کیا فرق ہوگا اور جو لڑکے اس میں رہیں گے وہ کیوں کر تربیت پائیں گے اور جو لڑکے وہاں نہ رہیں گے وہ کیوں کر داخل ہوں گے۔

ہم جواب دیتے ہیں کہ جب مدرسة العلوم قائم ہوگا تو ایک جدا کمیٹی اس کے انتظام کی مقرر ہوگی جو سینڈیکیٹ یعنی مجلسِ مدبّران تعلیم کہلاوے گی اور جس میں مسلمان بلا لحاظ فرقہ شریک ہوں گے۔ اس کمیٹی کی رائے پر ان سب باتوں کا انتظام منحصر ہوگا۔ مگر وہ لوگ اس جواب پر بس نہیں کرتے اور یہ بات کہتے ہیں کہ ہرگاہ تم اس کے بانی ہو تو تم بتاؤ کہ تم نے کیا نقشہ سوچا ہے اور کس تدبیر سے اس کا قائم ہونا سمجھا ہے ؛ قطع نظر اس بات سے کہ مدبّرانِ تعلیم اس کو بہ جنسہ بحال رکھیں یا کچھ تغیر و تبدل کریں تم تو اپنا نقشہ ہم کو بتلاؤ تاکہ ہم کو کچھ خیال ہو کہ یہ مدرسة العلوم کیا ہوگا اور کس طرح ہوگا۔ بس لاچار جو ہماری سمجھ میں ہے ہم بیان کرتے ہیں جو ابھی تک شیخ چلی کے خیالات سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتا۔

هم اس مدرسة العلوم کو محمڈن یونیورسٹی یعنی دارالعلوم مسلمانی بنانا اور بالکل آکسفورڈ اور کیمبرج کی یونیورسٹی کی (جس کو هم دیکھ آئے هیں) نقل آتارنا چاهتے هیں اور وہ نقل اس طرح پر آترے گی :

ذکرِ مکانات

ایک نہایت خوش آب و هوا شہر میں جو منجملہ شہر هائے کلاں نہ هو ، جس میں طالب علموں کا دل پڑھنے سے اچاٹ کرنے کی بہت سی ترغیبیں موجود هوتی هیں اور نہایت چھوٹا قصبہ بھی نہ هو اور اودھ اور مشرق اضلاع پنجاب سے بھی بہت دور نہ هو (کیوں کہ اس کے مغربی اضلاع کے لیے غالباً لاهور یونیورسٹی مفید هو) اور نیز روهیل کھنڈ کو ٹھیک اپنے سے ملاتا هو ایک وسیع ٹکڑا زمین کا خوش فضا جس کی تعداد پانچ سو چھ سو بیگھہ پختہ سے کم نہ هو لیا جاوے اور اس میں سڑکیں نکال کر اور درخت لگا کر بالکل پارک کے طور پر بنا دیا جائے هندوستان کے رهنے والوں نے پارک کو جو قدرتی نمونہ ہر ایک قسم کا بوستان هوتا هے نہیں دیکھا هے مگر الہ آباد کے رهنے والوں کو الفرڈ پارک جو بن رها هے دیکھ کر کچھ اس کا خیال آئے گا ۔ اس میدان میں مفصلہ ذیل عمارتیں بنائی جائیں گی -

اول : مدرسة العلوم ، جو نہایت وسیع و عالی شان مکان میں بنایا جائے گا ۔ اس کے بیچ میں بہت بڑا هال هوگا جس میں انشاء اللہ تعالیٰ محمڈن یونیورسٹی کے جلسے اور تقسیم انعام اور بعد حصول چارٹر عطائے خطاب اور حضور وائسرائے و گورنر جنرل بہادر اور جناب نواب لفٹنٹ گورنر بہادر کے تشریف لانے کے وقت اجلاس هوا کرے گا (کیا عمدہ بات هو ، اگر پہلا اجلاس حضور

لارڈ نارتھ بروک صاحب کا ہو ۔ اگرچہ یہ بات ہنسی معلوم ہوتی ہے مگر خدا کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ۔ ابھی پانچ برس ان کو رہنا ہے) ۔

اُس کے دونوں طرف چار کمرے پرنسپل اور پروفیسر اور ہیڈ ماسٹر کے لیے ہوں گے اور ان کے ادھر اُدھر ہر ایک جماعت کے لیے جدا جدا مناسب وسعت کے کمرے ہوں گے ۔ اس مدرسۃ العلوم کا نقشہ کسی بڑے انجینئر سے قریب قریب نمونہ پر رڑکی کالج کے بنایا جائے گا ۔

دوم ۔ جس طرح کہ کیمبرج و آکسفورڈ کی یونیورسٹیوں میں ہر ایک کالج کے ساتھ ایک گرجا ہے ۔ اسی طرح اس مدرسۃ العلوم مسلمانان کے ساتھ دو مسجدیں مناسب قطع پر ہوں گی ایک سنیوں کے لیے اور دوسری شیعوں کے لیے جن کا اہتمام اُسی مذہب کے لوگوں سے متعلق رہے گا ۔

سوم ۔ جس طرح کہ یونیورسٹی آکسفورڈ اور کیمبرج میں ذی مقدور طالب علم اور امیروں اور دولت مندوں کے لڑکے رہتے ہیں اور ان کے لیے مکانات تیار ہیں ، اسی طرح اُسی احاطہ بہ طور مناسب سو لڑکوں کے رہنے کے لیے مکانات بنائے جائیں گے اور ہر وقت ضرورت اور زیادہ ہوتے جائیں گے ۔ ہر لڑکے کو ایک غسل خانہ ، ایک سونے کا کمرہ اور ایک بیٹھنے اور لکھنے پڑھنے کا کمرہ ملے گا ۔

یہ مکانات بہ طور جائداد مدرسہ کے بنائے جائیں گے کیوں کہ جو لڑکے اس میں رہیں گے ان سے اس کا کرایہ لیا جائے گا اور بہ طور آمدنی جائداد مدرسے میں خرچ ہوگا ۔

ان مکانات سکونت کے شامل اور بڑے ہال بھی بنیں گے ۔ ایک ان میں سے وہ ہوگا جس میں سب لڑکے کھانا کھائیں گے

اور دوسرا وہ ہوگا جس میں لڑکے چھٹی کے وقت مختلف قسم کے کھیل جن سے عقل یا بدن میں قوت ہو کھیلا کریں گے ۔

چہارم ۔ اسی میدان میں ایک قطعہ مناسب منتخب کیا جائے گا جس میں لڑکوں کے کھیلنے کا میدان دوب کے فرش زمردیں سے آراستہ ہوگا ۔ اس قطعہ میں گیند گھر بنایا جائے گا ۔ میدانی گیند کھیلنے کی جگہ درست کی جائے گی ۔ اسی جگہ انگریزی قطع پر یعنی پٹے ہوئے مکان کے اندر بہت بڑا حوض بنایا جائے گا جو نہانے اور تیرنا سکھانے کے کام آئے گا ۔ اس کے پاس گھوڑ دوڑ کا چکر ہوگا جہاں لڑکے گھوڑے پر چڑھنا سیکھیں گے ۔

یہ سب چیزیں بہ طور جائداد مدرسہ متصور ہوں گی کیوں کہ ان سب چیزوں کی بابت بہ طور فیس ان لڑکوں سے کچھ لیا جائے گا اور کچھ اس کا مدرسے میں اور کچھ حصہ ان کے کھیل کی چیزوں کی درستی میں خرچ ہوگا ۔

یہ سب اخراجات انھیں امراء اور دولت مند لڑکوں سے متعلق ہوں گے جو مکانات مذکورہ بالا میں سکونت اختیار کریں گے اور ان لڑکوں سے جو صرف مدرسے میں پڑھنے آتے ہوں گے کچھ متعلق نہ ہوں گے ۔

پنجم ۔ چار بنگلے اس احاطہ میں بنائے جائیں گے جس میں انگریز پرنسپل اور پروفیسر اور ہیڈ ماسٹر رہا کریں گے ۔

ششم ۔ ایک بنگلہ اور بنایا جائے گا جس میں گورنر یعنی منتظم مدرسہ جو تمام لڑکوں کی خبرداری اور تمام چیزوں کی نگرانی کرے گا رہا کرے گا ۔

ہفتم ۔ ایک جگہ انگریزی دوائی خانہ مع ایک نیٹو ڈاکٹر اور کمپاؤنڈر کے رہنے کی جگہ اور ایک یونانی دواخانہ جس میں

دوا ساز کے رہنے کی بھی جگہ ہوگی تعمیر ہوگا -
ہشتم - ایک بنگلہ اور بنایا جائے گا جو بہ نام شفاخانہ نام زد ہوگا اس لیے کہ اگر کوئی لڑکا کسی قسم کی بیماری سے دفعتاً بیمار ہو جائے تو اس میں رہے -
نہم - مکانات اصطبل اور شاگرد پیشہ و باورچی خانہ اور گودام بہ طور مناسب تعمیر ہوں گے -

ذکر رہنے لڑکوں کا مکانات مدرسے میں

جو لڑکے ان مکانات میں سکونت اختیار کریں گے اُن پر اسی طرح جس طرح کہ کیمبرج اور آکسفورڈ کے کالجوں پر گرجا میں جانا اور نماز میں شریک ہونا ضرور ہے اپنی اپنی مسجدوں میں جانا اور نماز میں شریک ہونا فرض ہوگا یعنی لڑکوں کو پانچ وقت کی نمازوں میں حاضر ہونا اور نماز جماعت سے پڑھنا واجب ہوگا اور شیعہ لڑکوں کو صرف تین وقت اس لیے کہ وہ ظہر و عصر مغرب و عشا ساتھ پڑھ لیں گے -

جو لڑکے صرف مدرسے میں پڑھنے کو حاضر ہوں گے اُن کو ظہر و عصر کی نمازوں میں شریک ہونا واجب ہوگا -

اگر سینڈیکیٹ یعنی مدبران تعلیم سوائے مسلمانوں کے اور کسی قوم کے لڑکے کو مدرسۃ العلوم میں پڑھنے کی اجازت دیں گے تو وہ صرف مسجد میں حاضر ہونے اور نماز میں شریک ہونے یا اور کوئی مذہبی کام کرنے سے بری رکھا جائے گا جس طرح کہ آکسفورڈ اور کیمبرج میں غیر مذہب کا طالب علم گرجے میں حاضر ہونے اور رسومات مذہبی ادا کرنے سے بری رہتا ہے -

جس قدر طالب علم آکسفورڈ کیمبرج کی یونیورسٹیوں میں پڑھتے ہیں اُن کو ایک قسم کا کوٹ اور ایک قسم کی ٹوپی ملتی

ہے تاکہ ایک قسم کا لباس سب کا ہو جائے ۔ اس سے نہایت عمدہ فائدے ہیں جن کا بیان اس مقام پر ضرور نہیں ۔ مدرسۃ العلوم کے طالب علموں کو بجائے کوٹ کالے الپکہ کا نیمہ آستین چغہ لال ترکی ٹوپی جس کا رواج روم اور مصر اور عرب و شام میں ہے اور اب وہ ٹوپی خاص ترکوں یعنی مسلمانوں کی ٹوپی سمجھی جاتی ہے دی جائے گی ۔ اس کے سوا ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ جیسا لباس چاہے ویسا پہنے ۔

تمام طالب علم جو مکانات مدرسے میں سکونت رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں جب مدرسے میں یا کتب خانے میں یا عجائب خانے میں یا اخباروں کے کمرے میں آئیں گے تو بغیر اس چغہ اور ٹوپی کے آنے کے مجاز نہ ہوں گے اور مدرسے کے رہنے والے طالب علم اُن دنوں میں جب کہ مدرسہ کھلا ہوگا اور اگر مدرسے سے باہر جائیں گے تو بھی چغہ اور ٹوپی پہن کر جائیں گے ۔

ہر طالب علم کو مدرسے میں انگریزی جوتا اور موزہ پہن کر آنا ہوگا ۔ ننگے پاؤں پھرتے یا ہندوستانی جوتا پہن کر آنے کی اجازت نہ ہوگی ۔

کوئی طالب علم دھوتی پہن کر مدرسے میں آنے کا مجاز نہ ہوگا ۔

تمام طالب علم جو وہاں رہتے ہوں گے بعد نماز صبح پیادہ پا ہوا کھانے احاطے میں ایک قاعدہ کے ساتھ پھریں گے اور جاڑوں میں قبل مغرب اور گرمیوں میں بعد مغرب گاڑیوں میں ہوا کھانے جائیں گے ۔ ان کے لیے ایک قسم کی گاڑیاں ہوا خوری کی جس میں جوڑی گھوڑوں کی جتی ہوگی اور سولہ یا بارہ لڑکے اس میں بیٹھ سکیں گے، مہیا اور موجود رہیں گی ۔

لڑکوں کے پڑھنے اور کھیلنے اور کھانے اور سونے اور

نہانے اور کپڑے بدلنے کے سب وقت معین ہوں گے اور ہر لڑکے کو اُس وقت وہی کام کرنا ہوگا جو اُس وقت کے لیے مقرر ہے ۔ یہاں تک کہ جو وقت سونے کا ہے اگر طالبِ علم چاہے کہ میں اُس وقت پڑھوں اور تھوڑی دیر کے بعد سوؤں تو وہ ایسا نہیں کر سکے گا بلکہ اُس کو ضرور ہوگا کہ سونے کے وقت پر سو رہے ۔ اگرچہ بالفرض نیند نہ آئے تو پلنگ پر آنکھیں بند کیے پڑا رہے ۔

کھیلنے کے لیے متعدد قسم کے کھیل کے سامان موجود ہوں گے اور جو کھیل جس کو پسند ہوگا وہ اختیار کرے گا ۔ گھوڑے پر چڑھنا ، بندوق لگانا ، تیرنا یہ سب کام بھی مناسب طور پر اور اندازہ پر سکھایا جائے گا ۔

الفاظِ بد جو لڑکوں کی زبان پر چڑھ جاتے ہیں اُن کے بولنے کا سخت امتناع ہوگا یہاں تک کہ اگر کوئی لڑکا کسی کو جھوٹا کہہ بیٹھے گا تو وہ بہ منزلہ دشنام سخت کے سمجھا جائے گا ۔

تمام طالب علم مدرسہ کے رہنے والے ایک کمرہ میں ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھائیں گے ۔ طرز کھانے کا یا تو مثل ترکوں کے ہوگا ، جو میز کرسی پر بیٹھ کر کھاتے ہیں یا مثلِ عربوں کے ہوگا جو زمین پر بیٹھ کر اور چوکی پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں ۔

ان دونوں طریقوں میں وہ طریقہ اختیار کیا جائے گا جس کو خود لڑکے کثرت رائے سے پسند کریں گے ۔

تمام چیزیں کھانے کی وقتاً فوقتاً پکائی جائیں گی اور ہر موسم کا میوہ بھی لڑکوں کو مناسب طور سے دیا جائے گا اور ہر ہفتہ میں ایک خاص کھانا خود لڑکوں کی فرمائش سے پکایا

جائے گا جس کو وہ خود اپنی کثرت رائے سے قرار دیں گے بہ شرطیکہ بہ لحاظ موسم کے وہ صحت کو مضر نہ ہو ۔

تمام اسباب پلنگ وغیرہ بچھونا فرش سب منتظم مدرسہ مہیا کرے گا ۔ کسی سامان یا فرنیچر کی کسی طالب علم کو فکر و تدبیر کرنی نہ ہوگی ۔

تمام خدمت گار فراش ، سقّہ و دھوبی ، باورچی ، کہار سب منتظم مدرسہ مقرر کرے گا اور مکانات میں تقسیم کر دے گا ۔ وہی تمام خدمت لڑکوں کی کریں گے ۔ کسی طالب علم کو اپنا خاص خدمت گار رکھنا ضرور نہ ہوگا بجز کسی خاص حالت کے جس کو منتظم مدرسہ منظور کرے گا ۔

لڑکوں کو صفائی سے رہنے کی نہایت تاکید ہوگی اور قبل اس کے کہ کوئی لڑکا سکونت کے لیے مکانات میں داخل ہو ، یہ بات دیکھ لی جائے گی کہ جس قسم کے کپڑے وہ پہنتا ہے اس کے پاس اس قدر تعداد سے ہیں جن سے وہ صفائی اور اجلے پن سے رہ سکے یا نہیں ۔

کسی لڑکے کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ گوٹے اور کناری لگا ہوا یا بازار کا رنگا ہوا رنگین و نیم رنگ یا ایسا باریک جس میں سے بدن دکھائی دے یا ایسا تنگ جس سے چوچی اور پیٹ نظر آوے کپڑا پہنے ۔

کسی لڑکے کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ بہت بڑے بڑے بال جو کان کی لو سے زیادہ نیچے ہوں سر پر رکھے یا کاکلیں بنائے یا پٹیاں جمائے یا مسی لگائے یا انگوٹھی و چھلے پہنے یا کسی انگلی پر مہندی لگائے ۔

کوئی شخص مدرسے میں اور کوئی طالب علم جو وہاں

رهتا ہے۔پان کھانے یا ہندوستانی حقہ یا چرٹ پینے کا مجاز نہ ہوگا۔

جو لڑکے وہاں رہتے نہ ہوں،صرف پڑھنے آتے ہوں،اُن کے لیے ایک جگہ تجویز کی جائے گی جہاں ان کی ٹوپی اور چغہ اور انگریزی جوتے رکھے رہیں گے۔ جب وہ مدرسے میں آئیں گے وہاں سے پہن کر چلے آئیں گے اور جب جائیں گے وہاں رکھ جائیں گے۔

جو لڑکے پڑھنے آئیں گے اگر وہ میلے ہوں گے اور صاف کپڑے پہنے ہوئے نہ ہوں گے تو جماعت میں بیٹھنے کی ان کو اجازت نہ ہوگی۔

بیرونِ احاطۂ مدرسہ بھی کچھ مکانات بنانے اور بنوانے کی فکر کی جائے گی تاکہ غریب لڑکے جو اس قدر خرچ سکونت اختیار نہیں کر سکتے اُن مکانوں میں بہ طور خود جس طرح ہر چاہیں رہیں۔

تنبیہ و تادیب

لڑکے جو تقصیر کریں گے اُن کو کسی قسم کی سزائے بدنی یا ایسی سزا جس سے رفتہ رفتہ غیرت جاتی رہتی ہے،نہیں دی جائے گی۔ ماسٹروں کو اختیار ہوگا کہ جو لڑکا کچھ تقصیر کرے یا سبق یاد نہ کرے اُس کو یہ سزا دیں کہ جس قدر وقت پڑھنے کا ہے اُس کے علاوہ ایک گھنٹہ یا دو گھنٹے اور پڑھے اور اس کو چھٹی اور لڑکوں کے ساتھ نہ دی جائے یا جماعت میں وقتِ معین تک کھڑا کر دیا جائے تاکہ اور لڑکے دیکھیں کہ اس نے تقصیر کی ہے۔ اگر اس سے بھی زیادہ سزا کے لائق تقصیر ہو تو ہیڈ ماسٹر کے پاس رپورٹ ہوگی اور ہیڈ ماسٹر دریافت حال کرنے کے بعد یہ سزا دے سکے گا کہ ایک خاص تپائی پر میعادِ معین

تک اس کو کھڑا کر دے گا اور ایک کاغذ کی ٹوپی جس پر
اُلّو کی صورت بنی ہوئی ہوگی، رکھ دے گا۔

یہ سزا بھی کم عمر طالب علموں کو دی جائے گی مگر
جو طالب علم ہوشیار اور سمجھ دار ہوگئے ہیں اُن کو صرف
فہمائش زبانی ہوگی اور جو لڑکا ایسا نالائق ہوگا کہ اس قسم کی
سزاؤں سے اس کو غیرت نہ ہوگی اور شرارت نہ چھوڑے گا تو
مدرسے سے خارج کیا جائے گا تاکہ اور لڑکے اس کی بد خصلتیں
نہ سیکھنے پائیں۔

جو لڑکے کسی قسم کے کھیل میں شرارت کریں گے اور
خلاف قاعدہ عمل کریں گے اُن کی سزا یہی ہوگی کہ چند مدت
کے لیے وہ اس کھیل سے خارج کیے جائیں گے اور اس میں شامل
نہ ہوں گے۔

جو لڑکے آپس کی ملاقات اور سوشل باتوں میں کوئی تقصیر
کریں گے وہ چند روز کے لیے سوسائٹی سے خارج کر دیے
جائیں گے۔ نہ اُن کو ساتھ کھانا ملے گا، نہ ساتھ کھیلنا، نہ
ساتھ رہنا، نہ کسی لڑکے سے ملنا اور بات چیت کرنا اور جس
لڑکے کے لیے یہ سزائیں کافی نہ ہوں گی وہ مدرسے سے خارج کیا
جائے گا۔

جھوٹ بولنا گو وہ کیسی ہی خفیف بات میں کیوں نہ ہو،
ایک بہت بڑا جرم سوسائٹی کا سمجھا جائے گا۔ اسی طرح
کسی کو جھوٹا کہہ بیٹھنا جرم سوسائٹی متصور ہوگا گو کہ اس
شخص نے جھوٹ ہی کیوں نہ بولا ہو۔

حالتِ بیماری

کسی قسم کی بیماری کی حالت میں فی الفور ڈاکٹر صاحب سے
یا ہندوستانی طبیب سے جو مدرسے سے متعلق ہوگا، حسبہٖ مرضی

لڑکوں کے مربیوں کے رجوع کی جائے گی - دونوں قسم کے دواخانہ سے دوا ملے گی اور فی الفور ان کے مربیوں کو اطلاع دی جائے گی تاکہ جس طرح ان کی مرضی ہو اُس کے مطابق کیا جائے - یہ تمام طریقے تو لڑکوں کے رہنے اور تربیت پانے کے تھے۔اب اصل مقصد جو تعلیم ہے وہ بیان کیا جاتا ہے -

طریقِ داخلہ و فیس

یہ بات خوب یاد رہے کہ ہر شخص کو آمدنی مدرسہ کے اضافہ ہونے کی فکر رہنی چاہیے کیوں کہ جس قدر آمدنی زیادہ ہوگی اُسی قدر عمدہ سامان تعلیم مہیا ہوتا جائے گا - اس لیے گو کہ اس مدرسے کی بنا اس روپیہ کی آمدنی سے ہوگی جو چندہ سے جمع ہوتا ہے تو بھی فیس ماہواری اور فیس داخلہ لینے کا قاعدہ جاری رہے گا -

البتہ ممبران کمیٹی کو اختیار ہوگا کہ جو غریب لوگ ہوں اُن سے فیس نہ لیں اور بلا فیس داخل کریں یا نہایت قلیل فیس اُس کے لیے مقرر کریں - اس تدبیر سے غریب اور محتاج لڑکوں کی تعلیم میں بھی ہرج نہ ہوگا اور ذی مقدور لڑکوں کی فیس سے آمدنی مدرسے میں اضافہ ہوگا اور پھر وہ فیس انھی لڑکوں کی تعلیم میں صرف ہوگی -

طریقۂ تعلیم

انگریزی کالجوں میں تمام طالب علموں کو یکساں علوم پڑھائے جاتے ہیں - جو چیزیں ایک لڑکا جانتا ہے وہی دوسرا جانتا ہے-گویا وہاں کے طالب علم مثل چھاپہ کی کتابوں کے ہوتے ہیں۔یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے بلکہ ہر قسم کے علوم کی جدا جدا شاخیں مقرر ہوں گی اور طالب علموں کو اختیار ہوگا

کہ جس قسم کا علم تحصیل کرنا چاہیں اُس میں داخل ہوں ۔

ابتدائی تعلیم البتہ سب کی یکساں ہوگی اور وہ علوم بہ قدر حاجت کے سب کو یکساں پڑھائے جائیں گے جو دیگر علوم کے لیے بہ منزلہ آلہ کے ہیں اور جو عام تعلیم کہلاتی ہے جس کی واقفیت عموماً سب کو چاہیے ۔ اگر اُس درجہ تک تعلیم پانے کے بعد حسب تفصیل ذیل جدا جدا قسمیں علوم کی بنا دی جائیں گی اور ہر شخص کو اختیار ہوگا کہ جون سا علم چاہے اختیار کرے ۔ پھر اُسی میں اس کی تعلیم ہوگی ۔ اُسی میں اس کا امتحان ہوگا ۔ اُس میں خطاب پائے گا اور اسی علم کا عالم کہلائے گا اور وہ قسمیں یہ ہوں گی ۔

اول علمِ ادب : یعنی علم انشاء ۔ جس کو زبان دانی کہتے ہیں ۔ صرف تین زبانوں کا علم انشاء سکھایا جائے گا ۔ انگریزی ، عربی ، فارسی ، اور فارسی میں اُردو بھی شامل سمجھی جائے گی ۔

کسی لڑکے کو مجبور نہ کیا جائے گا بلکہ اس کو اختیار ہوگا کہ ان زبانوں میں سے جون سی زبان کا چاہے علم ادب سیکھنا اختیار کرے اور چاہے دو زبانوں کا علم ادب سیکھنا پسند کرے ۔

زبان دانی حقیقت میں کوئی علم نہیں ہے لیکن چوں کہ اب ہم مسلمانوں کے لیے عربی و فارسی ایسی ہی غیر اور اجنبی زبان ہوگئی ہے جیسے کہ انگریزی ہے اس لیے ہم کو ان زبانوں کا حاصل کرنا ہی بہ منزلہ ایک علم کے ہوگیا ہے اور اب ہم کو زبان دانی میں کامل ہونے کی نہایت ضرورت ہوگئی ہے اور ہماری بہت سی دنیوی ضرورتیں بلکہ دینی ضرورتیں بھی کامل زبان دانی پر منحصر ہوگئی ہیں خصوصاً انگریزی زبان کی نہایت عمدہ اور

کامل زبان دانی پر۔

اسی قسم سے متعلق رہے گا علم تاریخ اور جغرافیہ کیوں کہ علمِ ادب اور تاریخ و جغرافیہ بالکل لازم و ملزوم ہیں۔ علم ادب پڑھانے کو تاریخ کا سکھانا اور تاریخ کے لیے جغرافیہ کا سکھانا لازم و ضرور ہے۔

اسی قسم میں ہر ایک زبان کی جس میں علم ادب پڑھا جائے صرف و نحو و معنی و بیان و عروض و قافیہ سب داخل ہے اور مشکل کتابیں نظم و نثر کی پڑھنی اور اُس زبان کی انشا پردازی اور اُس زبان میں گفتگو کرنا و نظم و نثر لکھنی سب اس میں شامل ہیں۔

انگریزی زبان کا علم ادب سیکھنے والوں کو لیٹن زبان کا سیکھنا بھی ضروریات سے ہوگا اور گریک یعنی یونانی کا بھی کسی قدر اس کے ساتھ سیکھنا طالب علم کی خوشی پر منحصر ہوگا۔

دوم علمِ ریاضی : اس علم کی چھتیس شاخیں ہیں اور اس میں تمام علوم جو ہندسہ اور حساب اور جبر مقابلہ اور ہیئت و مثلث و علم جزئیات و کلیات اور ہندسہ بالجبر اور علم مناظر وغیرہ سب شامل ہیں۔

اسی شاخ میں انجنیری اور علم آلات یا علم جرثقیل، علم حرکت و سکون، علم آب، علم ہوا اور پیمائش اور نقشہ کشی اور طیاری و تخمینہ نقشہ مکانات شامل رہے گا۔

سوم علمِ اخلاق : اس قسم میں علم اخلاق اور علم قوی انسانی اور علم منطق اور فلسفہ مع اصول علم حکمت اور علم سیاست مدن یعنی اصول گورنمنٹ اور علم انتظام مدن اور اصول قوانین اقوام قدیم اور اصول قوانین اقوام مختلفہ جو انٹرنیشنل لاء

کہلاتا ہے اور اصول قوانین مروجہ زمانہ حال سب داخل ہیں۔

اسی میں شامل ہیں تاریخ قوانین اور روم کبیر کے پرانے قوانین جن پر قوانین اقوام یورپ زمانہ حال مبنی ہیں۔

چہارم علمِ طبیعیات : یعنی وہ علوم جو انگریزی زبان میں نیچرل سینسر کہلاتے ہیں اور اس میں مفصلہ ذیل علوم داخل ہیں۔

کیمسٹری یعنی علم کیمیا۔
مائینورولوجی یعنی علم معدنیات۔
جیالوجی یعنی علم طبقات الارض۔
باٹنی یعنی علم نباتات۔
زواولوجی یعنی علم حیوانات۔
علمِ تشریح۔
علمِ برق وغیرہ۔

پنجم علمِ الٰہیاتِ اسلامی : اس قسم میں علم عقائد، علمِ تفسیر، علمِ فقہ، علمِ حدیث، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، علمِ سیر، علمِ کلام داخل ہوں گے۔

اس پانچویں قسم کے لیے دو حصے جداگانہ ہوں گے۔ ایک سنیوں کے لیے، ایک شیعوں کے لیے اور جدا جدا مدرس بھی ہوں گے اور اس قسم کی تعلیم کا انتظام بھی جدا جدا ممبروں سے متعلق ہوگا۔ سنی مذہب کے ممبر سنیوں کی اس تعلیم کا اور شیعہ مذہب کے ممبر شیعہ مذہب کی تعلیم کا انتظام کریں گے۔

نہایت سختی کے ساتھ قید ہوگی کہ کسی وقت اور کسی موقع پر شیعہ و سنی لڑکے آپس میں کچھ ذکر مذہب کا نہ کیا کریں گے اور جو طالب علم کرے گا وہ سوسائٹی کے برخلاف کام کرنے کے جرم کا مجرم متصور ہوگا اور سوسائٹی سے علیحدہ

کر دیا جائے گا۔

زبانیں جن میں علوم تعلیم ہوں گے

ایک حصہ اس مدرسے کا انگریزی ہوگا۔ اس میں تمام علوم و فنون جو اوپر مذکور ہوئے سب انگریزی میں پڑھائے جائیں گے الا ہر ایک طالب علم کو دوسری زبان بھی مفصلہ ذیل زبانوں میں سے سیکھنی پڑے گی۔ لیٹن و اردو یا لیٹن و فارسی یا لیٹن و عربی اور اس کو بہ شمول اپنی تعلیم کے کچھ مختصر کتابیں فقہ و حدیث و عقائد کی عربی یا فارسی یا اردو کسی ایک زبان میں پڑھ لینی ہوں گی۔

دوسرا حصہ اس مدرسے کا اردو ہوگا اور تمام علوم و فنون مذکورہ بالا سب اردو میں پڑھائے جائیں گے مگر اسی کے ساتھ ہر ایک طالب علم کو دوسری کوئی زبان مفصلہ ذیل زبانوں میں سے سیکھنی پڑے گی۔ انگریزی یا فارسی یا عربی۔

تیسرا حصہ اس مدرسے کا عربی فارسی ہوگا اور یہ حصہ ان لڑکوں کے لیے ہوگا جو عربی یا فارسی کا علم ادب یا مسلمانی مذہب کی الٰہیات پڑھنی چاہتے ہوں۔ جو قسم پنجم تعلیم ہے۔ اس میں اکثر طالب علم دوسرے حصہ مدرسے کی تحصیل تمام کرنے کے بعد ترقی کر کے آویں گے اور ایسے طالب علم بھی داخل ہوں گے جنھوں نے خارج از مدرسہ کہیں تعلیم پائی ہو اور صرف ان ہی دونوں قسموں کے علوم کو پڑھنا چاہتے ہوں اور ان علموں کے پڑھنے کی لیاقت و استعداد بھی رکھتے ہوں۔

مدرّسان و پروفیسران

ہر ایک حصہ مدرسے میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہوگی اور نہایت لائق و قابل پروفیسر و مدرس ہر حصہ کے لیے

هوں گے ۔ پرنسپل انگریزی مدرسہ نہایت نیک اور نہایت لائق اور نامی شخص ہوگا جیسے کہ ایک زمانہ میں ڈاکٹر بلٹین بنارس کالج میں تھے یا اب ہمارے زمانہ میں مسٹر گریفتھ صاحب بنارس کالج میں اور مسٹر وبٹن صاحب آگرہ کالج میں ہیں ۔

انگریزی کالج کا پروفیسر بھی ایسا ہی عالم اور نیک شخص ہوگا جیسے کہ اس وقت میں مسٹر ڈیہارٹن صاحب بنارس کالج میں ہیں ۔

انگریزی نیچرل سائنس اور میتھی میٹکس کا پروفیسر بھی کوئی نہایت لائق اور نیک انگریز ہوگا ۔ نہایت مضبوط ارادہ ہے کہ کوئی دقیقہ عمدگی اور عمدہ تعلیم کا فروگذاشت نہ کیا جائے ۔

علاوہ ان کے انگریزی حصہ میں ہندوستانی ماسٹر بھی ہوں گے جنھوں نے انگریزی کالجوں میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور یونیورسٹیوں کے خطاب پائے ہیں ۔

اُردو حصہ بھی انگریزی حصہ کے افسروں کے تابع اور اُن کی نگرانی میں رہے گا اور اُس کے ہندوستانی پروفیسر ہوں گے جو اُن علوم کو پڑھا سکتے ہوں گے اور افسران حصہ انگریزی اُن کی مدد کرتے اور اُن کو ہدایت کرتے رہیں گے اور مضامین مشکلہ بتا دیا کریں گے ۔

عربی اور فارسی کے علم ادب کے لیے ایک بہت بڑا مولوی ادیب بیش قرار مشاہرہ پر نوکر ہوگا اور وہی مدرس اول کہلائے گا اور اس کے ماتحت بہ قدر حاجت اور بھی پروفیسر یعنی مدرسان ملازم ہوں گے ۔

مسلمانی علم الٰہیات یعنی قسم پنجم کی تعلیم کے وہ بڑے عالم ایک سنی مذہب کا اور ایک شیعہ مذہب کا نوکر ہوگا تاکہ اپنی اپنی جماعت کو علوم مذکورہ کی تعلیم دے ۔

مدرسہ میں ھمیشہ مختلف علوم پر لکچر ھوا کریں گے اور مہینے میں ایک دفعہ مذھبی مدرس اپنی اپنی مسجدوں میں اپنے مذھب کے لڑکوں کو مذھبی لکچر سنایا کریں گے -

خود لڑکے بھی باھم مل کر ایک کلب جس کا نام انشاء اللہ تعالٰی مثل کیمبرج کی کلب کے یونین کلب کہلائے گا جس کا ترجمہ مجلس متفقہ ھے مقرر کریں گے اور اس میں علمی باتوں اور دنیاوی علوم میں مباحثہ ھوا کرے گا اور قواعد اسپیچ بعینہ وھی ھوں گے جو کیمبرج یونین کلب میں ھیں -

مدرسے کی بنیاد جس دن رکھی جائے گی وہ دن ھمیشہ مدرسے کی سال گرہ کا ھوگا اس دن ھمیشہ مدرسے کی یادگاری کے لیے مجلسیں اور خوشیاں کی جایا کریں گی -

مدرسے کی بنیاد کے دن جس قدر حکام انگریزی اور نامی رئیسان و راجگان و نوابان موجود ھوں گے ان سب کے نام سنگ مرمر پر کندہ ھوں گے اور وہ پتھر مدرسے کے بڑے ھال میں لگایا جائے گا - ھم کو خدا سے امید ھے کہ اس پتھر پر سب سے اول لارڈ نارتھ بروک ھمارے زمانہ کے وائسرائے و گورنر جنرل ھندوستان کا نام نامی ھوگا -

علاوہ اس کے سنگ مرمر پر ان تمام لوگوں کے نام نامی جنھوں نے پان سو روپیہ یا اس سے زیادہ چندہ دیا ھوگا مع تعداد چندہ کندہ ھو کر مدرسے کے بڑے ھال میں لگایا جائے گا تاکہ آئندہ کی نسلیں یاد رکھیں کہ کون لوگ ان کے مربی ھوئے تھے -

جو لوگ بڑے بڑے حامی اس مدرسہ کے ھوئے ھیں ان کی روغنی تصویریں قد آدم نہایت عمدہ سنہری چوکھٹوں میں لگی ھوئی ھمیشہ کی یادگاری کے لیے مدرسے میں رکھی جائیں گی -

اور اُمید ہے کہ سب سے پہلے تصویر لارڈ نارتھ بروک ہمارے زمانہ کے وائسرائے و گورنر جنرل ہندوستان کی ہوگی اور ہندوستانیوں میں اپنی قوم کے خیر خواہ جناب عالی خلیفہ سید محمد حسن صاحب وزیر اعظم راج پٹیالہ کی ہوگی جنھوں نے نہایت توجہ اس کام میں فرمائی ہے ۔

ہم کو یہ بھی اُمید ہے کہ حضور عالی جناب نواب محمد کلب علی خان بہادر والیِ رام پور کی جانب سے اس مدرسے کے لیے ایسی مدد ملے گی کہ ہندوستانی والیانِ ملک میں سے سب سے اول ان کی تصویر رکھی جائے گی اور خدا ایسا کرے کہ انھی کے پاس ان کے وزیر اعظم مولوی محمد عثمان خان صاحب کو جگہ ملے ۔

یہ سب باتیں ابھی تو مثل ایک خواب کے ہیں ۔ یا تو خدا نخواستہ وہی مثل ہوگی کہ اتنے میں آنکھ کھل گئی یا انشاء اللہ تعالیٰ بعینہٖ اس کا ظہور ہوا اور ٹھیک تعبیر ہوئی ۔

ہم کو خدا سے امید ہے کہ ٹھیک تعبیر ہی ہوگی کیوں کہ الرؤیا شعبة من النبوة نہایت متبرک قول ہے ۔

اب دعا یہ ہے کہ خدا ہمارے کام میں برکت دے اور اس امرِ عظیم کو جو ہماری طاقت سے باہر ہے اپنے فضل و کرم سے پورا کر دے ۔ آمین ، ثم آمین ۔

مجوّزہ مدرسۃ العلوم مسلمانان

("تہذیب الاخلاق" بابت ۲۹ شعبان ۱۲۸۹ھ)

ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ "سچی رائے میں بھی کوئی ایسی کرامات نہیں ہوتی کہ وہ از خود لوگوں کے دل میں بیٹھ جائے ۔ اُس میں جو کچھ کرامات ہوتی ہے وہ صرف اسی قدر ہوتی ہے کہ مباحثہ کا اُس کو خوف نہیں" ۔

مجوزہ مدرسۃ العلوم مسلمانان پر جو بحث اخباروں میں ہوئی (بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ ہماری تدبیر کے موافق تھی یا مخالف) اُس سے ہم کو نہایت خوشی ہوتی ہے اور اس بات کے دیکھنے سے کہ لوگوں نے اُس پر توجہ کی اور مباحثہ کیا ہم کو اپنے مقصود کے حاصل ہونے کی قوی تر امید ہوتی ہے ۔

نہایت نامی اخبار "پایونیر" میں آرٹیکل لکھنے والا ہم کو یقین دلاتا ہے کہ گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں میں مسلمان طالب علموں کی تعداد کم نہیں ہے ۔ اس خوش خبر سے ہم نہایت خوش ہیں اور اپنے تئیں مبارک بادی دیتے ہیں مگر یہ کہتے ہیں کہ جس تعداد کو اُس آرٹیکل لکھنے والے نے کافی سمجھا ہے وہ ہماری رائے میں بہت کم ہے اور بہت زیادہ ہونی چاہیے ۔ اس تعداد سے ہماری تسلی نہیں اور زیادہ ہو اور زیادہ ہو ۔ پس یہ ہماری خواہش غالباً کسی انسان دوست آدمی کی نگاہ میں کسی طعنہ یا نفرین کے قابل نہ ہوگی ۔ جو تعداد کہ مسلمان طالب علموں کی اب گورنمنٹ کالجوں اور سکولوں میں ہے کیوں ہم اُسی پر قناعت کریں اور جو لوگ اس تعلیم میں

کچھ نقصان دیکھتے ھیں (گو ان کا ایسا خیال غلط ھی ھو) کیوں نہ ان کی ترقی تعلیم کے لیے کوشش کریں ۔

"انڈین آبزرور" مطبوعہ ۲۸ ستمبر ۱۸۷۲ء میں آرٹیکل لکھنے والے نے ھم کو سخت متکبر اور متعصب کہا ھے اور یہی سبب ھم کو گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں سے کم فائدہ حاصل کرنے کا قرار دیا ھے ۔ اس آرٹیکل کو پڑھ کر اول اول تو ھم کو بہت تردد و خوف معلوم ھوا ۔ تردد تو اس بات کا ھوا کہ یہ کس کا لکھا ھے ۔ مسٹر ڈی ۔ پی ۔ آئی ۔ کا یا مسٹر سی ۔ ایس ۔ کا اور خوف اس بات کا تھا کہ اگر پچھلے کا ھو تو ایسا نہ ھو کہ وہ کبھی ھمارے ملک کا لفٹنٹ گورنر ھو جائے اور مسلمانوں کی زندگی اس کے ھاتھ میں پڑ جائے ۔ مگر چوں کہ اس آرٹیکل کے مضمون اکثر وہ ھیں کہ جو مدت ھوئی کہ ھم سن چکے تھے اس لیے ھمارا وہ تردد اور خوف دونوں جاتے رھے ۔

مگر ھم کہتے ھیں کہ ھاں ھم متکبر بھی ھیں اور متعصب بھی ھیں ۔ پر کیوں نہ ھم ایسا طریقۂ تعلیم اختیار کریں جس سے ھمارے تکبّر و تعصّب میں بھی خلل نہ آئے اور ھم تعلیم بھی پائیں ۔

"انڈین آبزرور" کا آرٹیکل لکھنے والا ھم کو طعنہ دیتا ھے کہ "خاص مسلمانوں کے کالج قائم کرنے کے لیے کافروں سے (یعنی انگریزوں سے) کیوں مدد لی جاتی ھے اور یہ بھی لکھتا ھے کہ اگر ایسا مدرسہ خود مسلمانوں ھی کی کوششوں سے قائم ھوگا تو یہ ترقی و بہتری کی دلی خواھش کا ثبوت ھوگا لیکن اگر لارڈ نارتھ بروک صاحب جیسے لوگوں کی سخاوت سے قائم ھوا تو کچھ دلی خواھش کا نشان نہ ھوگا" اگرچہ ایسا لکھنا ایک عیسائی کو اور خصوصاً اس قوم والے کو جس سے ھم نے مدد

مانگی اور جو اپنے تئیں انسان کا خیر خواہ و سچا دوست سمجھتی ہے زیبا نہ تھا مگر ہم دل سے قبول کرتے ہیں کہ جو کچھ اس آرٹیکل لکھنے والے نے لکھا ہے بالکل صحیح اور بالکل سچ ہے اور ہم اپنی قوم سے یہ بات کہتے ہیں کہ درحقیقت وہ نہایت نالائق اور بے شرم اور بے حیا اور تمام دنیا کی قوموں میں ذلیل ہوگی جو اب بھی ایسے طعنے سن کر اس مدرسہ کے قائم ہو جانے میں دل و جان سے، روپیہ سے اور کوشش سے مدد نہ کرے گی۔

"انڈین آبزرور" میں آرٹیکل لکھنے والا ہماری ناقص انگریزی کی ہنسی اڑاتا ہے۔ مگر ہم کو اس سے کچھ رنج نہیں ہے کیوں کہ یہ جو کچھ ہے انڈین ایجوکیشنل سسٹم کی عمدگی کا ثبوت ہے۔ ہم مجبور ہیں کیوں کہ ہماری یونیورسٹیاں اور ہمارے ملک کے ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن کی ایسی ہی تعلیم ہے اور صرف ہماری ہی ایسی تعلیم نہیں ہزاروں در ہزاروں کی ایسی ہی تعلیم ہے اسی لیے ہم اس سے بھاگتے ہیں اور نفرت کرتے ہیں۔

اردو اخباروں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کے قائم ہونے کی تجویز کے مشتہر ہونے پر لوگوں کے دلوں میں بغیر کامل غور و فکر کرنے کے بے جا ولولے پیدا ہوئے ہیں۔ کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اس مدرسہ میں کے آدمی تعلیم پائیں گے۔ ایسا کالج خواہ ایک مقرر کیا جائے خواہ دس، مسلمانوں کی ترقی کا باعث نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ یہ تدبیر بتاتے ہیں کہ چھوٹے اسکول مسلمانوں کے بہت کثرت سے جا بجا قائم کرائے جائیں تب مسلمانوں کی ترقی ہوگی۔ ہم اس رائے کے مخالف نہیں ہیں مگر اپنی قوم کو سمجھاتے ہیں کہ اس رائے

میں کسی قدر نقص ہے - ہم مسلمانوں کو قومی ترقی اور قومی عزت کی ترقی دینے کی خواہش کرتے ہیں اور یہ ترقی جب ہی ہو سکتی ہے جب ہماری قوم کے لڑکوں کو کوئی ایسا موقع ملے جس سے اُن کی عادت اور خصلت اور طریق معاشرت اور اخلاق درست ہوں اور نیز ان کو علم میں اعلیٰ درجے تک کا کمال حاصل کرنے کا موقع حاصل ہو اور یہ بات جب تک کہ کوئی ایسا دارالعلم جیسا کہ تجویز ہوا ہے قائم نہ ہو حاصل ہونی غیر ممکن ہے - قومی عزت جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ تمام قوم میں ایسے کچھ اعلیٰ درجے کے عالم بھی موجود ہوں جو قوم کے لیے بمنزل تاج کے ہوں - پھر اُس کے بعد متوسط درجے کے عالم لوگ موجود ہوں - پھر اس کے بعد عام لوگوں میں عام تعلیم پھیلائی جائے - اگر بالفرض ہم نے چھوٹے چھوٹے دس لاکھ مسلمانی اسکول قائم کر دیے اور اوسط اور اعلیٰ درجے کی تعلیم کا کچھ سامان نہ کیا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے لڑکے ویسے ہی گدھے کے گدھے رہیں گے اور مبادی الحساب اور سورج پور کی کہانی اور انگریزی میں مسٹر کیمسن صاحب کا ترجمہ تاریخ ہندوستان پڑھتے پڑھتے نسلیں گذر جائیں گی اور پھر ڈائرکٹر صاحب اپنی رپورٹ میں لکھ دیں گے کہ یہ تو ابھی سوسائٹی میں ملنے کے بھی لائق نہیں ہوئے - شاید جو کتابیں انھوں نے پڑھی ہیں وہ پڑھا سکیں - پس ہمارا فرض ہے کہ سب سے اول ہم اپنی قوم کے لیے اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم کا موقع پیدا کریں تاکہ جس کا دل ہو وہ وہاں آئے اور اس چیز کو حاصل کر سکے جس سے اُس کی قوم کو عزت ہو - اگر ایک شخص بھی ہماری قوم کا اس کالج سے ایسی تربیت پائے گا جیسی ہماری خواہش ہے تو اسی سے ہماری قوم

کو عزت ہوگی - اگر فرض کرو کہ ایک بھی اس کالج میں تعلیم نہ پائےگا تو ہمارے دل کا یہ داغ تو کہ ہائے ہماری قوم کے لیے ایسی تعلیم کا جیسے کہ دل چاھتا ہے موقع نہیں ضرور مٹ جائےگا - پس عام تعلیم کے دھوکہ میں پڑنا اور اس امر اہم سے درگذر کرنا نہایت بدقسمتی مسلمانوں کی ہوگی - چھوٹے چھوٹے مسلمانی اسکول عام تعلیم کے قائم کرنے کچھ مشکل نہیں ہیں جو سب سے مشکل اور سب سے زیادہ ضروری اور قدم ہے یہی ہے - اس وقت اسی کے انجام پر سب کو توجہ کرنی چاہیے -

ایک دوسرا بے جا ولولہ لوگوں کو اور بغیر کافی فکر کے خصوصاً اہل پنجاب کو یہ اٹھا ہے کہ ہم خود ہی اپنے لیے ایسا کالج کیوں نہ قائم کریں بجائے اس کے کہ شمال مغربی اضلاع کے کالج کی مدد کریں اور وہ لوگ اپنی رائے کی تائید میں بیان کرتے ہیں کہ کیا وہ ایک کالج ہمارے لیے اور تمام ہندوستان کے لیے کافی ہوگا ؟ یہ عذر بھی پیش کیا جاتا ہے کہ پنجاب یونیورسٹی کالج کی شمال مغربی اضلاع کے رئیسوں میں سے کسی نے مدد نہیں کی تھی - مگر حقیقت میں اس قسم کے خیالات کا ابتداء میں پیدا ہونا پوری دلیل بدقسمتی مسلمانوں کی ہے - درحقیقت تاریکی کا فرشتہ روشنی کے فرشتے کی صورت بنا کر ان کو دھوکا دیتا ہے - ہم کب کہتے ہیں کہ یہ ایک کالج تمام ہندوستان کے لیے کافی ہوگا مگر یہ کہتے ہیں کہ پہلے ایک نمونہ بنانے میں سب لوگ یک دل و یک جان ہو کر کوشش کرو اس نمونہ کو پورا پورا پہلے بنا لو - اس کی خوبیاں اور اس کے فوائد لوگوں کو دیکھنے دو یہی کام سب سے مقدم اور سب سے زیادہ مشکل ہے - جب ایک نمونہ قائم ہو جائےگا پھر

ازخود اس کی مثالیں قائم ہوتی جائیں گی - پہلی دفعہ اس کا قائم ہونا اور چل جانا مشکل ہے - پھر کچھ مشکل نہ ہوگی - جو روپیہ اس کے لیے تخمینہ کیا گیا ہے جب کہ ہماری قوم کے لوگ اس کے فوائد سے واقف ہو جائیں گے تو اس قدر روپیہ ایک پریذیڈنسی کیا ایک ایک ضلع سے جمع ہو سکے گا اور ہم ہر ہر ضلع میں ایسا کالج بنا سکیں گے - لیکن اگر ابھی شروع ہی میں اس کی مزاحمت ہوئی اور ہر ایک نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جدا بنانی شروع کی تو نہ یہ ہوگا نہ وہ ہوگا اور ہماری قوم اسی طرح ذلت اور خدا کی پھٹکار میں مبتلا رہے گی -

پنجاب یونیورسٹی کالج اگر غور کر کے دیکھو تو خالص پبلک کی جانب سے نہ تھا - بے شک وہ نہایت عمدہ چیز ہے - ہم اس کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اس کے بانیوں کے بہت شکر گذار ہیں الا اس کو ایسا ہی ایک رفاہ عام کا کام سمجھتے ہیں جیسا کہ گورنمنٹ اپنی رعایا کے فائدہ کے لیے اور کام رفاہ عام کے کیا کرتی ہے - مگر یہ تدبیر اس مجوزہ کالج کے قائم کرنے کی ایک ایسی تدبیر ہے جو خالص رعایا کے دل سے نکلی ہے - اور خود ہماری قوم نے اپنے بھائیوں کی ترقی و بہتری کے لیے اور خود اپنی تجویز سے اور اپنی مرضی کے موافق قائم کی ہے اور اسی سبب سے اپنے بھائیوں ہم قوموں سے بادعائے برادری و ہم قومی چندہ مانگا جاتا ہے - پنجاب یونیورسٹی کا چندہ حکام کے خوش کرنے کے لیے تھا اور یہ چندہ اپنے قریب المرگ جاں بلب رسیدہ ماں جائے بھائیوں کی جان بچانے کو ہے - ہمیں ان دونوں کالجوں کے چندوں میں زمین و آسمان کا فرق معلوم ہوتا ہے - اس کالج کا چندہ جمع کرنے کو ہمارا حق ہے کہ ہم اپنے قومی بھائیوں سے ہاتھ جوڑ کر چندہ لیں - تھوڑی

میں ہاتھ ڈال کر چندہ لیں ۔ کان پکڑ کر چندہ لیں ۔ سخت سست کہہ کر چندہ لیں ۔ کیا یونیورسٹی کالج پنجاب کو ایسا حق تھا ؟ غرض ہماری اس وقت یہ ہے کہ ہماری قوم کو چاہیے کہ اس وقت تمام خیالات کو دل سے دور کریں اور تمام ولولوں کو دل سے مٹا دیں اور صرف یہی ایک ولولہ اپنے دل میں رکھیں کہ یہ کالج مجوزہ قائم ہو جائے ۔ جہاں تک ممکن ہو اس کی تائید کریں کہ یہی بات ان کے حق میں بہتر ہے ۔ ہم اپنی سی کیے جاتے ہیں اور کہے جاتے ہیں ۔ یہی ہمارا فرض ہے آئندہ ہونا یا نہ ہونا خدا کے ہاتھ ہے ۔ و اللہ المستعان ۔

ہل اَور چھیڑو

(سرمور گزٹ ناھن ، بابت ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۹ء)

۱۸۸۹ء میں جب سرسید نے مسودہ قانون ٹرسٹیان مدرسۃ العلوم علی گڑھ مرتب کیا تو اس میں ایک شق یہ بھی رکھی کہ سرسید مدرسۃ العلوم علی گڑھ کے آنریری لائف سیکرٹری ھوں گے اور ان کے بیٹے سید محمود نائب سیکرٹری اور ان کی وفات کے بعد سید محمود لائف سیکرٹری بن جائیں گے ۔ اس پر بعض ٹرسٹیوں نے جن میں پیش پیش مولوی سمیع اللہ خاں صاحب تھے، شدید اختلاف کیا اور کہا کہ سرسید کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے بیٹے کو اپنا جانشین مقرر کر دیں۔سرسید مخالفین کے اعتراضات تو بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کر لیا کرتے تھے مگر دوستوں کی مخالفت انھیں کسی طرح گوارا نہ تھی ۔ اس وجہ سے انھوں نے مسودۂ قانون ٹرسٹیان کی مخالفت کرنے والوں کے خلاف اپنے اخبار علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ میں بڑے سخت مضامین لکھے ۔ انھی میں سے ایک مضمون یہ ھے جو ھم اخبار سرمور گزٹ ناھن مورخہ ۱۵ اکتوبر ۱۸۸۹ء سے لے کر درج کر رھے ھیں کیوں کہ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے وہ پرچے ھمیں نہیں مل سکے ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

ہمارے ایک دوست پوچھتے ہیں کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ مدرسۃ العلوم علی گڑھ کا کام آپ کی رائے کے مطابق چلے تو (کالج) کمیٹی مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہے ؟

مگر ہم کو افسوس ہے کہ ہمارے دوست نے نہ کبھی کچھ دیکھا ہے اور نہ سمجھا ہے ۔ ان کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ سویلائزڈ دنیا میں جو کام قومی بھلائی کے قائم ہوئے ہیں وہ کیوں کر قائم ہوئے ہیں اور کس طرح انجام پائے ہیں ۔ صرف ایک شخص کی محنت اور ایک شخص کی رائے سے ۔ اور جب اس اصول سے انحراف کیا جائے گا تو وہی ہندی مثل صادق آئے گی کہ "ساجھے کی ہنڈیا چوراہے میں ۔"

جب کوئی شخص ایک کام قومی فائدہ کے لیے شروع کرتا ہے اور اپنی جان کو محنت میں ڈالتا ہے تو کمیٹی اس واسطے مقرر ہوتی ہے کہ اُس کی امداد کرے ۔ اُس کی محنت میں شریک ہو اُس کے ارادوں کو تقویت دے تاکہ وہ کام پورا ہو ۔ نہ یہ کہ اس کی رائے سے اور اُس کے کام سے مخالفت کر کے اُس کام کے پورا ہونے میں خلل انداز ہو ۔

یہ ایک قدرتی امر ہے کہ جب چند ادمی ایک بات پر رائے دیں گے تو ضرور ہے کہ آراء میں اختلاف واقع ہوگا مگر اس اختلاف آراء کو ایسے کام میں دخل دینا جو ابھی تکمیل کو نہیں پہنچا ہے اور جس کا تکمیل کو پہنچنا صرف اُسی شخص کی محنت و جان بازی پر منحصر ہے جس نے اُس کو سوچا اور شروع کیا اور کسی حد تک اُس کو پہنچایا ، بالکل اُس کام کو برباد کرنا اور اُس کے ساتھ پوری دشمنی کرنا ہے ۔

احمق سے احمق بھی یہ بات سمجھ سکتا ہے کہ جو شخص ایک کام کو انجام دے رہا ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اس طرح پر

میں اُس کو انجام دے سکتا ہوں اب کمیٹی کے ممبر صاحب تشریف لائے اور فرماتے ہیں کہ نہیں صاحب ! ہم کو تو اس طرح پر کام کرنے سے اختلاف رائے ہے۔ کام کرنے والا اپنے یقین و ایمان سے جانتا ہے اور کہتا ہے کہ اس رائے کے مطابق نہ مجھ سے کام ہو سکتا ہے اور نہ میں اس کو انجام دے سکتا ہوں۔ ایسی حالت میں اس کام کے برباد اور ملیامیٹ ہو جانے کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

کمیٹیوں کے نا سمجھ اور نادان ممبروں پر نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملا خطرۂ ایمان کی مثل صادق آتی ہے۔ ممبر ہوئے اور یہ جانا کہ ہم کو رائے دینا ہمارا فرض ہے مگر اُس فرض کو مطلق نہیں سمجھا۔ اُن کا فرض یہ تھا کہ اُس کام کرنے والے کی مدد کرتے اور اُس کے انجام میں شریک ہوتے۔ نہ یہ کہ چلتی گاڑی میں روڑا اٹکا کر اُس کام کو برباد کرتے۔ اگر تم میں خود اُس کام کو کرنے اور اُس کو اپنی رائے کے مُطابق انجام دینے کی قابلیت تھی تو تم آج تک کہاں چھپے بیٹھے تھے اور کیوں نہیں اُس کام کو خود تم نے شروع کیا۔

ایمان داری اور سچائی کا زعم اور بے سمجھے اور بے محل اُس کو کام میں لانا بالکل ایسا ہے جیسا کہ ایک بت پرست نہایت سچائی اور ایمان داری سے ایک بت کی پرستش کرتا ہے۔ پھر تمھاری ایسی سچائی اور ایمان داری بھاڑ میں جلا دینے کے لائق ہے نہ کسی قدر و منزلت کے لائق۔

اسلام کی اتنی بڑی وسعت دنیا میں پہلے صرف ایک شخص (صلعم) کی جو بانی تھا ، اُس کی اطاعت اور اُس کے حکم کی تعمیل سے۔ امریکہ کی اتنی بڑی سلطنت جو دنیا میں آزاد سلطنت

کہلاتی ہے ایک شخص واشنگٹن کی اطاعت اور فرماں برداری سے جو اُس کا بانی تھا ۔

کوئی مثال چھوٹی یا بڑی آج تک دنیا میں موجود نہیں ہے کہ وہ بجز اُس شخص کی رائے کے جو اُس کا بانی ہوا ہے اَور کسی کی مداخلت سے انجام پائی ہو ۔ بے شک وہ اپنی مدد اور اعانت کے لیے اَور لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کرنا چاہتا ہے جو قانونِ قدرت کے مطابق ہے۔پس جو لوگ اُس کو اور اس کے کام کو پسند کرتے ہیں وہ شریک ہوں اور جو نہیں پسند کرتے وہ علیحدہ ہو جائیں ۔

لیکن خوب سمجھ لینا چاہیے کہ جو کسی کام کا بانی ہوتا ہے وہ اُن مشکلات کو اول سمجھ لیتا ہے اور ان کی مداخلت پر بھی خوب مستعد ہوتا ہے ۔ وہ کام پورا ہو یا برباد ہو جائے یہ خدا کی مرضی ہے مگر وہ اپنے قصدِ مصمم سے ہرگز منحرف نہیں ہوتا ۔ اگر کسی میں جان ہو تو جان بازی کو بھی حاضر ہے اور اگر لُچّا پن اختیار کرنا ہو تو جوتی پیزار کو بھی حاضر ہے ۔ اگر ہم نے ایک دوست کو لکھا کہ اگر ہماری رائے پر مدرسۃ العلوم نہ چلے تو نہیں چلنے کا ، اس میں ہم نے کیا غلط لکھا اور اگر ہم نے یہ لکھا کہ اگر ہم سے اختلاف کیا جاتا ہے تو ہم سیکرٹری ہونا چھوڑ دیں گے اور کالج کو ملیامیٹ کر دیں گے تو اس سے ممبروں کو کیوں خوف ہوا اور ہمارے دوست نے کیوں سمجھا کہ ہم ممبروں کو خوف دلاتے ہیں تاکہ وہ ہماری رائے سے نسبت تقرر سید محمود کے اختلاف نہ کریں ۔ اگر کسی میں اس بوجھ کے اٹھانے کی اور اس قومی کام کے انجام دینے کی طاقت و لیاقت تھی تو وہ خم ٹھونک کر

سامنے آیا ھوتا کہ ھم انجام دیں گے - خوف زدہ ھونے کے کیا معنی ھیں -

سن لو اے دور و نزدیک کے دوستو ! سن لو اے دکھن اور اتّر کے دوستو ! سن لو اے پورب اور پچھم کے دوستو ! سن لو اے آسمانوں اور زمینوں کے رھنے والو! سن لو وہ بھی جو مادر زاد بھرے ھیں کہ بے شک یہ کام جو میں نے کیا وہ قومی کام ھے - قوم کی بھلائی اور بہتری کے لیے کیا ھے مگر میں نے کیا ھے اور میں ھی انشاء اللہ تعالیٰ انجام تک پہنچاؤں گا - اے مخالفو ! ھوشیار رھو - رنڈیوں کی طرح کانا پھوسی کرنے اور نہایت بزدلوں کی طرح فرضی اور جھوٹے ناموں سے آرٹیکل چھپوانے سے کام نہیں چلتا - خود تمھارا جھوٹ جو تم نے جھوٹا نام اختیار کرنے سے اپنے اوپر ثابت کیا ھے، خود تم کو شرماتا ھوگا - اگر مرد ھو چلو فرانس کی عمل داری میں - اگر سچے ھو اور ایمان داری اور سچائی پر بھروسا کرتے ھو تو چلو پیرس میں جو دنیا کا فردوس ھے اور ایک آن میں ھماری اور اپنی قسمت کا فیصلہ کر لو - ان نالائق باتوں اور تو تُو مِیں مِیں سے کیا فائدہ ھے - میں اُن لوگوں کو دیکھنا چاھتا ھوں جو کہتے ھیں کہ ھم علی گڑھ میں رہ کر مدرسے میں فساد ڈالیں گے تاکہ لوگ دیکھیں کہ وہ اور ھم دونوں کوٹھیوں میں رھتے ھیں یا جیل خانوں کی کوٹھریوں میں - خوب سمجھ لو کہ کس درجہ کے نتیجہ تک ھم مستعد ھیں - جس مدرسہ کو ھم نے جان بیچ کر بنایا ھے اُس کی بربادی بے جان جانے امکان سے خارج ھے - آگ کو مت پھونکو - اگر پھونکتے ھو تو اُس کے شعلوں کا بھی اندازہ کر لو -

اے سید ! زیادہ جوش میں مت آؤ ۔ یہ ازلی حکم ہے کہ الحق یعلو ولا یعلی ۔ میں اس کو دل سے قبول کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اے آسانوں اور زمینوں کے رہنے والو ! سب مل کر کہو (آمین) ۔

ایک دلچسپ دور اندیشی

(سرمور گزٹ ناھن، بابت ۸- جولائی ۱۸۸۹ء)

ہم نے سنا ہے کہ ہمارے چند دوست ایک جگہ جمع تھے اور قومی ہم دردی کے سبب سے اس بات پر غور کرتے تھے کہ سید احمد خاں کے بعد مدرسۃ العلوم کا کیا حال ہوگا ۔ ایک دوست نے کہا کہ کچھ اندیشہ کی بات نہیں ہے تعلیم کی ضرورت پر اب ہر ایک شخص کو یقین ہو گیا ہے اور مدرسۃ العلوم اب تیار ہو گیا ہے ۔ بنی بنائی چیز کا ہاتھ میں لینا ہر ایک پسند کرے گا ۔ آمدنی بھی اس قدر ہے کہ موجودہ حالت قائم رہ سکتی ہے اور سید احمد خاں کے مرنے سے اس میں کچھ نقصان نہیں ہو سکتا کیوں کہ بہ ظاہر وہ آمدنی مستقل ہے ۔

دوسرے دوست نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے - کچھ شک نہیں ہے کہ سید احمد خاں کے بعد یعنی ان کے مر جانے پر بورڈنگ ہاؤس میں اس قدر اخراجات نہیں ہوں گے اور طالب علم زیادہ آئیں گے ۔ کالج و اسکول میں بھی سید احمد خاں نے بہت زیادہ خرچ بڑھا رکھا ہے ۔ کم تنخواہ کے لوگ مقرر ہو کر بہت تخفیف سے کام چل سکے گا اور ان کے مر جانے پر جو چند رکاوٹیں ہیں وہ بھی جاتی رہیں گی ۔

میں اپنے دوستوں کا بہت شکر گزار ہوا کہ ان کو مدرسۃ العلوم کی اس قدر فکر ہے اور اس کے لیے دور اندیشیاں جو میری عین تمنا ہے فرماتے ہیں ۔ اگر مجھ کو یقین ہو جائے

کہ میری زندگی مدرسۃ العلوم کی ترقی کے لیے ایک رکاوٹ ہے تو میں خود کشی کے لیے تیار ہوں تاکہ ہمارے دوستوں کو مدرسۃ العلوم کی ترقی کے لیے انتظار نہ کھینچنا پڑے -

مگر افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے دوستوں کے وہی ٹکیل پرانے خیالات ہیں - وہ بورڈنگ ہاؤس کو ایسے ہی لوگوں سے بھرنا چاہتے ہیں جو مسجدوں میں مردوں کی فاتحوں کی روٹیاں کھانے پر بسر اوقات کرتے ہیں -

افسوس کہ ان کو تعلیم کی بھی ابھی قدر نہیں ہوئی - تھوڑی تنخواہ کے ٹیچرز اور پروفیسر کیا تعلیم دے سکتے ہیں ؟ انہوں نے کبھی چار روپیوں سے زیادہ تنخواہ کا میاں جی دیکھا ہی نہیں - بلاشبہ ایک میاں جی کو پانسو اور سات سو روپیہ ملنا اُن کو متعجب کرتا ہوگا -

اگر ہمارے بعد مدرسۃ العلوم کا یہی حال ہونا ہے جس کی دور اندیشی ہمارے دوست کرتے ہیں تو ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ قبل اس کے مدرسۃ العلوم کا یہ حال ہو ایک شدید بھونچال آئے اور ہمارا پیارا مدرسۃ العلوم زمین میں دھنس جائے - آمین -

اب ہم

اپنے دوستوں سے التجا کرتے ہیں کہ ہم کو کوئی ایسی تدبیر بتائیں کہ ہمارے مرنے کے بعد مدرسۃ العلوم کا ایسا حال نہ ہونے پائے -

پینی ریڈنگ تھیٹر

کسی ایسے نے پتھر نہیں مارا جس کے پتھر کی چوٹ لگتی

(سرمور گزٹ ناھن ، بابت ۸- اپریل ۱۸۸۹ء)

کہتے ھیں کہ جب منصور کو سنگسار کرنے لگے تو تمام علماء و فضلاء و مشاھیر اس لیے جمع ھوئے کہ پتھر ماریں - لوگ پتھر مارتے تھے اور منصور شاداں تھا - اس مجمع میں شبلی علیه الرحمة بھی موجود تھے - لوگوں نے ان کو بھی مجبور کیا کہ وہ بھی پتھر ماریں - شبلی نے ایک کنکری اٹھا کر منصور پر پھینکی - وہ بلبلا گیا اور ھائے وائے کرنے لگا - لوگوں نے پوچھا کہ شبلی کی کنکری کی تجھے کیوں چوٹ لگی - منصور نے کہا کہ اس لیے کہ اور لوگ بے سمجھ تھے اور شبلی سمجھتا تھا اور پھر کنکری ماری - ھم نہایت خوش ھیں کہ گو پینی ریڈنگ تھیٹر میں ایک شبلی تھا مگر اس جرم پر پتھر مارنے والوں میں کوئی شبلی نہیں -

مخدومی منشی احمد علی شوق نے آزاد میں جو لکھا ، ھمارے مکرم منشی سراج الدین (ایڈیٹر سرمور گزٹ ناھن) نے جو مہربانی کی اور جن دوستوں نے ھمارے ساتھ ھم دردی کی ھمارے دل کو اس سے تقویت ھے - مگر جب ھم کو کسی کے پتھر کی چوٹ

۱- مدرسة العلوم علی گڑھ کے لیے چندہ جمع کرنے کی غرض سے سرسید نے علی گڑھ میں ایک تھیٹر کا انعقاد کیا تھا جس میں خود بھی حصہ لیا تھا - اس مضمون میں اسی تھیٹر کا ذکر کیا گیا ھے -

نہیں لگتی تو وہ لوگوں سے کیوں اُلجھتے ہیں اور پتھر پھینکنے والوں کے بھی ہم دل سے شکر گزار ہیں مگر افسوس ہے کہ جب اُن کو یہ بات معلوم ہوگی کہ اُن کے پتھر کی ہم کو چوٹ نہیں لگتی تو اُن کو رنج ہوگا۔

اس مقام پر ہم اپنے ایک دوست کا خط چھاپتے ہیں گو کہ اس کے چھاپنے سے ہم کو شرم آتی ہے مگر بہ پاسِ خاطرِ احباب اُس کے چھاپنے پر مجبور ہیں۔

وہ خط یہ ہے

هوالعزیز

۲۹- مارچ ۱۸۸۹ء   از جھنگ پنجاب

نمودم رشتۂ اُلفت بہ آلِ مصطفٰی محکم
بروزِ حشر در دستِ من این حبل متیں باید

عالی جناب سرسید صاحب! السلام علیکم - ٦- تاریخ سن رواں کی رات کو ایسے عالی شان مجمع میں آپ نے اسٹیج پر رونق افروز[2]......ساتھ زبان در افشاں سے گوہر آب دار مسلمانوں کی حالت زار و نزار پر[3]........ اگر ہزار در ہزار درہم و دینار اُن کی خریداری میں صرف کر دیے جائیں تو میری دانست میں صادق ہم درد قوم کے صراف کی نگاہ میں یہ قیمت کس شمار و قطار میں ہوگی لیکن جس درد کی دوا کے لیے بزرگوارانِ قوم نے در بدر پھرنا اور طرح طرح کے کھیل کھیلنا گوارا فرمایا ہے اُسی دکھ نے اکثر خیر خواہوں کو اس مصرعہ کا پورا پورا مصداق بنا دیا ہے:ع

مفلسی آں چہ بہ ما کرد بہ قارون زر کرد

---

۲ و ۳- اس جگہ سے اخبار پھٹ گیا ہے۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

حافظ شیرانی کی غزل کے اخیر میں جو دو شعر آپ نے لگائے ہیں انھوں نے میرے دل میں ایسا اثر پیدا کیا ہے کہ جس کا بیان نہایت دشوار ہے - بے اختیار ہر حسرت دل سے نکل گیا ؎

قربانِ آں کرم کہ تو بر قوم کردۂ
در آل مصطفیٰ بہ سیادت رسیدۂ

اس پر میرے دوست مولوی علی محمد صاحب نے جن کو شاعری میں کچھ دعویٰ ہے چھ شعر موزوں کر دیے ہیں، گو وہ اس بیت سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے ؎

چشمانِ تو زیر ابروان اند
دندانِ تو جملہ در دھان اند

پر چوں کہ صادق دل کی فرمائش موزوں ہو گئی اس لیے ان کو بھی اخیر میں تحریر کرتا ہوں -

آپ کا قیمتی وقت زیادہ ضائع کرنا نہیں چاہتا ہوں اور یہ جو گستاخی ہو گئی ہے اس کے واسطے تہہِ دل سے معافی کا خواست گار ہوں اور نہایت دل سوزی سے اپنے پاک پروردگار کے دربار میں عجز و انکسار کرتا ہوں اور صدق دل سے دعا مانگتا ہوں یا اللہ العالمین شوکت الاسلام کے جہاز بزرگوار ناخدا کو عمر نوحی اور گنج قارونی سے بڑھ کر عطا فرما - آمین - آمین - آمین

اے آں کہ در کمال بہ حدّے رسیدۂ
کاں جا حریف خویش کسے را ندیدۂ

با قوم کردی آن چہ پدر با پسر کند
و ز قوم گفتہ ہا کہ نہ شاید شنیدۂ

دادی بقوم بادہ کہ بس خوش گوار بود
و ز دستِ قوم جام مکدرؔ چشیدۂ

لیکن ترا بہ قوم کرم ہاست روز و شب
گویا کہ از خمیر کرم آفریدۂ

در آل مصطفیٰ چو کرم ہست فطرتاً
از فطرت ست ایں کہ کرم را گزیدۂ

ہر خوان علی بہ خدمتِ سید بشوق دل
بیتے کہ در محامد سیّد شنیدۂ

قربانِ آل کرم کہ تو بر قوم کردۂ
در آل مصطفیٰ بہ سیادت رسیدۂ

آپ کا دلی نیاز مند

محمد حسن - اوّل مدرس - جیوبلی ھائی سکول جھنگ

برادرم مولوی محمد حسن صاحب نے اس عنایت پر عنایت یہ کی کہ پانچ روپے ٹکٹ کی قیمت بذریعہ منی آرڈر ھمارے پاس بھیج دیے تاکہ تھیٹر کے فنڈ میں داخل ہو کر غریب طالب علموں کی امداد میں خرچ ہوں -

ہماری قوم

کیا اس سے آپ کی مراد سادات سے ہے ؟ نہیں حضرت انسان سے مراد ہے جو کلمہ " لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ " پڑھتے ہیں - جو ہمارے دادا کی اُمت میں داخل ہیں ، مگر "ہماری قوم" کہہ کر آپ چپکے ہو رہے - اس کا کچھ سر معلوم ہوا، نہ پاؤں - "ہماری قوم" سے آپ کا مطلب کیا ہے ؟ حضرت! بات یہ ہے کہ کل ہمارے ایک دوست مولانا روم علیہ الرحمۃ کی مثنوی دیکھ رہے تھے- اُس میں عرب بدّو کے کتّے کی حکایت تھی - اُس کو سن کر میرا خیال اپنی قوم پر گیا - دل نے کہا کہ ہماری قوم کا بھی یہی حال ہے - پھر دل نے کہا کہ نہیں ، پھر کہا کہ ہاں ، پھر کہا نہیں ، پھر کہا ہاں - اس کا فیصلہ میں نہ کر سکا اور اس کا خیال اب تک میرے دل میں ہے - اور بے ساختہ میری زبان سے نکل جاتا ہے کہ "ہماری قوم" پس جب تمہارے دل کی بھی وہی حالت ہو جو میرے دل کی ہے اور تمہارے دماغ میں بھی وہ سب خیالات جمع ہو جاویں اور سما جاویں جو میرے دماغ میں ہیں ، تو آپ کو بھی " ہماری قوم" کہہ اُٹھنے کا مطلب معلوم ہو -

"ہماری قوم" سے مطلب یہ ہے کہ ہماری قوم نے اپنے لیے کیا کیا اور کیا کچھ کر سکتی ہے اور کیوں نہیں کرتی ؟

یہ تو میں نے مانا کہ آپ کے دل میں جو قومی خیالات

ہیں ، وہ مثل مجذوبوں کے آپ کے منہ سے "ہماری قوم" کا لفظ نکلوا دیتے ہیں مگر بدو عرب کے کتے کی حکایت سن کر بھی کبھی آپ نے کہا "ہاں" کبھی آپ نے کہا "نا" اور اسی تذبذب میں رہے کہ ہاں ٹھیک ہے یا نا۔ اس کا کیا سبب ہے ؟

حضرت! بات یہ ہے کہ میں نے اس زمانہ میں اپنی قوم کو نہایت خراب حالت میں دیکھا ۔ جن پر ٹھیک یہ مثل صادق آتی ہے کہ ؎

نہ خدا ہی مِلا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

گئے دونوں جہان کے کام سے ہم
نہ ادھر کے ہوئے نہ اُدھر کے ہوئے

قوم کی اس خراب حالت سے میرا دل دکھا اور میں نے یقین کیا کہ تعلیم اور صرف تعلیم ہی اُن کی خراب حالت کے درست کرنے کا علاج ہے۔

میں نے ان کے لیے ایک مدرسة العلوم بنایا ، مگر اس کا بننا اور چلنا صرف قوم کی امداد پر منحصر تھا ۔ جب میں دیکھتا ہوں ۔ کہ قوم نے اس میں بہت کچھ مدد کی ہے ۔ اور قوم ہی کی امداد سے ایسا عالی شان مدرسہ بہت کچھ بن گیا ۔ مسجد مدرسہ کی بہت عمدہ و نفیس تیار ہو رہی ہے اور جو کچھ اب تک ہوا ہے ۔ وہ قوم ہی کی مدد سے ہوا ہے ۔ تو میرے دل سے نا کا لفظ نکلتا ہے ۔ مگر جب یہ خیال آتا ہے کہ پورے جوش اور پوری ہم دردی سے جیسی اس کام میں قومی مدد ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی ۔ تو میرے دل سے ہاں کا لفظ نکلتا ہے ۔ پھر جب میں سوچتا ہوں ۔ کہ

پنجاب کے مسلمانوں نے تو دلی هم دردی کی هے اور نہایت دلی جوش سے امداد کی هے - اور زندہ دل ان کا خطاب هو گیا هے - تو یہ خیال بے اختیار میرے دل سے هاں کہلواتا هے -

پھر جب میں شمال مغربی اضلاع اودھ اور بنگال کا خیال کرتا هوں - جنھوں نے کچھ بھی نہیں یا بہت هی قلیل اس قومی کام میں مدد کی هے - تو از خود هاں کا لفظ بصد آہ و نالہ میری زبان پر آتا هے -

علی گڈھ کے چند رئیسوں نے دل سے خواہ بمقتضائے ریاست امداد کی هے - جن کا میں دل سے شکر گزار هوں - اور اس لیے دل میں آتا هے کہ بجائے هاں کے نا کہوں -

آج صبح کا وقت تھا - میں اسی خیال میں بیٹھا هوا تھا کہ نا کہنا ٹھیک هے یا هاں - کہ اتنے میں بھگی کی گھڑ گھڑ کی آواز آئی - نوکر نے کہا کہ حاجی احمد سعید خاں صاحب رئیس بھیکم پور هیں - وہ آئے اور پانسو روپیہ نقد امداد کالج کے لیے عنایت فرمائے - پھر تو میں نا نا دو دفعہ اور هاں ایک دفعہ کہنے لگا -

غرض کہ مختلف حالات پیش آتے هیں - کبھی نا کہنے کو دل چاهتا هے اور کبھی هاں کہنے کو - مگر میں تو هاں کہنے کا تصفیہ کرنا چاهتا هوں - کیوں کہ میں اس قومی کام کے پورا هونے اور قائم رهنے کا کسی میں ولولہ نہیں پاتا -

خیر یہ تو آپ کو اختیار هے - کہ آپ نا کا تصفیہ کریں یا هاں کا - مگر جب تک بدو عرب کے کتے کی کہانی نہ معلوم هو اس وقت تک نہ آپ کی نا کا مطلب سمجھ میں آتا هے - نہ آپ کی هاں کا -

حضرت وہ کہانی یہ ہے کہ ایک بدّو عرب کا تھا -
اور ایک کتّا اس کے پاس تھا - وہ سفر کر رہا تھا اور کتّا اس
کے ساتھ ساتھ تھا - مگر راستے کے کنارہ پر کتّا گر پڑا اور
بے حال ہو گیا - دم توڑنے لگا اور قریب المرگ ہو گیا -
بدّو اس کے پاس بیٹھا ہوا سر پیٹ رہا تھا اور زار و قطار
رو رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرے رفیق اب تو مجھ
سے جدا ہونے کو ہے -

اتنے میں ایک اور مسافر اس راستے سے گزرا اور بدّو کا
یہ حال دیکھ کر کھڑا ہو گیا اور بدّو سے کہا - کہ تم
اس قدر روتے دھوتے کیوں ہو - حال کیا ہے ؟ اس نے کتّے
کی طرف اشارہ کیا اور کہا - کہ یہ کتّا میرا رفیق ہے -
ساری رات میری چوکسی کرتا تھا اور چوروں اور دشمنوں
کو میرے پاس آنے نہیں دیتا تھا - دن کو شکار مار لاتا تھا
اور میرے آگے رکھ دیتا تھا اور نہایت قانع تھا جو لقمہ
کہیں سے لاتا تھا - وہی کھا لیتا تھا - اور صبر کرتا تھا -
اور جو کچھ میں حکم کرتا تھا بجا لاتا تھا اب اس کا یہ
حال ہے - کہ دم توڑ رہا ہے اور کوئی دم میں مرنے
کو ہے -

مسافر نے کہا کہ اس کو شکار کرنے میں کوئی ایسا
زخم کسی درندہ جانور کا لگا ہے - جس کے سبب سے اس کا
یہ حال ہو گیا ہے - بدّو نے کہا نہیں نہیں! کوئی زخم نہیں
لگا مگر چند روز سے اس کو کھانا نہیں ملا - اور بھوک
کے مارے مر رہا ہے اور اب اس کے مرنے میں کچھ باقی نہیں -

اتنے میں اس مسافر کی نگاہ عرب کے اسباب پر پڑی -
اس کی زنبیل میں بہت سا کھانا بھرا ہوا تھا - اس نے کہا

تمہارے پاس تو بہت سا کھانا ہے ۔ تم نے اس میں سے اس کتّے کو کیوں نہ دیا ۔ بدّو نے کہا واہ یہ تو میری زاد راہ ہے ۔ مسافرت میں اس میں سے کھاتا ہوں اور اپنی زندگی بسر کرتا ہوں ۔ اگر اس میں سے میں اپنے کتّے کو دے دوں تو میں کیا کھاؤں ۔

مسافر نے کہا تم رویا کرو ۔ تمہاری قسمت میں رونا ہی لکھا ہے ۔ یہی حال ہماری قوم کا ہے ۔ قوم کے تباہ حال پر روتے اور افسوس تو بہت کرتے ہیں ۔ مگر اس کی امداد کچھ نہیں کرتے ۔ اپنی زنبیل میں بہت کچھ بھرا رکھتے ہیں ۔ مگر کتّے کو ٹکڑا نہیں دیتے اور اس کے بھوکے مرنے پر روتے ہیں ۔

اسی سبب سے تو میں کبھی اپنی قوم کی نسبت کہتا ہوں ۔ ہاں یعنی اس بدوی کا سا قوم کا حال ہے اور کبھی کچھ ان کی ہم دردی دیکھ کر کہتا ہوں کہ نا ۔ مگر اخیر کو تصفیہ ہاں ہی کرنا پڑتا ہے ۔ خدا ان کو توفیق دے ۔ کہ سب لوگ بقدر اپنی حیثیت کے قوم کی مدد کریں ۔ اگر ایسا کریں تو جو خراب حال قوم کا ہے وہ چند روز میں بدل جاوے اور قوم کو قوم کی حالت پر رونا نہ پڑے ۔

مدرسۃ العلوم مسلمانان کی روئدادیں "تہذیب الاخلاق" میں نہ چھپیں

("تہذیب الاخلاق" جلد ۵، صفحہ ۶۰ - بابت یکم ربیع الثانی
۱۲۹۱ھ)

ایک ہمارے دوست نے ہم کو نصیحت کی کہ تم جو مدرسۃ العلوم کی کمیٹی کی روئدادیں "تہذیب الاخلاق" میں چھاپتے ہو - اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ "تہذیب الاخلاق" اور مدرسۃ العلوم ایک چیز ہے - آئندہ سے مت چھاپا کرو ـــــ اول تو ہم کو اس بات کے سننے سے تعجب ہوا پھر ہم نے خیال کیا کہ شاید یوں ہی ہو اس لیے جواب دیا کہ بہت خوب مگر شاید اُس کے حالات کی خبر لکھنا کچھ جرم نہ ہو -

مدرسۃ العلوم کی حالت عنایت الٰہی سے بہت اچھی ہے - روز بروز اُس کے چندے کو ترقی ہوتی جاتی ہے - اکتیسویں مارچ تک اُس کا چندہ ایک لاکھ ساٹھ ہزار آٹھ سو سترہ روپے آٹھ آنہ ہو چکا ہے - نہایت نیک اور خدا پرست با شرع متقی عالم لوگوں نے بھی چندہ دیا ہے اور کمیٹی کی ممبری قبول کی ہے - نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے شیعہ بھائی بھی اس مدرسے کا قائم ہونا دل سے چاہتے ہیں - ہم کو جناب مجتہد العصر سید علی محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ سے اس معاملہ میں بہت کچھ امداد کی توقع ہوئی ہے -

حضور حاجی حرمین شریفین نواب محمد کلب علی خاں بہادر والیٔ رام پور فرزند دل پذیر دولت انگلشیہ کمیٹی مدرسۃ العلوم

کے پیٹرن ، یعنی مربی و سرپرست ہوتے ہیں اور پندرہ ہزار روپیہ نقد اور بارہ سو روپیہ ساختہ کی جاگیر وقفی قیمتی تیس ہزار روپیہ کی بطور سرمایا مدرسہ کو مرحمت فرمائی ہے اور فونڈیشن کے اخراجات جو پانچ ہزار روپیہ سے کم نہ ہوں گے اپنے ذمے قبول فرماتے ہیں اور اس عطیہ کی میزان کل پچاس ہزار روپے کی ہوتی ہے ۔

گورنمنٹ اضلاع شمال و مغرب نے ایک نہایت عمدہ اور وسیع قطعہ زمین تعدادی پونے دو سو بیگھہ پختہ کا واسطے تعمیر مکان مدرسہ اور باغ متعلق مدرسہ کے مرحمت فرمایا ہے ۔

کمیٹی نے فی‌الفور باغ کی درستی کی تدبیریں شروع کی ہیں اور بہ نظر آن عنایت و امداد کے جو حضور سر ولیم میور صاحب بہادر ایل ۔ ایل ۔ ڈی ۔ کے ۔ سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ نواب لفٹنٹ گورنر بہادر اضلاع شمال و مغرب نے فرمائی ہے ۔ آس باغ کا نام ''دی میور پارک'' رکھنا تجویز ہوا ہے ۔

اب ہم اپنے بھائی مسلمانوں سے عرض کرتے ہیں کہ جو جو لوگ اس خیال سے ہمت ہارے ہوئے تھے کہ اتنا بڑا کام کیوں کر انجام ہوگا آن کو غور کرنا چاہیے کہ بہت کچھ اس کام میں ہوتا جاتا ہے ۔ اب ہمت ہارنی نہیں چاہیے اور مستعد ہو کر اس کام کے انجام میں کوشش کرنی ضرور ہے ۔ ہمت مرداں مدد خدا مشہور مقولہ ہے ۔ ہمت کرو اور جس قدر بڑا کام اور جس قدر زیادہ مشکل ہو اتنی ہی زیادہ کوشش کرو خدا سب مشکلوں کا آسان کرنے والا ہے :

مشکلے نیست کہ آساں نشود
مرد باید کہ هراساں نشود

دارالعلوم مسلمانان کے مخالفین

("تہذیب الاخلاق" بابت ۱۰ - صفر ۱۲۹۰ھ)

اعوذ برب الناس ملک الناس اله الناس من شر الوسواس الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنة و الناس ۔

ہماری یہ رائے ہے کہ جب مختلف رائیں پھیلیں تو بہ عوض اس کے کہ کسی رائے کا حامی اپنی رائے کی حمایت کرے یہ بہتر ہے کہ اس کا تصیفہ لوگوں کی رائے پر چھوڑا جائے مگر ہمارے دوست ہم سے کہتے ہیں کہ دارالعلوم مسلمانان کی نسبت جو مخالفت لوگوں نے کی ہے اس میں سکوت مناسب نہیں ہے اس لیے بہ مجبوری ہم کچھ لکھتے ہیں کہ "آزردن دل دوستاں جہل است و کفارہ یمین سہل ۔"

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

جہاں تک کہ ہم نے مخالفین کی تحریرات کو دیکھا اور اُن کے خطوط کو پڑھا ہم نے سات قسم کے لوگوں کو دارالعلوم مسلمانان کے مخالف پایا ۔

اول ۔ خبیث النفس و بد باطن : جو ہماری ان تمام محنتوں کو اور ہمارے تمام کاموں کو جو ہم اپنی دانست میں اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کرتے ہیں ہماری ذاتی غرض پر محمول کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں اپنی نام آوری اور

شہرت کے لیے اور حکام وقت کے سامنے اپنا رسوخ پیدا کرنے کو اور اُن کو دھوکا و فریب دینے کو کرتے ہیں" و ما ابری نفسی ۔ ان النفس لا مارة بالسوء الا ما رحم ربی"
مگر ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ہماری اس برائی ہی نے اور اس کمینہ خواہش نے ہم کو قوم کی بھلائی پر آمادہ کیا ہو اور ہماری بدیوں ہی سے ہماری قوم کی بھلائی ہوتی ہو تو ہماری قوم کا اُس سے کیا نقصان ہے ۔

ہمارے دل کے بھیدوں کے جاننے والے اور ہماری نیتوں کا تصفیہ کرنے والے ہمارے مخالف نہیں ہیں اور نہ اُن کے تصفیہ کی ہم کو آرزو ہے بلکہ صرف اس کی آرزو ہے کہ وہ اس بات کا تصفیہ کریں کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ اُن کے لیے بہتر ہے یا نہیں ۔

شہرت کا نہ ہونے دینا ہماری طاقت سے باہر ہے ۔ جو کوئی کچھ کام کرتا ہے کرنے والے کا ضرور ذکر ہوتا ہے ۔ پس ہم پر بدگمانی کرنے والے ہم کو بتا دیں کہ کس طرح ہم اپنی شہرت کو روکیں ۔ اگر ہم میں یہ بدی جو ہمارے مخالف ہم میں بتاتے ہیں، ہے تو وہ اپنی نیکی اور کرم سے اس سے درگزر کریں خواہ ہم کو ایک کمینہ خصلت والا شخص تصور فرماویں ، نہ یہ کہ جو کام قومی بھلائی کے ہیں اُن میں ہارج ہوں ۔

دوم ۔ حُسّاد ۔ مدت سے ہمارے پرانے یار ہماری ترقیات سے جو خدا نے صرف اپنی عنایت سے نہ ہمارے کسی استحقاق سے ہم کو دیں ، ہم پر خفا ہیں ۔ مگر اُن کو انصاف کرنا چاہیے کہ اُن کو خدا پر خفا ہونا مناسب ہے نہ مجھ پر ۔ اگر مجھ کو سی ۔ ایس ۔ آئی ۔ ملی اور ان کو باوصف دلی خواہشوں کے نہ ملی ، یا کوئی شخص قاعدہ پچپن سالہ کے سبب علیحدہ ہوگیا اور

مجھے کچھ مہلت ملی یا ـــــ بات میرے لیے ہوئی اور اُن کے لیے نہ ہوئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے ـــــ پس اب وہ اپنا فخر اور اپنے دل کی ٹھنڈک اسی میں سمجھتے ہیں کہ ہمارے کاموں میں جھوٹے سچے عیب نکالیں ۔ جھوٹی سچی تہمتیں ہم پر لگائیں اور اپنے دل کے جلے پھپھولے پھوڑیں ۔

ایسے وقت میں ''سمندِ ناز پر ایک اور تازیانہ ہوا'' کہ دارالعلوم مسلمانان کی بنیاد پڑی ۔ حاسدوں نے خیال کیا کہ اب تو سید احمد نے بھوت بننے کا سامان کیا کہ مرے پر بھی زندہ رہے گا ۔ یہ خیال جیسا اُن پر شاق گزرا ہوگا اور جس قدر اُن کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہوگا اُس کا حال اُن کا دل ہی جانتا ہوگا ۔ پس اب اُن کا کیا کام ہے بہ جز اِس کے کہ کافر بنیں اور دارالعلوم مسلمانان کی بنیاد کو کھودا کریں ۔ مگر اُن کو حافظ کا یہ شعر خوب یاد رکھنا چاہیے :

پس تجربہ کردیم دریں دیرِ مکافات
با دُرد کشاں ہر کہ در اُفتاد بر اُفتاد
گر جاں بدھی سنگ سیہ لعل نہ گردد
با طینتِ اصلی چہ کند بد گہر افتاد

سویم ۔ بعض متعصب وہابی جن کو میں یہود ھذہ الامت سمجھتا ہوں اور جن کے تمام افعال صرف دکھلاوے کی باتوں پر منحصر ہیں اور جو انگریزی زبان پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں. انگریزوں اور کافروں سے صاحب سلامت کرنا گناہ جانتے ہیں ۔ اُن سے دوستی کفر سمجھتے ہیں ۔ ان کی اہانت اور تذلیل کو بڑی دیانت داری جانتے ہیں ۔ اُن کے ساتھ ہم دردی کرنا کفر خیال کرتے ہیں۔اگر اتفاقاً اُن سے مصافحہ کی نوبت آ جائے تو ہاتھ دھو ڈالنا فرض کہتے ہیں ۔ اگر دھوکے میں عیسائی سے صاحب سلامت

ہو جاوے تو جا کر اُس سے یہ کہنا کہ میرا سلام پھیر دے
اُس کا کفارہ جانتے ہین ۔ مگر صرف دو باتوں کو مباح سمجھتے
ہین ۔ کافروں کی نوکری کرنا تاکہ ڈپٹی کلکٹری نہ جاتی
رہے اور اپنی غرض کے لیے کافروں کے پاس حاضر ہو کر
آداب و تسلیم بجا لانا تاکہ جب کسی مجلس مین نواب لفٹنٹ گورنر
ہوں تو اس بات کے کہنے کا کہ آپ کے قدموں کی برکت سے یہ
عزت ہوئی موقع رہے ۔ مین ایسی دین داری سے کفر کو بہتر
سمجھتا ہوں ۔ میں اسلام کو نور خالص جانتا ہوں جس کا ظاہر و
باطن سب یکساں ہے ۔ تمام دنیا سے اور کافر سے سچی دوستی ،
سچی محبت ، سچی ہم دردی اعلیٰ مسئلہ اسلام کا سمجھتا ہوں ۔
جس طرح مین خدا کے ایک ہونے پر یقین کو رکن اعظم یا
عین ایمان جانتا ہوں اسی طرح تمام انسانوں کو بھائی جاننا تعلیم
اسلام کا اعلیٰ مسئلہ یقین کرتا ہوں مگر اُن کے مذہب کو اچھا
نہین سمجھتا ۔

یہ متعصب وہابی وہ لوگ ہین جو علوم کے بھی دشمن ہیں ؛
فلسفہ کو وہ حرام بتلاتے ہین ، منطق کو وہ حرام کہتے ہین ،
علومِ طبیعیات کا پڑھنا تو اُن کے نزدیک کفر میں داخل ہوتا
ہے ۔ پس ایسے آدمی جس قدر مجوزہ دارالعلوم مسلمانان کی مخالفت
کریں کچھ بعید نہین ہے ۔

چہارم ۔ خود غرض یا خود پرست ۔ یعنی وہ لوگ جو دنیا
میں بہ جز اپنی غرض کے اور اپنی حظِ نفسانی کے دنیا و مافیہا سے
غرض نہیں رکھتے ۔ وہ نہین جانتے کہ قومی ہم دردی اور قومی
عزت کیا چیز ہے ۔ وہ ہمیشہ اس خیال میں ہیں کہ لوگوں کو
فائدہ پہنچنے سے ہم کو کیا فائدہ ہے ۔ قوم کی بھلائی کے لیے
روپیہ دینا سب سے بڑی حماقت سمجھتے ہین مگر جب ان کو لوگ

شرمندہ کرتے ہیں تو ہم پر یا مجوزہ دارالعلوم پر جھوٹے الزام لگانے پر مستعد ہوتے ہیں تاکہ اپنے عیبوں کو جھوٹے الزاموں کی چادر سے ڈھانکیں -

پنجم - ٹٹ پونجئے اخبار نویس - جو یہ سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے مضامین چھاپنے سے ہمارے اخبار کے دو چار پرچے زیادہ بک جاویں گے -

ششم - بے تمیز - یعنی وہ لوگ جو ہمارے ذاتی خیالات اور قومی معاملات میں تمیز نہیں کرتے اور ہمارے مقصد کو جو دارالعلوم کے قائم کرنے سے ہے، نہیں سمجھتے -

ساتویں - نادان مسلمان جن کے دل میں پہلی پانچ قسم کے بزرگوں نے وسوسہ ڈالا ہے اور وہ اپنی سچی ایمان داری سے تردد میں پڑ گئے ہیں -

ان اقسام ہفتگانہ میں سے پہلی پانچ قسم کے لوگوں سے بحث کرنا محض نادانی ہے ، اس لیے کہ وہ نادان نہیں ہیں بلکہ دیدہ و دانستہ اپنی اغراض نفسانی سے مخالفت کو اختیار کیا ہے - ہاں پچھلی دو قسم کے لوگ ایسے ہیں کہ اُن کی تشفی خاطر کے لیے کچھ لکھنا شاید مناسب ہو اور غالباً اسی قسم کے لوگوں کی طمانیت کے لیے ہمارے دوستوں نے ہم کو کچھ لکھنے کی تکلیف دی ہے - مگر ہم اتنا ہی کافی سمجھتے ہیں کہ اُن مکاید مخالفین کی جن سے وہ پچھلی دو قسم کے مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں کچھ تشریح کر دیں -

کید اول - دارالعلوم مسلمانان کی کمیٹی جو دسویں فروری ۱۸۷۳ء کو ہوئی اُس میں پوری تجویز اُس طریقۂ تعلیم کی جو دارالعلوم مسلمانان میں ہوگی، پیش ہوئی ہے اور جو جو علوم اُس میں پڑھائے جاویں گے سب بیان ہوئے ہیں - یہ تجویز چند

روز پہلے کمیٹی میں پیش ہونے سے پہلے مرتب ہوگئی تھی اور ہم نے اس خیال سے کہ اُن پچھلی دو قسم کے مسلمانوں کے دل میں کچھ وسوسہ باقی نہ رہے کان پور کے ایک چھاپہ خانہ میں ایک سوال بہ طور استفتاء اس نیت سے چھپوایا تھا کہ علماء وقت کے پاس بھیج کر اُس کا جواب لیا جاوے ۔ چناں چہ وہ چھپ گیا اور تقسیم بھی ہوا ہے اور وہ استفتاء یہ ہے جو بجنسہٖ ہم اس مقام پر نقل کرتے ہیں :

نقلِ استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء شرع شریف کے کہ ان دنوں میں بعض مسلمانوں نے واسطے تعلیمِ علوم دینی اور علوم دنیاوی مسلمانوں کے ایک مدرسہ قائم کرنا تجویز کیا ہے اور جو جو علوم اُس میں پڑھائے جاویں گے اور جس طرح کہ مدرسوں اور طالب علموں کو تنخواہ ملے گی اُس کی تجویز انھوں نے چھاپی ہے جو بہ جنسہٖ اس سوال کے ساتھ مرسل ہے ۔ پس پہلا سوال یہ ہے کہ ایسے مدرسہ کے قائم و جاری ہونے کے لیے عموماً چندہ دینا یا اس طرح پر خاص کر کے چندہ دینا کہ ہمارا روپیہ خاص فلاں علم کی تعلیمٗ میں صرف ہو اور فلاں علم کی تعلیم میں صرف نہ کیا جائے شرعاً درست ہے یا نہیں؟ دوسرا سوال یہ ہے کہ اُس تجویز میں جو علوم پڑھانے مندرج ہیں اُن میں سے کون سے علوم ایسے ہیں جن کے پڑھانے کے لیے مسلمانوں کو چندہ دینا جائز ہے اور کون سے ایسے ہیں جن کے لیے جائز نہیں ؟ بیّنوا توجروا ۔

ہر ایک مسلمان شخص خیال کرسکتا ہے کہ سائل نے نہایت صفائی اور سچائی سے بلا کسی ایماء و اشارہ کے تمام طریقہ تعلیم کو بجنسہٖ علماء کے سامنے پیش کر دیا جو کچھ اُن کے ایمان

میں آوے جواب لکھیں - اُس پر قسم اول و دوم و سوم کے لوگوں میں سے بعض نے اُس کے مقابلہ میں کان پور کے اخبار "نور الانوار" میں ایک استفتاء چھاپا ہے جس کی نقل بلفظہ یہ ہے:

نقل استفتاء مطبوعہ اخبار کان پور

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس میں کہ ان دنوں ایک شخص اُن مدارس کو جن میں علوم دینی اور اُن علوم کی جو علوم دینی کی تائید میں ہیں تعلیم ہوتی ہے جیسے مدرسۂ اسلامیہ دیوبند اور مدرسۂ اسلامیہ علی گڑھ اور مدرسۂ اسلامیہ کان پور کو لغو اور برا کہتا ہے اور ان مدارس کی ضد میں ایک مدرسہ اپنے طور پر تجویز کرنا چاھتا ہے۔اور اُس شخص کا حال یہ ہے کہ صدہا امور کو جو بہ موجب آیات اور احادیث اور روایات فقیہہ باتفاق اہلِ اسلام ناجائز ہیں،دین کے پیرایہ میں رواج دیتا ہے اس لیے مسلمانوں کو اس شخص کے افعال اور اعتقادات پر اعتماد نہیں ہے - پس اس مدرسہ کے لیے جو ایسا شخص کہ اہل اسلام سلف اور حال کے امورِ مذھبی میں مخالف ہے اپنے طور پر ایک مدرسہ ضد میں مدارسِ اسلامیہ قدیم و حال کے تجویز کرنا چاھتا ہے اور اُن میں کچھ علوم دنیاویہ اور کچھ علوم مذھبی اپنے طور پر تعلیم کرانا اُس کو منظور ہے۔مسلمانوں کو ایسے مدرسہ میں چندہ دینا درست ہے یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا -

---

اب ہم ان مسلمانوں پر جو ذرا بھی سمجھ رکھتے ہیں اس بات کا تصفیہ چھوڑتے ہیں کہ آیا یہ کان پور کا استفتاء سچائی اور نیک نیتی اور ایمان داری سے لکھا گیا ہے یا بالکل کذب و اتہام سے بھرا ہوا ہے -

ہماری تجویز تعلیم کے پڑھنے والوں نے دیکھا ہوگا کہ

ابتدائے تعلیم سے انتہاء تک فقه و حدیث و تفسیر وغیرہ دینیات اسلامی کا اس میں پڑھانا تجویز ہوا ہے ۔ اُن طالب علموں کے لیے تنخواہیں تجویز کی ہیں ۔ جو لوگ دینیات میں بعد امتحان کامل نکلیں اور مولوی بن جاویں اُن کے لیے پچاس پچاس روپیہ ماہواری ملنا صرف اس غرض سے تجویز ہوا ہے کہ وہ اور زیادہ کمال اُس میں پیدا کریں ۔ اُس تجویز میں خاص قاعدہ بنایا گیا ہے جو کتابیں مذہبی پڑھانے کو انتخاب کی جاویں وہ ایسی ہوں جن کی تعلیم پر عموماً مسلمانان ہندوستان متفق ہوں ۔ پس ان تجویزوں کی کان پور کے استفتاء سے مقابلہ کرنے پر ہر شخص به خوبی سمجھ سکتا ہے که وہ استفتاء سچائی اور ایمان داری اور نیک نیتی سے لکھا گیا ہے یا نہیں ۔

جو مذہبی تعلیم اس مدرسه میں تجویز ہوئی ہے اور جو تجویز اس کی ترقی کی کی گئی ہے وہ آج تک کسی مدرسه اسلامی کو نصیب نہیں ہوئی ۔ بے چارہ غریب مدرسه دیوبند و علی گڑھ و کان پور تو کس گنتی میں ہیں ۔ ہم موجودہ اسلامی مدرسوں کی یہ برائی نہیں بتاتے که اُن میں مذہبی تعلیم ہوتی ہے بلکه اس بات میں اُن کی شکایت کرتے ہیں که سوائے مذہب کے اور بہت سی چیزیں پڑھائی جاتی ہیں جو محض لغو و بے فائدہ ہیں اور دین و دنیا دونوں میں به کار آمد نہیں ۔ اُن کا سلسله تعلیم نہایت ناقص ہے جس میں عمر ضائع ہوتی ہے ۔ اُن سب میں اصلاح و درستی کرنی چاہیے ۔ لہٰذا جو کچھ حالت اُن مدرسوں کی ہے اُس سے ہم کو قومی ترقی اور قومی عزت حاصل ہونے کی کچھ توقع نہیں ہے ۔ اُن کا نتیجه قوم کے حق میں بجز اس کے که وہاں کے طالب علم مسجدوں میں پڑے ہوئے بھیک کے ٹکڑے کھایا کریں اور کچھ نہیں ہے ۔ اس لیے ایسا دارالعلوم قائم

هو جو دین و دنیا دونوں کی بہبودی اور ترقی کا باعث هو اور ان تمام لاوارث ڈاواں ڈول مدرسوں کا حامی اور سرپرست اور نگران هو -

اب غور کرنا چاهیے که کان پور والے ایمان دار شخص نے هماری اس تجویز کو یوں تعبیر کیا هے که وه شخص مدرسه اسلامیه علی‌گڑھ و کان پور و دیوبند کو لغو اور برا کہتا هے اور اُس کو اس مدرسه میں علوم مذهبی اپنے طور پر تعلیم کرانا منظور هے - پس اب مسلمانوں کو خود اُس کان پوری سائل کی ایمان داری اور سچائی اور نیک نیتی کا تصفیه کرنا چاهیے -

اس سائل نے هم میں بہت سے مذهبی نقص بتلائے هیں - هم قبول کرتے هیں که هم میں وه نقص سہی مگر اُن نقصوں سے اور مدرسوں میں چنده نه دینے سے کیا تعلق هے - سائل کو یه لکھنا تھا که فلاں فلاں علوم جو اُس مدرسه میں پڑھائے جائیں گے اُن کا پڑھانا کفر هے اس لیے اُن علوم کے پڑھانے میں چنده دینا نہیں چاهیے - اگر مجھ میں نقص هے اور میرے افعال و اعتقادات پر مسلمانوں کو اعتماد نہیں هے تو اس کا نتیجه یه نہیں هے جو سائل نے سوال میں قائم کیا هے بلکه اس کا نتیجه یه هے که مسلمانوں کو اور خود کان پوری سائل کو اگر کچھ غیرت و همت اور جوش اسلام اور قومی هم دردی هے ، کمیٹی کے اجلاس میں تشریف لاویں اور ممبروں کو صلاح دیں که همارے هاتھ سے اهتمام نکال کر دوسرے کے هاتھ میں دیں - اس وقت کمیٹی میں باون ممبر هیں جن میں سے بہت سے نہایت عالم اور دین دار و نیک بخت هیں اور کچھ شبه نہیں که وه ایمان داری سے جو بہتر سمجھیں گے ، کریں گے - اگر همارے مخالف اور کان پوری سائل ایسا کریں هماری نہایت خوشی اور

دل کی رضامندی ہے ورنہ خالی بیٹھے ہوئے بک بک کرنے اور لوگوں کو اغوا کرنے اور جھوٹے اتہام لگانے سے کیا فائدہ ہے۔ کیا یہ باتیں گناہ میں داخل نہیں ہیں یا دوبارہ حج کا ارادہ ہے۔

دار العلوم مسلمانان کے قواعد ایسی عمدگی سے تجویز ہوئے ہیں کہ متعصب سے متعصب وہابی بھی اُس پر کچھ اعتراض نہیں کر سکتا۔ اُس کی دفعہ ۲۰ میں یہ قاعدہ تجویز ہوا ہے کہ اگر کوئی شخص اس دار العلوم میں کسی خاص علم کی تحصیل کرنا چاہے تو وہ اُسی خاص علم کو پڑھ سکتا ہے۔ پس جو متعصب وہابی انگریزی پڑھنے کو کفر سمجھتا ہے اور فلسفہ و منطق و علوم طبیعیات کا پڑھنا ناجائز جانتا ہے وہ اُس دار العلوم میں وہی زبان اور وہی علم پڑھ سکتا ہے جن کو وہ جائز جانتا ہے اور جو متعصب وہابی خاص اپنے علوم کے سوا اور علوم کے پڑھانے کے لیے چندہ دینا کفر جانتا ہے تو وہ صرف اُنھی خاص علوم کے پڑھانے کو چندہ دے سکتا ہے۔ پس جب کہ ایسی صفائی اور سچائی سے اصول قائم کیے گئے ہیں تو لوگ خیال کر سکتے ہیں کہ دار العلم کے مخالفین کس نیت اور کس طبیعت سے دار العلوم مسلمانان کے مخالف ہوئے ہیں۔

دار العلوم مسلمانان صرف وہابیوں یا گوشہ نشین لوگوں یا تارک الدنیا عالموں کے لیے نہیں بنایا جاتا بلکہ تمام مسلمانوں کے لیے بنتا ہے جن میں مختلف اغراض اور طبیعت کے لوگ شامل ہیں۔ جو مسلمان دنیا دار ہیں اور دنیا میں روٹی کمانا اور عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور سرکاری عمدہ اور اعلیٰ عہدوں پر مقرر ہونے کی خواہش رکھتے ہیں جو انگریزی زبان اور علوم میں کامل دست گاہ حاصل کیے بغیر ممکن نہیں ہے اُن کے لیے

تمام علوم انگریزی موجود ھین اور جو لوگ فلسفہ و منطق و طبیعیات کا پڑھنا حرام نہیں جانتے اُن کے لیے وہ علوم بھی موجود ھیں جو ان تمام علوم کو کفر سمجھتے ھین اور صرف دینیات کو اور اُن علوم کو جو اُس کے معاون ھیں پڑھنا جائز جانتے ھین اُن کے لیے وہ علوم بھی موجود ھیں ۔ پس ظاھراً بجز خبث طینت کے اور کوئی چیز دار العلوم مسلمانان سے مخالفت کرنے کی وجہ معلوم نہیں ھوتی ۔

کان پور سے جو مہیب آوازیں آتی ھیں اور عجیب عجیب رسالے نکاتے ھیں اور مدلس استفتاء چھاپے جاتے ھیں اُس کا سبب ھمارے دوستوں کو معلوم نہیں ھے ۔ ھم سے جناب کان پور کے پرائیویٹ سیکرٹری کی خدمت میں تقصیر ھو گئی ھے ۔ اگرچہ اُن کے شفیع مکرمی خواجہ ولی اللہ صاحب کو یقین ھوگا کہ اُس میں ھماری کچھ تقصیر نہیں ھے مگر جناب پرائیویٹ سیکرٹری کو اُس کا یقین نہیں آتا ۔ پس یہ ذاتی رنجشیں ھیں جو اُن صورتوں میں ظاھر ھوتی ھیں ۔ ھمارے دوستوں کو اُن پر خیال کرنا اور ھم کو ان لغویات پر متوجہ ھونے کی تکلیف دینا محض بے فائدہ ھے ۔

کید دوم ۔ یہ بات سچ ھے کہ ھم کو متعدد مسائل میں مسلمانوں سے اختلاف ھے ۔ ھم تقلید کو تسلیم نہیں کرتے ۔ مذھب کو تقلیداً قبول کرنے سے تحقیقاً اُس پر ایمان لانا بہتر جانتے ھیں اور اسی طرح اور بہت سے مسائل اعتقادی و تمدنی ھیں جن سے یا جن کے طرز بیان و طریقہ استدلال سے ھم کو اختلاف ھے اور ھم اُس کو ”تہذیب الاخلاق“ میں چھاپتے ھیں اور چھاپیں گے ۔ ھمارے مخالفین عام مسلمانوں کو دھوکا دینے کی غرض سے اُن مسائل کو اور ”تہذیب الاخلاق“ کو دار العلوم

مسلمانان مین شامل کرتے ہین۔ فرض کرو کہ ہم بد اعتقاد سہی مگر دار العلوم مسلمانان میں مین تو پڑھانے اور سبق دینے والا نہیں ہوں۔ مدرس تو کمیٹی کی تجویز سے تمھارے وہی مولوی مقرر ہوں گے جن کو تم اچھا سمجھتے ہو اور کیا عجب ہے کہ جناب مولوی بشیر الدین صاحب ہی اگر وہ قبول کریں تو مدرس اعلیٰ مقرر ہوں۔ پھر میری بد اعتقادی سے اور دار العلوم مسلمانان سے کیا تعلق ہے؟ — کتب دینیہ جو اس دار العلوم مین پڑھائی جاویں گی وہ کچھ میری تصنیف کی ہوئی کتابیں نہ ہوگی۔ وہی منبہ و قدوری و ہدایہ ہوں گی جن پر مسلمانوں کا اعتقاد ہے۔ پھر میری کسی تحریر و تقریر سے دارالعلوم مسلمانان کو کیا تعلق ہے۔ "تہذیب الاخلاق" کچھ کمیٹی اسلامی کا (جو دار العلوم مسلمانان کے قائم کرنے کو مقرر ہوئی ہے) کاغذ نہیں ہے۔ اس کو دار العلوم مسلمانان سے یا کمیٹی اسلامی سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ وہ ایک پرچہ ہے جو اس سے علیحدہ بلکہ شاید اس کے مقرر ہونے سے بھی پہلے جاری ہو چکا ہے۔ اس کو چند خاص دوستوں نے اپنے خاص خرچ سے جاری کیا ہے۔ جو کچھ وہ چاہتے ہیں اس میں چھاپتے ہیں۔ فرض کرو کہ اس میں کفر و ارتداد کی باتیں چھپتی ہیں۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ اس کو مجوزہ دار العلوم مسلمانان سے کیا تعلق ہے۔ اب اس بات کو بخوبی سمجھ کر ہر ایک شخص جس کو خدا نے ذرا بھی عقل اور ایمان داری دی ہے یقین کرے گا کہ "تہذیب الاخلاق" اور ہمارے اختلافات کو جو ہمارے مخالف دار العلوم مسلمانان کے بیچ مین مانتے ہیں یہ صرف ان کی دھوکہ دہی اور تدلیس ہے ورنہ ان دونوں سے کچھ علاقہ نہیں ہے۔ دار العلوم مسلمانان مین تو وہی عقائد سکھائے جائیں گے اور وہی

کتابیں مذہبی پڑھائی جاویں گی جن کو عام مسلمان مانتے ہیں
اور وہی خواجہ ضیاء الدین اور مولوی بشیر الدین صاحب مدرس
ہوں گے جو اس زمانہ کے مولوی ہیں -

کید سوم - ہمارے مخالفین ممبران کمیٹی کی پوری تجویز
کو چھپا کر لوگوں کو اس دھوکہ میں ڈالتے ہیں کہ جو روپیہ
چندہ سے جمع ہوگا وہ سود میں لگایا جائے گا اور پرامیسری نوٹ
خریدے جائیں گے اور یہ شہرت ہے کہ اسی سبب سے مسلمان
چندہ دینے کو معصیت سمجھتے ہیں ــــ اس بات میں مخالفین نے
کچھ سچ کہا ہے اور کچھ جھوٹ ملایا ہے ــــ تمام ہندوستان
کے مسلمان جانتے ہیں کہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے
پرامیسری نوٹ کا منافع لینے کے جواز پر فتویٰ دیا ہے اور اُس
فتویٰ کی بنیاد پر سینکڑوں مسلمانوں کے پاس پرامیسری نوٹ
موجود ہیں جن کا منافع وہ لیتے ہیں اور مثل شیر مادر سمجھتے
ہیں اور شیعہ مذہب کے مسلمان تو اُس کے جواز میں کچھ
شبہ بھی نہیں سمجھتے - ہاں البتہ ایسے بھی سنی مسلمان ہیں
جو پرامیسری نوٹ کے منافع کو سود و حرام سمجھتے ہیں - کمیٹی
نے زر چندہ سے پرامیسری نوٹ خریدنے اور جائداد خریدنے
دونوں کی اجازت دی ہے اور قاعدہ مقرر کر دیا ہے کہ جو
شخص اپنے چندہ میں یہ شرط لگا دے کہ اُس کا روپیہ پرامیسری
نوٹ خریدنے میں نہ لگایا جائے بلکہ صرف جائداد خریدنے میں
صرف ہو اُن کا روپیہ علیحدہ امانت رہے اور جائداد خریدنے میں
صرف ہو - اس قسم کے چندہ کے لیے جدا رجسٹر بنے ہیں - اُس کا
حساب جدا لکھا جاتا ہے اور جس قدر روپیہ مشروط بہ جائداد
آیا ہے بہ دستور امانت ہے اور بہ جز خرید جائداد کے اور کسی
میں صرف نہ ہوگا - پس سود کے بہانہ سے روپیہ کا نہ دینا صرف

اپنی دون همتی اور قومی هم دردی نہ هونے کے عیب کو چھپانا ہے اور ہمارے مخالفوں کا اس مضمون کو طول دینا اور بڑھانا اور سود سود پکارنا صرف جھوٹے مکر سے لوگوں کو اغوا کرنا ہے ۔ ورنہ ہر ایک نیک دل آدمی یقین کر سکتا ہے کہ اگر وہ اپنا زر چندہ پرامیسری نوٹ کی خریداری میں لگانا نہیں چاهتا تو هرگز اس میں لگایا نہیں جاوے گا ۔

کید چہارم - ہم نے ایک خاص اپنی رائے ''تہذیب الاخلاق'' مطبوعہ یکم رجب ۱۲۸۹ھ میں چھاپی تھی اس باب میں کہ مدرسۃ العلوم میں کس طرح طالب علموں کا رہنا و تربیت پانا چاهیے ۔ اس کے شروع هی میں هم نے بتایا ہے کہ اُن امور کی نسبت جو قواعد قرار پاویں گے وہ ایک کمیٹی مسلمانان کی تجویز سے قرار پاویں گے جو مجلس مدبران تعلیم کے نام سے نام زد ہوگی اور جو کچھ کہ هم نے اس میں بیان کیا ہے وہ صرف ہماری هی رائے ہے ۔ ہمارے مخالفین نے ہماری اس رائے کو دیدہ و دانستہ قصداً لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہ مشہور کیا کہ یہ وہ قواعد هیں جو مجوزہ مدرسۃ العلوم مسلمانان میں جاری هوں گے ۔ حالاں کہ یہ بالکل جھوٹ اور اتهام ہے ۔ کیوں کہ اگر ممبران کمیٹی اُن کو نا پسند کریں تو ایک بھی اس میں سے جاری نہیں ہو سکتا ۔ مجھ اکیلے کی رائے اکیاون موجودہ ممبروں کے مقابلہ میں یا اس کمیٹی کے ممبروں کے مقابلہ میں جو مدبران تعلیم کے نام سے مقرر ہو ، کیا پیش کی جا سکتی ہے ۔ بلا شبہ جس طرح اور ممبروں کو اپنی رائے ظاهر کرنے کا اختیار ہے اسی طرح مجھ کو بھی اپنی رائے ظاهر کرنے کا حق ہے مگر جاری وهی چیز ہوگی جو کثرت رائے ممبران سے منظور ہوگی ۔

بلا شبہ میری رائے ہے اور میں اس پر نہایت مضبوط ہوں

کہ مسلمان لڑکوں کو تعلیم سے زیادہ تربیت کی حاجت ہے ۔ اُن کی غچلی پنے کی عادت اُن سے چھڑانا ، اُن کو صفائی و پاکیزگی کی عادت ڈالنا ، اُن کی رفتار و گفتار و پوشاک کو درست کرنا نہایت ضرور ہے اور جب وہ وقت آوے گا اور منتظمان مدرسہ کی کمیٹی جمع ہوگی اور میں بھی اگر زندہ ہوں گا اور اُس کمیٹی کا ممبر منتخب ہوں گا تو نہایت فصیح و بلیغ تقریر سے جو میرے دل میں ہے وہ اور ممبروں کے دل میں بھی ڈالنا چاہوں گا اور جہاں تک میرے بیان میں طاقت ہے میں اپنی رائے کی خوبی اور صحت اور سچائی اور مفید ثابت کرنے میں کوشش کروں گا اگر ممبران کمیٹی میری رائے کے موافق ہوگئے تو میں یقین کروں گا کہ مسلمانوں کی بد اقبالی کے دن گئے اور بہتری کے دن آئے اور اگر میری رائے منظور نہ ہوئی تو سمجھوں گا کہ ابھی تھوڑی سی نحوست مسلمانوں پر باقی ہے ۔

اس حقیقت سے واقف ہو کر ہر ایک نیک دل آدمی یقین کرے گا کہ ہمارے مخالفوں نے اس باب میں جو کچھ لکھا ہے اور جو جو اس نسبت دارالعلوم مسلمانان کے بیان کیے ہیں کس قدر لغو اور خلاف واقع ہیں ۔ زیادہ تر تعجب یہ ہے کہ اگر میری ہی ذاتی باتوں کو اور میری ہی خاص رایوں کو دارالعلوم مسلمانان کی نسبت منسوب کرتے اور اُس میں کچھ زیادتی اور کمی نہ کرتے تو بھی ایک بات تھی ۔ اُنھوں نے تو اس میں لفظاً و معناً تحریف کی ہے اور یہودیوں کے بھی کان کاٹے ہیں ۔ لا چار جو کچھ ہم نے اپنی اُس رائے میں لکھا ہے اس کا مختصراً پھر اعادہ کرتے ہیں ۔

ہم نے اُس میں یہ رائے دی ہے کہ طالب علموں کو اختیار ہوگا کہ جیسا لباس چاہیں پہنیں ۔ اِلاّ مدرسہ میں کالے

الپکے کا چغہ اور لال ترکی ٹوپی جس کا رواج روم و عرب و شام میں ھے اور اب وہ ٹوپی خاص ترکوں یعنی مسلمانوں کی سمجھی جاتی ھے پہنی ہوگی -

ہماری اس رائے کو دروغ گویوں نے انگریزی لباس اور کوٹ پتلون کا پہننا قرار دیا ھے - ذرا ایمان داری سے غور کرنا چاہیے کہ اس وقت کتنے مسلمان نکلیں گے جن کے پاس الپکے کے چغے موجود ہوں گے - کون مسلمان ھے جو کالے الپکے کا چغہ نہیں پہنتا اور اس کو حرام سمجھتا ھے اور انگریزی کوٹ جانتا ھے - اگر بمبئی میں جا کر جہاز پر سے حاجیوں کا غول اترتے ہوئے دیکھو تو جانو کس قدر حاجی عرب سے لال ٹوپی پہنے ہوئے آئے ہیں - کتنے تعجب کی بات ھے کہ گبری قبا اور انگرکھہ اور لکھنؤ اور بنارسی ٹوپی تو بالکل جائز ہو اور کالا چغہ جس کا پہننا آں حضرت صلعم سے بھی بیان ہوا ھے اور لال ٹوپی جو گروہ اعظم مسلمانان کی ھے اور عرب میں بھی جاری ھے وہ معیوب ہو ــــ بریں عقل و دانش بباید گریست ــــ اگر ہمارے مخالف صحیح صحیح بات ھی کے بیان پر اکتفا کرتے تو بھی خیر تھی مگر اس اتہام کو تو دیکھو کہ چغہ کو انگریزی کوٹ اور اس لباس کو انگریزی لباس بیان کیا ھے -

دوسری تجویز ہماری یہ تھی کہ ہر طالب علم کو مدرسہ میں موزہ یعنی جراب اور انگریزی جوتہ پہن کر آنا ہوگا - اس تجویز کو تو مخالفوں نے اس طرح بیان کیا کہ گویا ہم نے سب طالب علموں کا کرسٹان کرنا تجویز کر دیا - قطع نظر اور سب باتوں کے ہم کہتے ہیں کہ اس وقت ہر قصبہ و شہر میں جا کر دیکھو کہ کس قدر مسلمان اور مسلمانوں کے بچے انگریزی جوتہ پہنتے ہیں اور کوئی ذرا بھی برا نہیں جانتا - پس اگر ہم نے بھی

انگریزی جوتہ پہننا تجویز کیا تو کیا قیامت کی اور کیوں طالب علموں کو کرسٹان بنا دیا ۔ پس ہر ایک نیک دل آدمی یقین کر سکتا ہے کہ یہ تمام غوغا مخالفوں کا صرف خبث طینت پر مبنی ہے نہ کسی اصلیت پر ۔

تیسری تجویز ہماری یہ تھی کہ سب طالب علم ایک جگہ کھانا کھاویں اور طرز کھانے کا یا تو مثل ترکوں کے ہو جو میز پر کھاتے ہیں یا مثل عربوں کے ہو جو زمین پر بیٹھ کر اور چوکی پر کھانا رکھ کر کھاتے ہیں ۔ اسی بات کو مخالفوں نے چھری کانٹے سے کھانا تعبیر کیا ہے ۔ مگر اس کو کچھ ہی تعبیر کرو ہم اس طریقہ کو نہایت پسند کرتے ہیں اور بلا شبہ کمیٹی میں یہی رائے دیں گے اور اگر اور ممبر ہماری رائے کو نا منظور کریں گے تو بلا شبہہ ہمارا کچھ بس نہیں چلنے کا مگر دل میں کہیں گے کہ افسوس خود ممبر بھی تعلیم کے محتاج ہیں ۔

چوتھی تجویز جو سب سے زیادہ قیامت برپا کرنے والی تھی وہ یہ تھی کہ جو لوگ اس مدرسہ کے بڑے حامی ہوئے ہوں اُن کی روغنی تصویریں قد آدم نہایت عمدہ سنہری چوکھٹوں میں ہمیشہ کی یادگاری کے لیے مدرسہ میں رکھی جاویں ۔

ظاہر ہے کہ یہ بات کچھ اصول تعلیم اور بناء مدرسہ سے متعلق نہیں تھی اور نہ اس وقت اس بات کی بحث ہے کہ وہ شرعاً جائز ہیں یا نہیں ۔ یہ صرف اپنے شوق کی بات ہے ۔ مجھے تصویر سے شوق ہے ۔ میں اپنے گھر میں تصویریں رکھتا ہوں ۔ وہاں بھی خوب صورتی و شان کے لیے تصویریں رکھنا تجویز کرتا ہوں ۔ میں تصویریں طیار کر کے وہاں لے جاؤں گا حامیان مدرسہ کی نہایت عمدہ و خوب صورت اور مخالفان مدرسہ کی نہایت ہیبت ناک و بد صورت ۔ ممبران کمیٹی اگر مجھ کو وہاں رکھنے

نہ دیں گے میں اپنے گھر لا کر رکھ لوں گا ۔ اس میں جھگڑا کیا ہے اور مدرسہ سے مخالفت کی کون سی بات ہے ؟

آہ ! کیا افسوس کی بات ہے ۔ حافظ ہی بے شک نہایت عمدہ شخص تھا ۔ اس کا یہ شعر اس وقت میرے دل کو لگ گیا :

واعظاں کیں جلوہ در محراب و ممبر میکنند
چوں بخلوت میروند آں کار دیگر میکنند

سینکڑوں مسلمان ہوں گے جنھوں نے نہایت آرزو سے اپنی تصویریں بنوائی ہوں گی ۔ یہاں تک کہ ہمارے قدیم دوست مخدوم جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بہادر ڈپٹی کلکٹر کانپور نے بھی باوصف اس قدر اتقا کے نہایت معرکہ آرائی سے اپنی تصویر کھنچوائی ہے جو ہمارے کمرہ میں نہایت عمدہ چوکھٹے میں موجود ہے ۔ پس ہم نے کیا آفت برپا کی جو مدرسہ کے ہال میں تصویروں کا رکھنا تجویز کیا ۔ غرض کہ اگر لوگ ان باتوں پر غور سے اور انصاف سے نظر کریں گے تو اصل بات اور مخالف اور موافق کی نیک نیتی یا بد نیتی کسی طرح پوشیدہ نہیں رہ سکتی ۔

کید پنجم ۔ وہ لوگوں کو یہ کہہ کر بھکاتے ہیں کہ میاں یہ سب خیالی پلاؤ ہیں ۔ اس قدر روپیہ نہ جمع ہوگا نہ یہ مدرسہ قائم ہوگا ۔ پس اس میں چندہ دینا محض بے فائدہ ہے ۔ سید احمد ہی کے دم تک یہ چرچا ہے پھر کون کچھ کرتا ہے ۔ اس بات کا تو ہم کو بھی رنج ہے کہ ہمارے بعد کون مسلمانوں کی خبر لےگا غالباً سب یتیم ہو جاویں گے مگر خدا کی رحمت سے ہم نا امید نہیں ہیں ضرور کوئی نہ کوئی پیدا ہووے گا ۔

روپیہ بغیر بلاشبہ کچھ نہیں ہو سکتا ۔ خصوصاً ایسی ابتر حال قوم کا جیسے کہ ہندوستان کے مسلمان ہیں بغیر زر کثیر کے سنبھالنا نہایت ہی دشوار ہے ۔ مگر انصاف کرنا چاہیے کہ ایسی

حالت کا یہ علاج ہے کہ ہم سب مل کر کوشش کریں اور سب یک دل و یک جان ہو کر روپیہ فراہم کرنے پر کوشش کریں یا یہ کہ لوگوں کو بہکا دیں کہ میاں چندہ دینے سے کیا فائدہ ۔ اس قدر روپیہ کب جمع ہو سکتا ہے ؟

کید ششم ۔ وہ لوگوں سے یہ کہتے ہیں کہ اس مدرسہ میں تو انگریز کافروں کے علوم جدیدہ پڑھائے جائیں گے ۔ جو علم ہمارے باپ دادا پڑھتے آئے تھے اُن کو چھڑانا چاہتے ہیں ۔

یہ مکر اُن کا کسی قدر سچ ہے اور کسی قدر جھوٹ ۔ جس شخص نے تجویز و طریقہ تعلیم کو پڑھا ہوگا وہ بخوبی جانتا ہوگا کہ علوم مذہبی مثل حدیث و تفسیر و فقہ وغیرہ ہم وہی پڑھانے چاہتے ہیں جو ہمارے باپ دادا پڑھتے آئے ہیں ۔ عربی زبان بھی ہم وہی سکھانی چاہتے ہیں جو ہمارے باپ دادا سیکھتے آئے ہیں ۔ ہاں بے شک دنیاوی علوم جو ہم پہلے پڑھتے تھے اُن کو ہم اس زمانہ میں کچھ مفید نہیں سمجھتے بلکہ صحیح بھی نہیں سمجھتے اور اس لیے بعوض ان دنیاوی علوم کے وہ دنیوی علوم پڑھانا چاہتے ہیں جو اس زمانہ میں مفید ہیں اور جن کا جاننا انسان کو دنیا میں انسان بنانے کے لیے نہایت ضرور ہے اور جن کے نہ جاننے سے ہماری قوم کا لکھا پڑھا شخص بھی محض کودن رہتا ہے ۔ ہماری رائے میں دنیا میں قومی عزت اور قومی بہبودی اور قومی آسودگی اور قومی تمول انہی علوم کے جاننے پر منحصر ہے اور ذریعہ حصول معاش بھی وہی علم ہیں خواہ وہ ذریعہ سرکاری نوکری کا ہو یا تجارت کا اور یا کسی پیشہ کے اختیار کرنے کا اور اس لیے انہی علوم کے رائج کرنے کے لیے اس دارالعلوم کے قائم کرنے کی تجویز ہوئی ہے ۔ پس یہ تو بلاشبہ لاعلاج بات ہے ۔ اگر وہابی اور نادان مسلمان اُن دنیاوی علوم کے

پڑھانے سے ناراض ھین جو اس مدرسہ مین پڑھائے جاوین گے اور
اس سبب سے چندہ دینے و مدد کرنے مین کوتاھی کرتے ھین تو
آن کی یہ حماقت آن کو مبارک رھے ۔ ھم ایسون سے چندہ نہ ملنے
کا کچھ افسوس نہین کرتے ۔ اس قسم کے لوگ جانورون کی
مانند ھین ۔ کیا ھم جانورون سے دارالعلوم مین مدد ملنے کی توقع
کر سکتے ھین ؟

اے میرے دوستو ! تم خوب غور کرو کہ یہ دارالعلوم
اپنی قوم کی بھلائی اور بہتری اور آن مین علم کی روشنی پھیلانے
اور آن کو روشن ضمیر کرنے اور آن مین اعلیٰ درجہ کی لیاقت
اور تہذیب و شائستگی پھیلانے کے لیے بنایا جاتا ھے تاکہ وہ بھی
مثل دیگر معزز اقوام کے معزز ھون ۔ پس ھم نہایت نالائق اور
مردہ ھمت ھون گے اگر اپنے مخالفین کے ڈر سے ھم اپنے اس عمدہ
مقصد کو چھوڑین گے ۔ تم خیال کرو کہ اگر ھم نے اپنے اس
اعلیٰ مقصد کو چھوڑا اور اس دارالعلوم کو ایک ایسا ھی تاریک
مدرسہ بنا دیا جیسے کہ اس زمانہ مین ایشیائی تعلیم کے مدرسون
کا حال ھے تو شاید ھماری نام آوری تو ھو مگر ھم نے اپنے ملک
اور اپنی قوم کے ساتھ کچھ بھلائی نہ کی ھوگی بلکہ نہایت دشمنی
کی ھوگی اور اندھیرے پر اندھیرا ڈالا ھوگا اور اندھے کو اور
کنوئین مین دھکیل دیا ھوگا اور بالفرض اگر ھم اپنے مطلب پر
کامیاب نہ ھوئے اور وھابیون کے سرگروھون کے تعصب اور اپنے
ملک اور اپنی قوم کے بدخواھون اور ڈریٹرون کی کوشش اور
ھمارے مخالفون کی سعی یا مسلمانون کی حماقت اور نادانی اور نافہمی
سے ایسا دارالعلوم جیسا کہ ھم چاھتے ھین قائم نہ ھو اور لوگ
کچھ مدد نہ کرین تو ھم کو کچھ رنج و افسوس نہ ھوگا ۔
کیونکہ ھمارا فرض صرف کوشش کرنا ھے آس کا پورا ھونا یا نہ

ہونا ہمارے اختیار میں نہیں ہے ۔ ہم کو صرف اپنا فرض ادا کرنا چاہیے " السعی منی و الا تمام من اللہ تعالیٰ "۔

ہم کو اپنے بعضے دوستوں سے تعجب ہے کہ وہ ہمارے مخالفین کی مخالفت سے بہت ڈر گئے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی مخالفت بہت کچھ اثر کرے گی اور وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اُن کی مخالفت نے چندہ کے وصول ہونے میں ہرج ڈالا ہے ۔ مگر میں اس خیال کی صحت کو دل سے تسلیم نہیں کرتا ۔ کیوں کہ جن لوگوں میں قومی ہم دردی کا کچھ بھی اثر ہے وہ سب چندہ بھی دیتے ہیں اور دل سے اس دارالعلوم کا قیام چاہتے ہیں ——— حیدر آباد میں لوگ سب کمیٹی مقرر ہونے کے خواہش مند معلوم ہوتے ہیں ۔ پریسیڈنسی مدراس کے لائق آدمی اس قدر ہماری تجویزوں کو پسند کرتے ہیں کہ صوبہ مدراس کے مسلمانوں کی تعلیم بھی ہماری کمیٹی اور ہمارے مجوزہ دارالعلوم میں شامل کرنے کو تحریکیں شروع کی ہیں ۔ شمس الاخبار مدراس میں اُس کمیٹی کی روئدادیں ہمیشہ چھپتی ہیں ۔ پٹنہ کے لوگ بھی سب کمیٹی مقرر کرنے کے خواہش مند معلوم ہوتے ہیں اور چندہ بھی برابر ہوتا جاتا ہے اور وصول بھی ہوتا جاتا ہے ۔ اب ہم عنقریب چندہ جدید کی فہرست چھاپیں گے جس سے معلوم ہوگا کہ کس قدر جدید چندہ ہوا ہے ۔

چندہ جو اب تیزی سے ترقی نہیں پاتا اس کی وجہ یہ نہیں ہے جو ہمارے بعض دوستوں نے سمجھی ہے بلکہ اس کی دو وجہ ہیں ایک ضعیف اور ایک قوی ——— ضعیف وجہ یہ ہے کہ جو لوگ فیاضی سے اور دلیری سے دینے والے تھے اُنھوں نے جلد جلد چندہ دیا اس لیے ضرور تھا کہ اول اول تیزی سے چندہ چلے ۔ اب ضرور ہے کہ آہستہ آہستہ ترقی پاوے ۔ تمام چندوں کا یہی نیچر ہے ۔

جس طرح کہ اول اول تیزی سے چندہ چلتا ہے اگر اسی طرح برابر چلا جاوے تو ہم تو فرانس اور جرمن دونوں بادشاہتوں کو مول لے لیں ۔ دوسرا قوی سبب یہ ہے کہ ہمارے دوست بھی اور وہ بھی جو دل و جان سے اس دارالعلوم کا قیام چاہتے ہیں اور خود ہماری کمیٹی کے ممبر چندہ وصول کرنے میں سعی و کوشش نہیں کرتے ۔ تقصیر معاف ہو فضل الٰہی سے ہماری کمیٹی کے باون ممبر ہیں ۔ اُن میں سے سوائے ایک کے جس کے آگے ہم سب کو سر جھکانا چاہیے اور کس نے کیا کیا ہے ۔ صرف ہمارا ایک دم ہے ۔ جس قدر ہم کو وقت و فرصت ملتی ہے اُسی قدر ہم کرتے ہیں ۔ اس تحریر سے ہم کو اپنے ممبروں کی شکایت مقصود نہیں ہے بلکہ اُن کو جوش دلانا منظور ہے کہ محنت کریں ۔ در بدر پھر کر اپنی قوم کے لیے چندہ مانگیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ اب یہ وقت نہیں رہا ہے کہ صرف کاغذ کے گھوڑے دوڑانے سے کام چلے بلکہ خود شہر بشہر اور ضلع بضلع دورہ کرنے اور اسپیچیں سنانے اور لوگوں کے دلوں کو جوش میں لانے کا وقت ہے ۔ اس کام کے لیے علاوہ فرصت اور وقت کے روپیہ کا بھی ہونا درکار ہے کہ بدوں خرچ کے دورہ نہیں ہو سکتا ۔ کمیٹی کی تھیلی میں جو گیا پھر نکلتا نہیں ۔ پس دورہ کرنے کا وقت ، اُس کی محنت ، اُس کا خرچ سب ہم کو اپنی گرہ سے کرنا ہے ۔ اگر خدا کی مرضی ہے تو ہم سب کچھ کریں گے ۔ اگر زندہ ہیں اور خدا کی بھی مرضی ہے تو اپنے مخالفوں کو دکھائیں گے کہ خدا نے کیا کیا اور اگر اس میں آنکھ بند ہو گئی اور لحد میں جا سوئے تو یہ اُمید رکھیں گے کہ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکنند

جو تجویز مدرسۃ العلوم مسلمانان کی ہم نے لکھی ہے ،

بے خبر لوگ اُس کا لطف نہیں جان سکتے اگر ہماری قوم با خبر ہوتی تو اُس کی قدر جانتی - با ایں ہمہ ہماری ہی قوم کے بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنھوں نے بخوبی اُس کا لطف سمجھا ہے - تجویز مذکورہ کے چھپنے کے چند روز بعد ہی ایک صاحب کا خط ہمارے پاس آیا تھا جن سے اور ہم سے اُس وقت تک ملاقات بھی نہ تھی - اُس خط کو بجنسہٖ ہم چھاپتے ہیں - اس تسلی کے لیے کہ نا قدردانوں کے ساتھ ہماری قدر کرنے والے بھی موجود ہیں گو کہ صحیح مقولہ یہی ہے کہ " قدر مردان بعد مردن " -

نقل خط

بعالی جناب فیض مآب مربی و سرپرست مسلمانان ہند جناب مولانائے مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر ستارۂ ہند دامت برکاتہ' !

تسلیم - میں نے اخبار سائنٹیفک سوسائٹی علی گڑھ مطبوعہ ۶ - ستمبر ۱۸۷۲ء میں آپ کا وہ مضمون جو مدرسۃالعلوم کی نسبت تھا چھپا ہوا دیکھا - یہ الہامی مضمون مسلمانوں کے واسطے جاں فزا مژدہ ہے - آپ نے وہ فکریں کی ہیں جن سے مسلمان شائستگی میں یورپ کی شائستہ اقوام سے بھی زیادہ ہو جاویں اور ان کو لندن جانے کی پھر دقتیں نہ اٹھانی پڑیں - اب کھلا کہ آپ کا لندن جانا مکہ جانا سے زیادہ مفید ہوا - آپ اگر مکہ جاتے تو صرف آپ کی ذات کا فائدہ تھا - ایک مخلوق خدا جو تباہی میں تھی اس کی دست گیری کون کرتا - میں نے جب سے آپ کا یہ مضمون دیکھا ہے بے اختیار یہ جی چاہتا کہ اُس شخص کے قدم چومے ہوتے جس نے ہم کو ڈوبتے دیکھا اور گمراہی کے دریا سے نکلا - آپ نے مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک کیا ہے جس کا

شکریہ ادا کرنا مسلمانوں کی طاقت بشری سے باہر ہے۔ بہر حال

تم سلامت رہو ہزار برس
ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

ایک بات پر مجھ کو بادئی النظر میں کچھ شبہ ہوا تھا۔ کہ مدرسۃ العلوم مین تصویر کیوں کر ہوگی۔ تصویر کا تو رکھنا ممنوع ہے۔ لیکن جب خیال کیا تو معلوم ہوا کہ شارع علیہ السلام نے جو تصویر کی نسبت حکم کیا ہے وہ صرف مشابہت اہل ہنود کا سبب تھا کہ مبادا مسلمان بھی اُن کی پرستش کرنے لگیں اور جب کہ ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے تو پھر کوئی الزام نہیں عائد ہو سکتا[1] بلکہ اس مدرسہ مین تصویر کے رکھنے سے ایک طرح کا لوگوں کو جوش دلانا ہے۔ سچ ہے ع

مرد آخر بیں مبارک بندہ است

یہ نہیں معلوم ہوا کہ چندہ کی تعداد کہاں تک پہنچ گئی ہے۔ کیسی خوشی کا وہ دن ہوگا جس دن مدرسہ کی بنیاد قائم ہوگی۔ خدا کرے اب تمنائے دل جلد پوری ہو۔ آمین ثم آمین۔

جہاں پر کہ ذکر مکانات کیا گیا ہے اور جس شہر مین کہ مدرسہ قائم ہوگا اُن صفات کے ساتھ جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اگر حق اللہ پوچھیے تو وہ شہر علی گڑھ ہے۔

آپ کا تابعدار فرمان بردار
احقر۔ معصوم علی

۱۔ اگر راقم خط یہ خیال کرتے کہ تصویروں کا رکھنا صرف خوشی و شان کے لیے تھا بہتر تھا۔ (مترجم)

پس ہماری تمنا اپنے ہم قوموں سے یہ تھی کہ بدگمانی کے عوض اگر نیک گمان کریں اور نیک کام میں مدد دیں اور غلطیوں کی اصلاح پر کوشش فرماویں تو صرف مخالفت کرنے سے ہزار درجہ ہمارے اور ہماری قوم کے لیے بہتر ہوگا - واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم -

اب خاتمہ تحریر پر ہماری درخواست بالتخصیص ایڈیٹران ''اودھ اخبار'' اور ''پنجابی اخبار'' لاہور سے یہ ہے کہ اپنی عنایت و مہربانی سے جیسی کہ وہ ہمیشہ فرماتے رہے ہیں ہماری اس تحریر کو اپنے اخباروں میں مندرج فرما کر ہم کو ممنون منت فرماویں اور ان کے سوا اگر اور اخبار نویس بھی اپنے اخبار میں اس تحریر کو جگہ دیں گے تو ہم دل سے ان کی عنایت کے شکر گزار ہوں گے -

مسلمانوں کی تعلیم میں متفقہ کوشش کی ضرورت

("تہذیب الاخلاق" (دور سوم) جلد اول نمبر ۱ بابت
یکم شوال ۱۳۱۱ ہجری صفحہ ۵)

سلام علیکم - سلام صاب سلام صاب - حضرت السلام علیکم!
ہاں صاحب ! کہا تو سہی وعلیکم -

کیوں آج تو عید ہے اور سنا ہے کہ اب پھر "تہذیب الاخلاق" بھی جاری ہوتا ہے - پھر آپ سست اور چپ کیوں ہیں ؟

نہیں حضرت ! میں چپ نہیں ہوں بلکہ مسلمانوں کو عید گاہ جاتے اور آتے دیکھ رہا ہوں اور اُن کی حالت کو سوچ رہا ہوں - کیا سبب ہے کہ جو بوڑھے ہیں - ریش دراز، ریش سفید، اُن کے چہروں پر نور نہیں ؟ جو جوان ہیں اُن کے چہروں پر بشاشی نہیں ؟ چلتے پھرتے ہیں مگر دل مردہ ہیں - آخر اس کا کچھ سبب بھی ہے ؟

ہزاروں مسلمان اس طرف سے گذرے - سوائے دو چار کے سب پیدل تھے - میں سمجھا کہ ثواب کی نظر سے پیدل جاتے ہیں - ایک راہ سے جاویں گے اور دوسری راہ سے آویں گے - تاکہ دونوں راستے اُن کی نماز کے گواہ رہیں - مگر جب تحقیق کیا تو معلوم ہوا کہ عصمت بی بی از بے چادری - اُن میں سے کسی کے پاس سواری ہے ہی نہیں -

پھر دیکھو امام کی بے وقوفی ! کہ ان کو خطبہ میں روزہ کے احکام بتاتا ہے ۔ اُن کو روز روزہ ہی رہتا ہے ۔ شام کا کھانا ہی میسر نہیں کہ اتموا الصیام الی اللیل کی تعمیل ہوسکے ۔ اس پر اور بے وقوفی دیکھو کہ فطرہ کے احکام بتاتا ہے اور یہ نہیں سمجھتا کہ سب کے سب تو فطرہ لینے والے ہیں ۔ دینے والا کون ہے جن کو یہ احکام بتاتا ہے ؟ دنیا بغیر نہ دنیا چلتی ہے نہ دین چلتا ہے ۔ قرآن پڑھو جب خدا نے یہودیوں کو ذلیل کرنا چاہا تو دنیاوی عزتوں کو اُن سے چھین لیا ۔ ضربت علیہم الذلۃ و المسکنۃ و باؤا بغضب من اللہ ۔ ظاہرا یہی حال مسلمانوں کا ہونے والا ہے ۔ نعوذ باللہ منہا ۔

پھر آپ نے کچھ تدبیر سوچی ہے ؟

ہاں سوچی تو ہے ۔ مگر تقدیر کے آگے تدبیر کیا چلتی ہے ــــ سوچ سوچ کر مدرسۃ العلوم قائم کیا ہے ۔ مسلمانوں کو تعلیم دینا ، قومی ہم دردی سکھانا ، مذہب ، مذہب کی عادت ڈالنا ، تربیت دے کر مسلمان بنانا چاہا ہے ، دیکھیے کیا ہوتا ہے ؟

حضرت ! آپ نے مسلمانوں کی مفلسی کا تو وہ حال بتایا ۔ مگر مدرسۃ العلوم میں بھی تو بغیر روپے کے نہ تعلیم ہوسکتی ہے نہ تربیت ۔ پھر اُس سے کیا نتیجہ ہوگا ؟

ہاں یہ سچ ہے مگر بغیر روپیہ کے کیا ہو سکتا ہے ؟

اے زر تو خدا نئی و لیکن بخدا
ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

اسی سرگردانی میں ہم بھی ہیں ۔ بھیک مانگتے پھرتے ہیں ۔ قوم کا حال کیسا ہی ابتر ہو ۔ اگر سب متفق ہو کر مدد کریں تو سب کام پورے ہو سکتے ہیں ۔ اگر اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی

مسجد جدا جدا بنائیں تو جہنم میں جائیں ۔ من شذ شذ فی النار ۔

دیکھو اسی سرگردانی اور پیرانہ سالی اور ناتوانی اور کسی قدر بیماری کی حالت میں بھیک مانگنے اور قوم کے لیے روپیہ جمع کرنے کو پنجاب جاتا ہوں ۔ اگر لوگوں نے مدد کی تو سب کچھ ہو جائے گا مگر وہاں کے بعض طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں "السوال علی السوال حرام" ۔

ہاں حضرت ! آپ کا کہنا درست ہے ۔ اس زمانہ میں اس بات کا بہت کم خیال ہے کہ وہی کام کریں جو در حقیقت قوم کے مفید ہو ۔ ایسے لوگ کہاں جو اپنی خواہشوں پر قوم کی بھلائی کو مقدم رکھیں ۔ مگر پنجاب کے لوگ سمجھ دار ہیں ۔ بے شک وہ سوچیں گے کہ در حقیت قوم کی بھلائی کس میں ہے ؟ اور وہی کام کریں گے ۔ جس میں در حقیقت قوم کی بھلائی ہے ۔

سید احمد

چندۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان

("تہذیب الاخلاق" بابت ۱۵ جمادی الاول ۱۲۹۰ھ)

سیکرٹری کمیٹی خزنۃ البضاعۃ نے انگلستان میں بھی مدرسۃ العلوم مسلمانان کے لیے چندہ جمع کرنے کو ایک سرکلر روانہ کیا ہے اور اپنے دوستوں سے جو انگلستان میں ہیں ، اس بات کی درخواست کی ہے کہ وہاں بھی چندہ جمع کرنے کے لیے ایک کمیٹی بنائی جاوے اور یہ بھی درخواست کی ہے کہ رائٹ آنریبل لارڈ لارنس جی - سی - بی - جی - سی - ایس - آئی - اس کمیٹی کے پریذیڈنٹ ———

اور

مارکوئیس آف سالس بری -
ارل آف ڈربی -
لارڈ اسٹینلی آف ایلڈرلی -
سر بارٹل فریر ، جی - سی - ایس - آئی -
سر چارلس ٹریویلین ، کے - سی - ایس - آئی -
سر لارنس پیل -
سر رابرٹ منٹگمری ، کے - سی - ایس - آئی - اس کمیٹی کے ممبر -

اور ایڈورڈ ٹامس صاحب ، ایف - آر - ایس - اس کمیٹی کے سیکرٹری ہوں -

سید احمد خاں نے اس درخواست کی منظوری کے لیے

جناب لارڈ لارنس اور لارڈ اسٹینلی اور سر بارٹر فریر اور سر چارلس ٹریویلین اور سر رابرٹ منٹگمری اور ایڈورڈ ٹامس صاحب کو به طور نج کے چٹھیاں لکھی ھیں - امید ھے که یه تدبیر کارگر ھوگی اور اگر لندن میں مذکورہ بالا امراء نے کمیٹی کا بنانا منظور کر لیا تو مدرسة العلوم مسلمانان کے چندے کو بہت بڑی مدد ملے گی ۔ سید احمد خاں سیکرٹری نے اپنی اس تدبیر سے حضور عالی ھزگریس ڈیوک آف آر گائل وزیر اعظم ھندوستان کو بھی اطلاع دے دی ھے ۔

جو سرکار که سید احمد خاں نے لندن روانه کیا ھے ، وہ یه ھے ۔

سرکلر

از طرف مجلس خزنة البضاعة لتاسیس مدرسة العلوم للمسلمین جس کی رجسٹری بموجب ایکٹ ۲۱ ، ۱۸٦۰ء کے ھو چکی ھے ۔

مقام بنارس واقع اضلاع شمال و مغرب ھندوستان

جب سے سلطنت مغلیه کا ھندوستان میں زوال ھوا اس وقت سے مسلمانوں کی صرف دولت اور اختیار ھی کو تنزل نہیں ھوا بلکه اُن کی تعلیم میں بھی بہت کچھ تنزل ھوگیا ھے ۔ ھندوستان میں انگریزی سلطنت کے شروع ھونے کے بعد کچھ عرصه تک مسلمان مشرقی علوم اور مشرقی علم ادب خصوصاً فارسی و عربی پڑھتے رھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی عمل داری میں جو اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے ھندوستانیوں کو ملنے ممکن تھے اُن پر مسلمان ممتاز ھوتے تھے لیکن بالفعل جب سے انگریزی زبان کا جاننا گورنمنٹ کی ملازمت کے لیے ایک امر ضروری ھو گیا ھے تب سے سرکاری عہدہ داروں کی فہرست میں مسلمانوں کی تعداد

بہت کم ہو گئی ہے - بعض اضلاع میں مسلمان عہدہ داروں کی تعداد بمقابلہ ہندوؤں کے اس قدر کم ہے کہ فی صدی تین مسلمان ہیں اور یہ بات ہندوستان کے لیے پولٹیکل اور سوشل دونوں طرح پر نہایت بڑی خرابی کی سمجھی جاتی ہے - نہایت افسوس ہے کہ افلاس اور جرائم جو جہالت کے ضروری نتیجے ہیں مسلمانوں میں بڑھ گئے ہیں اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ سب خرابیاں جن میں آج کل مسلمان مبتلا ہیں صرف عمدہ تعلیم ہی سے دور ہو سکتی ہیں -

- جو سلسلہ تعلیم کا گورنمنٹ نے اس ملک کے لوگوں کے سخت تعصبات کے سبب سے بہ مجبوری اختیار کیا ہے گو کہ وہ نہایت فیاضی کے اصول پر مبنی ہے جس میں کسی کی طرف داری نہیں ہے تو بھی مسلمانوں کی خانگی اور سوشل ضرورتوں کے لیے کافی نہیں ہے——مشرقی زبان اور مشرقی علم ادب کی کافی ترقی کا نہ ہونا——اعلیٰ درجہ کے علوم کی تعلیم کا صرف انگریزی زبان کے ذریعے سے ہونا——ایک ہی سی تعلیم کا تمام لوگوں کے لیے مقرر ہونا——یہ سب ایسے اسباب ہیں جن کے باعث سرکاری سلسلہ تعلیم سے مسلمانوں کی (جو اپنی زبان اور اپنے علم ادب کو پسند کرتے ہیں اور اُن کی تبدیلی پر راغب نہیں ہوتے) تمام ضرورتیں رفع نہیں ہوتیں—— مسلمان طالب علموں کی تعداد اب تک گورنمنٹ کالجوں اور اسکولوں میں نہایت کم ہے اور گو گورنمنٹ ہند نے بہ صلاح و مشورہ اپنے ماتحت کی گورنمنٹوں کے اُن موانع کے دفعیہ کی بھی کوشش کی ہے جن کے باعث سے مسلمان اپنے لڑکوں کو سرکاری مدرسوں میں تعلیم کے لیے نہیں بھیجتے تاہم نہایت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود مسلمانوں کو اس امر میں

کوشش کرنی چاہیے - چند نہایت لائق اور معزز مسلمانوں نے متفق ہوکر آکسفورڈ اور کیمرج کے قاعدہ کے موافق ایک عمدہ مدرسۃ العلوم کے قائم کرنے کی تجویز کی ہے اور یہ تجویز کیا ہے کہ تعلیم کے ساتھ طالب علم مدرسہ میں رہیں اور اس لیے چند قاعدے بھی بنائے ہیں[1] ـــــ جو طریقہ زندگی کا بالفعل ہندوستان میں ہے وہ کسی قسم کی عمدہ تحصیل علم کے لیے مناسب نہیں ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ مدرسہ میں رہنے کا قاعدہ اس بڑے نقصان کا علاج ہوگا ـــــ جس قدر کہ انگلستان کی یونیورسٹیوں میں مدرسہ میں رہنا ضروری سمجھا جاتا ہے ہندوستان میں اس سے بھی بہت زیادہ ضروری ہے - اس لیے کہ ہندوستان کے دولت مند لوگوں کے گھر کی باتوں کا اثر تعلیم کے لیے نہایت ہی مضر ہے - آکسفورڈ اور کیمبرج کے قاعدہ کے موافق مدرسۃ العلوم کے قائم ہونے سے طالب علموں کے دلوں میں ایک نئی روح بھر جائے گی اور اعلیٰ درجے کے مسلمانوں کو بھی اپنی طرف راغب کر لے گی - اس تجویز کو گورنمنٹ ہند نے بھی بہت پسند کیا ہے اور نہایت فیاضی سے امداد کرنے کا وعدہ فرمایا ہے -

ایک برس کے قریب ہوا جب سے چندہ جاری ہے اور بہت سا روپیہ لوگوں نے اس چندے میں مرحمت فرمایا ہے - حضور عالی جناب لارڈ نارتھ بروک صاحب وائسرائے اور نواب گورنر جنرل بہادر ہندوستان نے بھی ایک ہزار پونڈ ، یعنی دس ہزار روپیہ چندہ دینا کیا ہے ـــــ مسلمان خود اپنے ہم مذہبوں یعنی مسلمانوں سے اور انگریزوں سے اس چندے کی درخواست

۱- اس سے اشارہ ان قاعدوں کی نسبت ہے جو ۱۰ - فروری ۱۸۷۳ء کے اجلاس میں سید محمد محمود کی طرف سے پیش ہوئے تھے -

کرتے ہیں اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انگلستان کے لوگوں پر جو ہندوستان کے حاکم اور انسان کے خیر خواہ ہیں ، ہمارا ایک خاص استحقاق ہے —— ہندوستان میں گورنمنٹ کی رعایا میں مسلمانوں کی تعداد تین کروڑ ہے ۔ بالفعل اُن کی یہ کوشش ہے کہ ایک یونیورسٹی کی بنا ڈالیں جو بعدہ خود ترقی پا کر اپنا اثر تمام ہندوستان میں بذریعہ کالجوں اور اسکولوں کے پھیلا دے اور ان کالجوں اور اسکولوں میں ایسی تعلیم ہو جو خاص مسلمانوں کی حالت اور اُس نسبت کے جو مسلمانوں اور انگریزوں میں ہے مناسب ہووے ۔

وہ خاص علوم جن میں تعلیم ہوگی وہ مغربی علوم ہوں گے جو علم طبیعیات اور عام قویٰ انسانی کہلاتے ہیں جن کی اس ملک میں نہایت ضرورت ہے اور جن کے بغیر کسی قوم کی اصل ترقی نہیں ہو سکتی اور ان علوم کی تعلیم بذریعہ ہندوستانی زبان کے ہوگی اور اور علوم جو مجوزہ مدرسۃ العلوم میں سکھائے جائیں گے وہ یہ ہیں ۔ انگریزی ، علم ادب اور قدیم زبانیں ، جن کے ساتھ مشرقی علم ادب بھی ہوگا ۔۔۔۔ اس سلسلہ تعلیم سے یہ امید ہے کہ مسلمان اپنی قومی تعلیم بھی پاویں گے اور انگریزی زبان کی طرف بھی زیادہ تر متوجہ ہوں گے جو کہ سرکار انگریزی کی عمل داری میں ہر قسم کی نوکری کے لیے ایک ضروری شرط قرار دی گئی —— یہ لوگ آج تک انگریزی زبان اور انگریزی علوم کو سرکاری نوکری حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اس سبب سے دولت مند لوگ جو نوکری کی خواہش نہیں رکھتے ، سرکاری سلسلہ تعلیم سے پرہیز کرتے ہیں ، مگر بالفعل اکثر معزز

مسلمانوں کی یہ خواہش ہوئی ہے کہ انگریزی زبان اور انگریزی علم ادب اور مغربی علوم کو لوگ اب اور نظر سے دیکھیں اور انگریزی عمل داری میں اُس کو پیٹ پالنے کا ذریعہ نہ سمجھیں بلکہ روشن ضمیری اور فہم و فراست کے لیے اُن کو حاصل کریں -

اس مین کچھ شک نہین کہ مسلمانوں کی ترقی کے لیے جو بالفعل کوشش ہو رہی ہے اُس میں اگر کام یابی ہو تو انگلستان اور ہندوستان کے باہم جو پولٹیکل اور سوشل رشتے ہیں وہ اور زیادہ مستحکم اور دوستانہ ہو جائیں گے ــــ جو عظمت مسلمانوں کو ہندوستان مین حاصل تھی اور ان کے بعد وہ عظمت انگریزی قوم کو حاصل ہوئی ہے اس لیے انگریزوں کو رقیب سمجھنے پر مسلمانوں کی طبیعت مائل ہوتی ہے ، لیکن نہایت لائق اور معزز مسلمان بخوبی واقف ہین کہ انگلستان کی شائستہ حکومت نے ہندوستان کو بڑے بڑے فائدے بخشے ہین اور یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کو جہالت اور ذلت کی حالت سے جو بالفعل اُن کی ہے نکالنے کے لیے ایک ایسا سلسلہ اصلی اور پختہ تعلیم کا بنانا تجویز کر رہے ہیں جس سے مسلمانوں کی آئندہ نسل کے لوگ شائستہ باشندے اور گورنمنٹ کی بہتر رعایا ہوں -

مدرسہ مجوزہ ایک چھوٹے شہر میں قائم ہونے والا ہے اور چوں کہ یہ شہر ایک مقام متوسط میں واقع ہے اس لیے ہندوستان کے مسلمان ہر ایک حصہ ہندوستان سے بآسانی وہاں پہنچ سکین گے ــــ تعلیم کے ساتھ مدرسے میں رہنے کا قاعدہ جاری کرنے سے یہ بھی غرض ہے کہ جو طالب علم ہندوستان

کے دور دراز حصے سے اس مدرسے میں تعلیم کے لیے آویں اُن کو کچھ دقت نہ ہو ۔

مسلمانوں نے چندہ فراہم کرنے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس مدرسے کی عمارت وغیرہ اور تقرر اسکالرشپ کے لیے ایک لاکھ پچاس ہزار پونڈ درکار ہوں گے ۔ جس کے پندرھویں حصے کے قریب چندہ ہو چکا ہے اور یہ تجویز ہے کہ جو لوگ اس قدر چندہ دیں جو فیلوشپ یا اسکالرشپ یا انعام کے لیے کافی ہو اُن کو اختیار ہوگا کہ اس بات کی ہدایت کریں کہ ہمارا چندہ اسی کام میں لگایا جاوے اور یہ بھی تجویز ہے کہ جو لوگ مدرسے کے لیے سو پونڈ یا اس سے زیادہ چندہ دیں اُن کی یادگاری کے لیے خاص تدبیریں کی جاویں ۔

جو نام وری کہ انگلستان کو اُس کی دولت مندی اور فیاضی اور سخاوت کے سبب حاصل ہے اور جو خاص تعلق انگلینڈ کو ہندوستان کے ساتھ خدا نے قائم کیا ہے اُس کے سبب سے مسلمانوں نے ایسے دور دراز ملک میں اور ایسے لوگوں سے جو بہ لحاظ قومیت اور مذہب کے بالکل مختلف ہیں ، مدد مانگنے کی جرأت کی ہے اور امید ہے کہ انگلستان کی قوم جو ہمیشہ انسانیت اور انسان کی عام بھلائی کے کاموں میں مدد کرنے کو مستعد رہتی ہے ایسے لوگوں کی مدد کرنے سے انکار نہ کرے گی جو اس کے ساتھ نہایت قریب رشتہ پولٹیکل کا رکھتے ہیں اور جن کو انگریزی رعایا کے بالکل حقوق حاصل ہیں مگر بہ باعث نہ ہونے شائستگی اور تہذیب کے اُن

سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے[1] ۔

(دستخط) سید احمد خان بہادر ، سی - ایس - آئی -
لائف آنریری سیکرٹری کمیٹی خزنة البضاعة
لتاسیس مدرسة العلوم للمسلمین ۔

۱- واضح ہو کہ جو لوگ لندن میں چندہ دینا چاہیں وہ اپنا چندہ لندن میں مسٹر ہنری ایس کنگ اینڈ کو کی کوٹھی مہاجنی میں جو کارنہل میں بہ نمبر ۶۵ واقع ہے ، جمع کرا سکتے ہیں ۔

مراسلات

متعلق

مدرسۃ العلوم مسلمانان

(''تہذیب الاخلاق'' بابت ۱۵ - جمادی الثانی ۱۲۹۰ھ)

جامع المناقب خیر خواہ اسلام و ترقی خواہ مسلمانان جناب سید احمد خاں صاحب بہادر سی - ایس - آئی - سیکرٹری کمیٹی مدرسہ مسلمانان سلامت !

آپ نے جو تجویز مدرسۃ العلوم مسلمانان کے قائم کرنے کی کی ہے اُس کو تو کوئی شخص برا نہیں جانتا - غالباً سب مسلمان ایسے مدرسہ کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں - یہاں تک کہ آپ کے شدید مخالف بھی اُس کی ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں - مگر بعض باتیں جو خلاف رسم و رواج اور خلاف مذہب اسلام اُس میں تجویز ہوتی ہیں اُس کی نسبت لوگ غل مچاتے ہیں اور اُن کا غل مچانا بھی درست ہے - مگر جب آپ کے حواریوں سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جو باتیں مخالفین مشہور کرتے ہیں وہ محض غلط ہیں - پس بہ مجبوری میں آپ سے چند سوالات مفصلہ ذیل کرتا ہوں - اس امید سے کہ آپ ان سوالات کو مع جوابات کے پرچہ ''تہذیب الاخلاق'' میں چھاپ کر دیں - اُسی پرچہ کے ذریعہ سے میری نظر سے گزر جاوے گا اور اگر آپ ایسا

نہ کریں گے تو یقین ہوگا کہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں وہ سب سچ ہے ۔ زیادہ نیاز

والسلام

حقیقت طلب

سوال	جواب
کمیٹی مدرسے نے یہ تجویز کی ہے کہ آپ کا ایک بت اور اُن لوگوں کی جو قیام مدرسے میں مدد کریں گے قد آدم یا نصف قد تصویریں مدرسے میں رکھی جاویں گی ۔ میں نے سنا ہے کہ پہلے تو قد آدم تصویریں رکھنی تجویز ہوئی تھیں اور اب نصف قد کی رکھنی قرار پائی ہیں ۔ اگر یہ سچ ہو تو پورے قد اور نصف قد میں کیا فرق سمجھا ہے ۔	جو کچھ آپ نے سنا محض غلط ہے ۔ کمیٹی نے نہ میرا بت رکھنا تجویز کیا ہے اور نہ کسی کی تصویریں قد آدم یا نصف قد مدرسے میں رکھنی تجویز کی ہیں ۔

سوال	جواب
کیا کمیٹی نے یہ تجویز کیا ہے کہ مدرسے میں طالبِ علموں کو انگریزی لباس ۔ کوٹ ، پتلون اور انگریزی جوتا پہننا یا کسی قسم کی خاص ٹوپی یا لال ٹوپی یا کیمبرج کا چغہ پہنانا تجویز کیا ہے ۔	محض غلط ہے ۔ کمیٹی نے اس باب میں کچھ بھی تجویز نہیں کیا ۔

سوال

جو طالب علم مدرسے میں رھیں گے اُن کو چھری کانٹے سے انگریزوں کی طرح میز پر کھانا ہوگا اور گردن مروڑی مرغی ان کو کھلائی جائے گی یا نہیں ۔

جواب

افسوس ھے کہ یہ آپ کا سوال فی الجملہ اخلاق کے بر خلاف ھے ۔ مگر جواب یہ ھے کہ کمیٹی نے طالب علموں کو چھری کانٹے سے کھلانا اور میز پر کھلانا تجویز نہیں کیا ۔ یہ سب باتیں محض غلط ھیں اور چوں کہ کمیٹی میں تمام ممبر مسلمان ھیں اور وہ سب مرغی کو گردن مروڑ کر مار ڈالنا حرام سمجھتے ھیں پس وہ طالب علموں کو گردن مروڑی مرغی ھرگز نہیں کھلانے کے ۔

سوال

مذھبی کتابیں کون سی پڑھائی جائیں گی ۔ کیا نئے احمدیہ مذھب[1] کی جو قریب ارتداد ھے ، کتابیں تصنیف ھو کر پڑھائی جاویں گی ۔

جواب

جب کہ آپ ان امور کو خود مجھ سے استفسار فرماتے ھیں تو آپ کو ایسی کنایہ آمیز باتیں لکھنی ھرگز مناسب نہ تھیں اور نہ مقتضائے اخلاق تھا مگر چوں کہ آپ نے بہ حیثیت سیکرٹری مجھ سے یہ باتیں استفسار کی ھیں اس لیے

۱۔ یہاں احمدیہ مذھب سے مراد اُن دینی عقائد سے ھے جو سرسید احمد خاں کے تھے اور جن کو عوام اُس وقت عام طور پر ارتداد اور الحاد سے تعبیر کرتے تھے ۔ (محمد اسماعیل پانی پتی)

سوال	جواب
	بہ مجبوری جواب دیتا ہوں ۔ جناب من ! مذہبی کتابیں سنیوں کو وہی پڑھائی جاویں گی جو ہمیشہ سنی پڑھتے آتے ہیں اور شیعوں کو وہ پڑھائی جاویں گی جو ہمیشہ سے شیعہ پڑھتے آتے ہیں ۔ احمدیہ مذہب کی (اگر آپ کے نزدیک کوئی ایسا مذہب قائم ہوا ہے) کوئی کتاب نہیں پڑھائی جاوے گی ۔

سوال	جواب
مدرسۃ العلوم میں جو قائم ہونا تجویز ہوا ہے زبان انگریزی پڑھائی جاوے گی یا نہیں اور انگریزی علوم بھی پڑھائے جاویں گے یا نہیں ۔ اگر پڑھائے جاویں گے تو انگریزی زبان اور انگریزی علوم کا پڑھانا گناہ اور معصیت ہے یا نہیں اور اس کے پڑھنے سے طالب علموں کے دلوں میں ارتداد اور برگشتگی اسلام سے پیدا ہوگی یا نہیں اور ان کی	سبحان اللہ ! کیا عمدہ الفاظ آپ کے سوال کے ہیں کمیٹی میں اب تک صرف ایک تجویز تعلیم پیش ہوئی ہے جس کی نسبت اب تک تصفیہ کامل نہیں ہوا مگر اکثر ممبروں نے پسند کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی زبان اور انگریزی علوم ان طالب علموں کو جو اسے پڑھنا چاہیں گے پڑھائے جاویں گے ۔ کمیٹی میں کبھی اس بات کا فیصلہ نہیں ہوا کہ

سوال

عادت میں انگریزیت سما جاوے گی اور ول اور گڈ امی بولنے لگیں گے یا نہیں ۔

جواب

انگریزی زبان اور انگریزی علوم کا پڑھانا گناہ ہے یا نہیں ۔ یہاں سے میں اس کا جواب نہیں دے سکتا اور اس بات کا حال بھی پیش تر سے میں نہیں بتا سکتا کہ طالب علموں کے دلوں میں اس تعلیم سے ارتداد اور برگشتگی اسلام سے پیدا ہوگی اور اُن میں انگریزیت سما جاوے گی اور ول و گڈ امی بولنے لگیں گے یا نہیں ۔ یہ بات تجربہ سے معلوم ہو سکتی ہے ۔

سوال

رافضیوں کو خلاف دین سمجھا جاتا ہے یا نہیں اور اُن کے مذہب کی کتابیں پڑھانا گناہ ہے یا نہیں اور مدرسہ میں شیعہ مذہب کی تعلیم ہوگی یا نہیں ۔

جواب

کمیٹی نے شیعہ مذہب کی تعلیم بہ ذریعہ شیعہ ممبروں کے تجویز کی ہے اور چوں کہ شیعہ مذہب کے مسلمانوں نے بھی چندہ دیا ہے اُس کی آمدنی سے شیعہ مذہب کے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم ہوگی اور شیعہ مذہب کے ممبر اُس کا اہتمام کریں گے ۔ سنی ممبروں سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور شیعہ ممبر اپنے مذہب کو خلاف

جواب	سوال
دین و اسلام نہیں سمجھتے اور نہ شیعہ مذہب کی کتابیں پڑھانا گناہ جانتے ہیں۔ و السلام	

راقم

سید احمد

سیکرٹری کمیٹی خزنۃ البضاعۃ

خط جناب مولوی علی بخش خاں بہادر بنام مولوی سید مہدی علی صاحب اور اس پر سر سید کا تبصرہ

سیدنا و مولانا ! تسلیم - میں ایک اپنے دل کی بات بعد مدت ظاہر کر کے مشورہ چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ مدرسۃ العلوم کے باب میں انواع و اقسام کی رائیں میری نظر سے گزرتی جاتی ہیں مگر میں نے اپنی رائے اس وقت تک اس خاص امر میں نہیں ظاہر کی ہے - اب کہ سید محمود صاحب کی رائے میں نے دیکھی تو وہ شبہ کسی قدر رفع ہوا کہ غالباً ہماری مذہبی کتابوں میں اصلاح کی نہ ٹھہرے گی اور دینیات میں شاید دست اندازی ہو کر ملت نیچریہ کی تعلیم نہ ہوگی - چوں کہ میں اس قدر امر میں سید احمد خاں صاحب سے مخالف نہیں ہوں کہ ہماری قوم کو علوم جدیدہ کی تحصیل ضرور ہے اور تعلیم موجودہ غیر کافی ہے - صدرا ، میبذی ، شرح چغمینی وغیرہ کتب معقولات سے اب کام نہیں چلتا ہے ، لہٰذا اگر کوئی مدرسہ ایسا قائم ہو کہ اس میں علوم جدیدہ انگریزی سے ترجمہ ہو کر پڑھائے جاویں تو ہم دردی قومی کا پورا نتیجہ نکلے گا - مگر پھر بھی تحصیل فقہ و حدیث و تفسیر میں ہرگز خلل نہ آنے پائے گا - مگر چند امور

ابھی میرے جی میں کھٹکتے ہیں جس سے میں خود بھی چندہ دینے سے باز رہا ہوں اور اپنے احباب سے بھی فرمائش کرنے سے معذور رہا تھا - اگر آپ محض محبت کی نظر سے سچ سچ اصلی حالات سے میری خاطر جمع کر دیں تو خوب ہو اور وجہ زیادہ تر شبہ کی یہ ہوئی کہ وہی شبہات شاہ رکن الدین صاحب نے سید احمد خاں صاحب سے پوچھے تھے انھوں نے یہ جواب دیا کہ کمیٹی کی رائے پر منحصر ہے - اس سے سب کو اور بھی شبہ پڑ گیا کہ اگر خدا نخواستہ کمیٹی نے وہی رائے دی جس کو ہم لوگ خلل انداز دین سمجھتے ہیں تو ایسے مدرسہ میں روپیہ خراب کرنا معصیت ہے - ہاں سید محمود صاحب کی تقریر سے میرا جی خوش ہوا اور وہ کسی قدر پابند دینیات کے بھی معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ میں نے سنا ہے کہ لندن میں نماز عید پڑھی اور روزے بھی رکھے اور سوائے ایک لفظ سخت کے اُن کی تقریر میں سختی بھی کم دیکھنے میں آئی - گو اُن کی رائے کسی قدر مخالف اہلِ اسلام ہو مگر وہ دوسری بات ہے - مدرسہ کے باب میں رائے اچھی لکھی ہے - سید صاحب ! آپ یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں سید احمد خاں صاحب کا ہر بات میں مخالف ہوں - ہرگز نہیں - میرے نزدیک امور دنیوی میں جس قدر ترویج علوم جدیدہ میں وہ ساعی ہوتے ہیں ، بہ ظاہر مجھ کو اچھا معلوم ہوتا ہے - ہاں ابتدا میں جو وضع طالبِ علموں کی اور اصلاح کتب دینی کی اُن کی رائے میں دیکھی تھی تو مجھ کو بڑا خطرہ پیدا ہوا تھا - اب تو کچھ دوسرا ڈھنگ سید محمود ڈالا چاہتے ہیں جس سے امید ہے کہ دست اندازی عقائد اسلام و کتب مذھبی میں نہ ہوگی - اب میں اپنے شبہات بیان کرکے آپ سے رائے لینا چاہتا ہوں جلد جواب دیجیے (جو شبہات کہ جناب

مولانا صاحب نے لکھے ہیں بہ جنسہ ذیل کے خط میں بہ طور
سوال و جواب کے تحریر ہوں گے) مجھ کو اس وقت بلکہ مدت سے
سخت افسوس ہے کہ ہماری قوم میں سید احمد خاں صاحب ایک شخص
لائق اور نامور اور معزز اور ذی عقل پیدا ہوئے اور ترقی قومی پر
آمادہ ہونا آن کا ارادہ ظاہر کیا گیا مگر اپنی خود رائی سے مذہبی
دست اندازی و انقلاب دین ایسا آن کی طبیعت میں جم گیا کہ
اصلی غرض فوت ہوگئی اور تمام قوم کو آن سے نفرت پیدا ہوگئی
ہے ۔ مجھ کو بھی جس قدر مخالفت ہے آن کے خیالات مذہبی سے
ہے ، نہ آن کی ذات خاص یا تعلیم علوم جدیدہ سے ۔ و اللہ علٰی
ما نقول شہید ۔ و السلام ۔

راقم نامہ سیاہ
علی بخش عفی عنہ

چند روز ہوئے کہ مولوی سید مہدی علی صاحب نے یہ خط
میرے پاس بھیجا تھا کہ میں ان شبہات کا جواب دوں ۔ چوں کہ
ہمارے قدیم دوست مخدوم جناب مولوی علی بخش خاں صاحب
بہادر کی اس تحریر سے بوئے ہم دردی و محبت و صداقت
پائی جاتی ہے اس لیے میں اولاً آن کے شبہات کا جواب لکھتا
ہوں اور اس کے بعد کچھ اور بھی ان کی خدمت عالی میں
عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں ۔

شبہ اول	جواب
اس مدرسہ کے واسطے لاکھوں روپیہ چاہیے جس کی امید نہیں ہے ۔ پھر اگر اس قدر سرمایہ جمع نہ ہوا تو ہمارا روپیہ کیا ہوگا ؟	اگر مسلمان متوجہ ہوں گے اور کوشش کریں گے تو جس قدر روپیہ درکار ہوگا اس کا جمع ہو جانا کچھ مشکل نہیں ہے ۔ علاوہ اس کے یہ مدرسہ

۳

شبہ اول

جواب

کچھ ہمارے ہی زمانے کے لوگوں
کے لیے نہیں قائم ہو رہا
بلکہ تمام نسلوں کے لیے جو
آئندہ آنے والی ہیں قائم ہوتا
ہے - اگر ہم اپنی زندگی میں
اس کام کو پورا نہ کر پاویں تو
ہمارے بعد کوئی اور بندۂ خدا
کھڑا ہو جاوے گا جو پورا
کرے گا - اسی طرح کوشش
چلی جاوے گی جب تک یہ کام
پورا ہو ــــــ علاوہ اس کے جو
تدبیر اس کے قیام کی کی گئی ہے
وہ ایسی سوچ سمجھ کر کی گئی ہے
جس سے بہ ظاہر یہ ممکن نہیں
ہے کہ یہ مدرسہ قائم نہ ہو -
جس قدر روپیہ اب چندہ ہوگیا
ہے اور قریب لاکھ روپیہ کے
اس کو قبول کرو اور یہ بھی
فرض کرو کہ آئندہ چندہ نہ
ہوگا تو بھی اس کی آمدنی سے
سرمایا بڑھتا جاوے گا اور چند
سال میں وہ سرمایا اس قدر ہو
جاوے گا کہ قیام مدرسہ کے لیے
مکتفی ہوگا - البتہ یہ بات ضرور

ہوگی کہ اگر چندہ آئندہ بند ہو
جاوے تو دیر کو مدرسہ قائم
ہوگا اور اگر چندہ ہوتا گیا اور
مسلمانوں نے کی مدد کی تو بہت
جلد اس کا قیام ممکن ہے ۔ پس
یہ خیال کرنا کہ مدرسہ قائم نہ
ہوگا صحیح نہیں ہے کیوں کہ
موجودہ حالت میں بھی کسی
نہ کسی دن ضرور قائم ہوگا ۔
پس اگر بالفرض اس وقت روپیہ
کافی جمع نہ ہو تو جس قدر
روپیہ آپ دیں گے وہ بہ طور
سرمایہ رہے گا اور اس کی
آمدنی سے وہ سرمایہ اور آپ کا
ثواب بڑھتا جاوے گا ۔ یہاں
تک کہ وہ سرمایہ کافی تعداد
تک پہنچ جاوے گا ۔ شاید بعض
صاحبوں کو یہ خیالات شیخ چلی
کے سے خیالات معلوم ہوں ،
لیکن اگر شائستہ ملکوں کے
حالات پر غور کرو تو بہت سی
اس قسم کی مثالیں پاؤ گے اور
دنیا میں بھی اس قسم کی بہت
سی مثالیں موجود ہیں ۔ رہی

شبہ اول

جواب

تاخیر ، یہ ایک مجبوری کی بات ہے جس کا علاج بہ جز اس کے کہ ہم سب مسلمان دل سے اس کام پر متوجہ ہوں اور ان لغو بحثوں کو جن کو مدرسۃالعلوم سے کچھ تعلق نہیں ہے چھوڑ دیں اور کچھ چارہ نہیں ۔

شبہ دوم

واقع میں بعد جمع چندہ اور قیام مدرسہ کے "تہذیب الاخلاق" کے خیالات کی تعلیم تو نہ ہونے لگے گی کمیٹی ایک ہی جلسے میں سب کچھ کر دکھانے پر تو آمادہ نہ ہو جاوے گی ۔

جواب

در حقیقت جب آپ سا شخص ایسے شبہات پیش کرتا ہے تو نہایت افسوس ہوتا ہے ۔ خود آپ ہی خیال کریں کہ "تہذیب الاخلاق" کے خیالات کو مدرسہ العلوم کی تعلیم سے کیا تعلق ہے ۔ کمیٹی کی نسبت جو آپ ایسا خیال فرماتے ہیں کیسا افسوس آتا ہے ۔ قبول کیجئے کہ میں نالائق ایک ممبر بد مذہب کمیٹی کا سہی اور مولوی سید مہدی علی صاحب بھی مشتبہ سہی مگر آپ کو مولوی محمد مسیع اللہ خاں صاحب کے علم و فضل و تقویٰ و دین داری

شبہ دوم

جواب

میں اور مولوی محمد اسماعیل صاحب
کے علم و کمال و اتقاء دین داری
میں اور مولوی حیدر حسین
صاحب اور مولوی فریدالدین
احمد صاحب و مولوی امانت اللہ
صاحب وغیرہ ممبران کی نیک
بختی اور دین داری میں کیا شبہ
ہے جو آپ فرماتے ہیں کہ ایسا
تو نہ ہو کہ کمیٹی ایک ہی
جلسہ میں سب کچھ کر دکھائے
یہ بات آپ سے متین آدمی کے
کہنے کے لائق نہیں ہے ۔ مع
ھذا اگر آپ کو درحقیقت ایسا
شبہ ہے تو اس کا علاج یہ ہے
کہ آپ خود بھی کمیٹی کے ممبر
ہو جائیے اور اور لوگوں کو
بھی جو آپ کی رائے میں ٹھیک
و درست ہوں اور جن پر آپ
کو بھی کچھ شبہ نہ ہو ممبروں
میں داخل کرائیے تا کہ اکثر
آپ کی رائے کی تائید کرنے
والے ہو جاویں ہر بات میں
غلبہ اسی رائے کو رہے جس
کو آپ کی رائے کے لوگ پسند

جواب

کریں اور اس صورت میں مخالف
پارٹی (اگر آپ کی رائے میں
کوئی مخالف پارٹی ہے) نہایت
ہی کم زور ہو جاوے گی -
پس در حقیقت ایسا کرنا قومی
بھلائی و ہم دردی ہے اور
کسی مضمون کے لکھ دینے اور
رسالہ کے چھاپ دینے سے بہت
زیادہ مفید و مؤثر ہے - اس لیے
سچی بات کے سننے کے بعد مجھے
امید ہے کہ آپ بھی کمیٹی کا ممبر
ہونا قبول فرماویں گے اور جو
خرابیاں کمیٹی میں ہوں ، اُن
کی درستی پر دل سے متوجہ
ہوں گے - ہمارے دل کی صفائی
اور خاص قومی بھلائی کی نیت
اور اپنی رائے پر اصرار تو
صاف اسی بات سے ثابت ہے کہ
جو لوگ اپنے تئیں ہمارا مخالف
بتاتے ہیں اُن ہی کی ہم منت
کرتے ہیں کہ برائے خدا آپ
بھی کمیٹی کے ممبر ہو جائیے اور
اپنی عمدہ رائے سے جو خرابیاں
کمیٹی میں ہوں اُن کی اصلاح

شبہ دوم

جواب

کیجیے۔ باقی رہا تہذیب الاخلاق، اُس کی نسبت جو کچھ آپ نے لکھا ہے اُس کی بات اگرچہ اس وقت لکھنے کا موقع نہیں ہے مگر پھر بھی اخیر کو میں کچھ لکھوں گا اس لیے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ نے بہ نظر تعمق اس معاملے پر غور نہیں کیا۔

شبہ سوم

پوشاک و لباس و اکل و شرب وضع طلبائے مسلمین کا بدلا جاوے گا یا نہیں اور کس قسم کا ہوگا ؟

جواب

پوشاک و لباس اکل و شرب وضع کا بدلا جانا کمیٹی نے تجویز نہیں کیا اور نہ بدلا جانا کوئی امر ضروری و لابدی ہے۔ جو لوگ حقیقت تعلیم پر نہایت غور کر چکے ہیں ہاں اُن کی رائے میں یہ بات ہے کہ ایک سی وضع پر طالب علموں کو رکھنا اُن کی تربیت، اُن کے اخلاق، اُن کی باہمی دوستی پر بہت مؤثر ہے اور شاید بعض فقراء کے خانوادوں نے بھی اسی لحاظ سے خاص ایک قسم کا نشان و لباس اپنے گروہ کے لیے تجویز

شبہ سوم

جواب

کیا ہے - پس اگر ممبران کمیٹی اس دقیق نقطہ پر غور کریں گے اور سب طالب علموں کی ایک سی وضع رکھنی مناسب سمجھیں گے تو کچھ قواعد مقرر کریں گے اور بہر حال جو تبدیل و تجویز ہو وہ وہی ہوگی جس کو تمام مسلمان ممبر یا اکثر پسند و تجویز کریں گے - پس کیا عمدہ بات ہو کہ آپ بھی اس کمیٹی کے ممبر ہوں اور جو بات قرار پاوے وہ آپ کی رائے سے قرار پاوے - پس اگر اب بھی آپ ممبر ہونا قبول نہ فرماویں تو بہ جز مسلمانوں کی بد بختی کے اور کیا تصور کیا جاوے -

شبہ چہارم

اگر خاص درجہ تعلیم کتب دینی کے واسطے روپیہ دیا جاوے تو وہ اس شرط خاص کے ساتھ منظور ہوکر تعمیل شرط ہوگی یا نہیں ؟

جواب

ضرور اسی شرط پر منظور ہوگا اور اسی کام مین خرچ کیا جاوے گا -

شبه پنجم

علماء مسلمین واسطے تعلیم کے کس قسم کے لوگ منتخب کیے جائیں گے - وہ ھی مشرق تعلیم یافتہ جن کی توھین سے "تہذیب الاخلاق" بھرا ھوا ھے یا کسی دوسری قسم کے ؟

جواب

علماء مسلمین کو مسلمانوں کی جماعت منتخب کرے گی جس جماعت میں انشاء اللہ تعالیٰ آپ بھی داخل ھوں گے - "تہذیب الاخلاق" میں گو ان کی توھین ھی کیوں نہ ھوتی ھو اس لیے کہ ایڈیٹر "تہذیب الاخلاق" پر اُن مسلمان عالموں کا منتخب کرنا منحصر نہیں ھے -

شبه ششم

اس مدرسہ کے قائم ھونے میں کتنی مدت درکار ھے ؟

جواب

اس کی خبر خدا کو ھے - وھی غیب کا حال جاننے والا ھے ، مگر بہ ظاھر حال یہ معلوم ھوتا ھے کہ اگر آپ بھی معین ھو جاویں اور اور مسلمان بھی دل سے مدد کریں تو بہت جلد قائم ھو جاوے گا ورنہ بلاشبہ دیر ھوگی مگر اتنا یقین جان لیجیے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اب یہ مدرسہ کسی کے روکے رکتا نہیں - افسوس ھے کہ ھماری یہ خواھش تھی کہ اس مدرسے کی بنا خاص

شبه هشتم

جواب

مسلمانوں کے نام پر پہلا امداد
دوسری قوم کی تاریخ کی کتابوں
میں بہ طور یادگار کے رہے -
مگر خدا نے ایسا نہیں چاہا
اور دوسرے ملک سے ہم کو
مدد مانگنی پڑی - جو تدبیر
کہ لندن میں سب کمیٹی قائم
کرنے اور چندہ جاری کرنے
کی کی گئی ہے اگر وہ پوری
ہو گئی تو آپ دیکھیں گے
کہ کیا ہوا اور اگر بالفرض
وہ بھی نہ چلی تو ہماری
موجودہ حالت سے بھی ایک
نہ ایک دن مدرسہ قائم ہوگا
اور جو لوگ شریک نہیں
ہوتے اُن کو اپنی مخالفت پر
نہایت افسوس ہوگا -

شبہ ہفتم

کب تک انتظار کر کے اپنے
روپیہ کی واپسی اہل اسلام
کر سکیں گے یا کبھی واپس
نہ ہوگا - برسوں تک یہی
کہا جاوے گا کہ صبر کرو
انتظار دیکھو ؟

جواب

جو مال کہ خدا کے نام وقف
کیا جاتا ہے وہ کسی کی ملکیت
نہیں رہتا - پس صدقہ کی واپسی
کا خیال نامناسب ہے - البتہ
یہ دیکھنا چاہیے کہ جو روپیہ
آپ نے دیا وہ نیک کام پر خرچ

شبہ ہشتم

جواب

ہو رہا ہے یا نہیں اور وہ نیک کام دو ہوں گے ۔ یا تو اس روپیہ کی آمدنی سے علم پڑھایا جاتا ہوگا یا اس کی آمدنی سے اصل سرمایہ بڑھ رہا ہوگا اور یہ دونوں کام حالاً و مالاً نہایت ثواب عظیم کے ہیں جو مال وقف کرنے اور صدقہ دینے سے مقصود ہیں ۔

شبہ ہشتم

جو مدارس بالفعل جاری ہیں ان پر بحالت کم جمع ہونے چندہ کے اور چھوٹا اسکول جاری ہونے کے کیا ترجیح مدرسۃ العلوم کو ہوگی ۔

جواب

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ممبروں کی یہ رائے نہیں ہے کہ چھوٹا سا اسکول تھوڑے سے روپیہ سے جاری کیا جاوے بلکہ درصورت کم جمع ہونے روپیہ کے اس کی آمدنی اصل سرمایہ میں جمع ہوتی جاوے گی تاکہ مقدار مطلوبہ حاصل ہو جاوے ۔

جناب عالی ! اب ایک عرض میری بھی سنیے کہ اگر ان جوابوں سے آپ کی تشفی خاطر ہوگئی ہو تو برائے خدا آپ بھی کمیٹی کی ممبری قبول کیجیے اور ہمارے مدد و معاون ہوجیے اور ہماری صفائی اور صدق نیت پر رحم کیجئے کہ کس طرح ہماری یہ خواہش ہے کہ جو لوگ ہماری خاص رایوں کے مخالف ہیں

انھی کے ساتھ ھم سب کام ڈالتے اور انھی کی رائے پر چلنا چاھتے ھیں ۔ پس اب ھم پر کچھ الزام نہیں ھے ۔ اگر کچھ الزام ھو تو انھی پر ھے جو اس کام کا لینا قبول نہیں کرتے ھیں ۔

شاہ رکن الدین صاحب نے بلا شبہ مجھے خط لکھا تھا ۔ مگر جب میں یہ بات دیکھتا ھوں کہ لوگ میری ذاتی باتوں کو کمیٹی کی طرف اور مدرسة العلوم کی طرف دیدہ و دانستہ اتہاماً یا غلطی سے منسوب کرتے ھیں تو میں شاہ رکن الدین صاحب کو بہ جز اس کے کہ ہر بات مدرسہ کی کمیٹی کی رائے پر منحصر ھے اور کیا جواب دے سکتا تھا ۔ اگر مجھ سے سوال کرنے والے یہ سمجھیں کہ یہ ایک شخص کی یا ایک ممبر کی رائے ھے تو مجھے اپنی رائے ظاھر کرنے میں نہ کبھی پہلے عذر ھوا اور نہ آئندہ ھوگا ۔

اب میں آپ سے کچھ اور بھی عرض کیا چاھتا ھوں ۔ اس امید سے کہ جس متانت اور صاف دلی سے آپ نے مولوی مہدی علی صاحب کو یہ خط لکھا ھے اسی متانت اور صاف دلی سے اس تحریر پر بھی توجہ فرماویں گے ۔ آپ مجھ کو مذھبی سخت الفاظ سے یاد کرتے ھیں اور ملت نیچریہ میری طرف منسوب فرماتے ھیں اور مذھب کا انقلاب دینے والا قرار دیتے ھیں اور اسی سبب سے مجھ سے نفرت کرتے ھیں میں ان باتوں سے کچھ ناراض نہیں ھوں کیوں کہ میں سمجھتا ھوں کہ آپ نے اس مطلب پر غور نہیں فرمایا ھے ۔

آپ کو یہ الفاظ فرمانے اس وقت مناسب تھے جب کہ میری کوئی تحریر یا تقریر اسلام کے برخلاف دیکھی ھوتی یا اسلام پر میں نے اعتراضات وارد کیے ھوتے ۔ حالاں کہ جب میری تمام تحریر و تقریر کا منشاء اور قال یہ ھے کہ جو اعتراض معترضوں

نے اور مخالف مذہب والوں نے اسلام پر کیے ہیں وہ در حقیقت اسلام پر وارد نہیں ہوتے تو ایسی حالت میں میں حامئی اسلام ہوا یا ملحد و مرتد ۔

فرض کرو کہ میری تمام تحریر غلط سہی مگر میں اپنی اس تحریر سے جب ہربت اسلام کی معترضین کے اعتراضوں سے اپنی دانست میں ثابت کرتا ہوں تو آپ کو ایسے الفاظ ایک مسلمان حامی اسلام کی نسبت کہنے کیوں کر زیبا ہیں - ہاں البتہ یہ آپ فرما سکتے ہیں کہ غلط اصول پر جواب دیا ہے ۔ جواب دینے میں غلطی کی ہے مگر اس مجیب کو مرتد و دھریہ و نیچرل اسٹ کیوں کر فرما سکتے ہیں ۔

مثلاً کوئی شخص ایک نہایت خوب صورت کی نسبت یہ کہتا ہے کہ وہ کالا تل جو اس کے چہرہ پر ہے اس سے وہ چہرہ نہایت بد صورت ہو گیا ہے ۔ اب دو شخص اُس برائی کے رفع کرنے کو موجود ہوتے ہیں ۔ ایک شخص نے یہ ثابت کرنا چاہا کہ اُس خوب صورت چہرے پر کالا تل ہے ہی نہیں اور دوسرے شخص نے اس بات کو تو تسلیم کیا کہ تل تو ہے مگر یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ اُس تل سے اس کے حسن کو اور زیادہ خوبی اور چہرہ کو نہایت ہی خوب صورتی ہوگئی ہے ۔ پس اب ان دونوں میں سے کس شخص کو آپ اس خوب صورت چہرہ کا دشمن اور بد خواہ قرار دیں گے ۔ غالباً دونوں شخصوں کو ۔ اُس معترض نے جو عیب لگایا ہے اُس کو رفع کرنے والا سمجھیں گے ۔ پس یہی حال میرا اور میرے مخالفوں کا مذہب اسلام کی نسبت ہے ۔

میری یہ رائے ہے کہ علوم جدیدہ ہندوستان میں اور تمام اسلامی ملکوں میں روز بروز پھیلتے جاویں گے ۔ اگر کوئی ہزار تدبیریں اُن کے روکنے کی کرے رک نہیں سکتے اور یہ بھی میں اپنی

رائے میں (خواہ وہ غلط ہو یا صحیح) یقینی سمجھتا ہوں کہ جب وہ علوم بہ خوبی پھیل جاویں گے تو تمام مذاہب کے اور نیز مذہب اسلام کے سرسبز و شاداب پودے جل کر برباد ہو جاویں گے۔ ان علوم کے سامنے صرف اسی مذہب کا پودہ سرسبز و شاداب رہے گا جس نے بہ خوبی اُن علوم کا مقابلہ کیا ہوگا اور یا تو ان علوم کے مسائل مخالف اسلام کو ڈھا دیا ہوگا یا خود اسلام کے مسائل کو ان علوم کے مطابق کر دکھایا ہوگا۔

یہ بات کچھ نئی نہیں ہے۔ جب مسلمانوں میں فلسفہ یونانی نے رواج پایا تو اس وقت بھی علمائے اسلام کو یہی کرنا پڑا کہ یا حکمت یونان کے مسئلہ کو جو مخالف اسلام تھا باطل کیا یا مسائل اسلام کو مطابق حکمت یونان کر دکھایا اور ایسا کرنے میں رکیک رکیک اور ضعیف ضعیف تاویلوں کے بھی مرتکب ہوئے جیسے کہ شاہ عبد العزیز صاحب نے کل فی فلک یسبحون کی تفسیر میں کی ہے۔ و قس علیٰ ھذا۔

میں یہ سمجھا ہوں (خواہ میری سمجھ غلط ہو یا صحیح) کہ وہی زمانہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مشکل اب آگیا ہے اور میں فرض سمجھتا ہوں کہ جو لوگ لکھے پڑھے ہیں (میں اپنے تئیں لکھے پڑھوں میں نہیں سمجھتا) وہ حال کے علوم جدیدہ کا مقابلہ کریں اور اسلام کی حمایت میں کھڑے ہوں اور مثل علمائے سابق کے یا تو مسائل حکمت جدید کو باطل کر دیں یا مسائل اسلام کو ان سے مطابق کر دیں کہ اس زمانہ میں صرف یہی صورت حمایت اور حفاظت اسلام کی ہے۔

ان خیالات کے باعث میں مذہب اسلام کے مسائل سے بحث کرتا ہوں اور جو مسئلہ حکمت جدید کا میری رائے میں تردید کے قابل نہیں ہے تو مذہب اسلام کے مسئلہ کو تطبیق دیتا ہوں۔ اب فرض کرو کہ میں نے اس تطبیق میں بہ سبب اپنی جہالت و بے علمی کے

غلطی کی ہو مگر ایسا شخص جو بتمامہ حمایت اسلام میں مصروف ہو ان الفاظ کا مستحق ہے جو آپ سامتین آدمی (جس سے قوم کو فخر کرنا چاہیے اور قوم کو اس سے بہبودی کی امید کرنا چاہیے) ارشاد فرماتا ہے ۔

آپ خیال فرمائیے کہ میری رائے میں یہ مسئلہ حکمت جدید کا کہ "تمام کواکب کرامت معلق ہیں فضائے بسیط میں" ایسا مستحکم ہے کہ اس کی تردید کسی طرح نہیں ہو سکتی ۔ فرض کرو کہ میرا ایسا یقین کرنا فی نفسہ غلط ہو مگر مجھے یقین ہے ۔ اب میں صرف بہ نظر حمایت اسلام یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید سے بھی آسمان مجسم محیط اطراف عالم کا ہونا ثابت نہیں ۔ فرض کرو کہ میرا یہ قول ہی فی نفسہ درست نہ ہو مگر جس منشاء سے میں نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے میں مثبت قرآن و مصدق و حامی اسلام ہوں یا نیچرل اسٹ و مرتد ؟ اگر آپ کو خدا نے زیادہ علم دیا ہے اور آپ اس مسئلہ حکمت جدید کی تردید کر کے آسمان محیط عالم کو ثابت کریں اور قرآن مجید کی تصدیق فرماویں تو میرے اور آپ کے منشاء میں کچھ فرق نہ ہوگا پس کس طرح ہم ایک دوسرے پر الفاظ سخت مذہبی کا اطلاق کر سکتے ہیں ۔

یا میری سمجھ میں کسی وجود خارجی غیر محسوس کا مغوی الانسان ہونا محالات سے ہے ۔ میں اس مسئلہ کا حل اس طرح پر کرتا ہوں کہ قرآن مجید سے بھی اس کا وجود خارج من الانسان ہونا ثابت نہیں ۔ پس اس میری تحریر کا منشاء گو وہ غلط ہو ، حمایت و تصدیق قرآن مجید ہے یا برخلاف اس کے ۔

یا میری رائے میں مخالفین کی وجوہات نسبت برائی غلامی کے ایسی ہیں جو رفع نہیں ہو سکتیں ۔ میں کہتا ہوں کہ اسلام نے

بھی اس برائی کو مٹا دیا ہے پس یہ کہنا حمایت اسلام پر مبنی ہے یا اُس کی مخالفت ہے ۔

میں نے دیکھا ہے کہ شیعوں کا اعتراض جو حدیث قرطاس کے معاملہ میں حضرت عمر پر ہے بعض لوگوں نے اس حدیث کو تسلیم کر کے اُس کا جواب دیا ہے اور بعضوں نے اس حدیث ہی سے انکار کیا ہے ۔ پس کیا اُن میں سے کوئی مخالف حضرت عمر کا قرار پا سکتا ہے ۔

پس اب آپ ان سب باتوں پر خیال فرما کر ''تہذیب الاخلاق'' کی نسبت اور میری نسبت جو رائے چاہیں قائم کر لیں ۔ مگر اتنا ضرور یاد رکھیں کہ بہت جلد زمانہ آنے والا ہے جو لوگ سمجھیں گے کہ میری کتاب خطبات احمدیہ اور میرا ''تہذیب الاخلاق'' مسلمانوں کے لیے کیسی رحمت تھا ۔

بہ ہر حال یہ قصہ تو ہو چکا اور ہوتا ہی رہے گا ۔ آپ جو چاہیں مجھ کو اور میرے ''تہذیب الاخلاق'' کو فرماویں مگر مدرسۃ العلوم کی کمیٹی میں شریک ہو جئے اور للہ فی اللہ مسلمانوں کی بھلائی پر کوشش فرمائیے ۔ آپ کے سبب سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوگا اور کمیٹی میں بھی آپ عمدہ تجویزیں بتلا سکیں گے ۔ پس تمام خیالات کو دور کیجیے اور دین دنیا کی خوبی حاصل فرمائیے ۔ زیادہ بہ جز تسلیم کے اور کیا عرض کروں ۔

والسلام

راقم

سید احمد